محبت لفظ ہے لیکن

حیا بخاری

خوب صورت جذبوں کی باریکیاں بیان کرتی حیا بخاری کی ایک دل نشیں تحریر...... کتاب گھر کے قارئین کے لیے ایک تحفہ خاص

محبت لفظ ہے لیکن

حیا بخاری

قسط نمبر 1

''ماں باپ کے سامنے بہت سوچ سمجھ کر بولا کرو کیوں کہ کبھی کبھی ان کے سامنے بولا گیا کوئی بھی برا یا اچھا کلام ہماری پوری قسمت پہ حاوی ہو جاتا ہے۔''

یہ پہلی مرتبہ نہیں تھا کہ وہ رات کو یوں اچانک کمرے سے باہر نکل گئے ہوں۔ معمولی بات تھی۔ پھر بھی نہ جانے کیوں انہیں کچھ غیر معمولی لگا آہستگی سے پیر چپل میں مقید کیے بنا چادر لیے وہ دبے پاؤں دروازے کی طرف آئی تھیں۔ خان جی طویل صحن عبور کر کے باہر آخری سرے پر بنی بیٹھک میں داخل ہو رہے تھے۔ وہ کسی روبوٹ کی طرح اسی طرف چل دیں۔ نہ جانے ان میں اتنی جرات کہاں سے آ گئی تھی۔ حویلی کے سرداروں کی یوں ٹوہ لینے کی جرات کوئی کر بھی لیتا۔ کم از کم صنوبر بی بی جیسی نرم و نازک، ڈرپوک سی عورت کبھی نہیں کر سکتی تھی۔ پھر بھی نہ جانے کون سی ان دیکھی طاقت تھی۔ جو ان کو یہ سب کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔ بہت تیزی سے صحن عبور کرتیں وہ اب دروازے سے قریب دیوار سے لگی کھڑی تھیں۔

''کیا خبر ہے دوراں؟'' خان کی بھاری آواز سنتے ہی ان کا کمزور دل یک بارگی ڈوب سا گیا تھا۔

''کام ہو گیا خان جی۔۔۔'' مودبانہ لہجے میں انہوں نے کسی کو کہتے سنا تھا۔

''کام پکا ہے ناں۔۔۔؟'' خان کے لہجے میں اس مرتبہ فکر تھی۔

''بالکل صفائی سے کام کیا ہے خان۔۔۔ سب کو یہی لگے گا کہ بہن کی طرف سے لگے بدنامی کے داغ کو برداشت نہ کرتے ہوئے بڑے خان نے خودکشی کر لی۔'' سردی کی شدید لہر سے اُن کی ریڑھ کی ہڈی سنسنا گئی۔ بے ساختہ نکلتی چیخ کو منہ پہ ہاتھ رکھ کر انہوں نے بہ مشکل روکا تھا۔

''شاباش دوراں۔۔۔ مجھے تم سے یہی امید تھی۔'' خان جی کے لہجے میں اطمینان بھر گیا تھا۔

''اب سارے گاؤں میں اس بے غیرت کے چرچوں پر بڑے خان کی موت کی خبر حاوی ہو جائے گی۔۔۔ پھر کچھ دنوں میں ان دونوں کا بھی کوئی نہ کوئی بندوبست کرتا ہوں۔ تم ایسا کرو گاڑی نکالو ہم ابھی لاش لے کر شہر روانہ ہوں گے۔ اور کسی کے ذمے لگا دو کہ گھر گھر اطلاع دے، دے۔ آخر سب گاؤں والوں کا پیارا خان مر گیا ہے۔'' وہ شیطانی قہقہہ انہیں اپنے اعصاب پہ ہتھوڑے کی طرح محسوس ہوا تھا۔ مزید ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ وہ تیزی سے کمرے میں واپس آ کر بیڈ پر لیٹ گئیں۔ دروازے کی طرف پشت کیے بند آنکھوں

سے سیل رواں تھا۔ان کے اتنے اچھے بھائیوں جیسے جیٹھ اب اس دنیا میں نہیں رہے تھے۔وہ بہ مشکل ہچکیوں پہ بند باندھنے میں کامیاب ہوئی تھیں۔

خان جی کمرے میں آئے اور چند لمحوں بعد واپس نکل گئے۔

''کچھ دنوں بعد ان دونوں کا بھی بندوبست کرتا ہوں۔''منہ پر ہاتھ رکھے چیخوں کا گلا گھونٹتے وہ اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

''کون دونوں۔۔۔؟''ذہن میں اٹھتے سوال نے آہستہ آہستہ درد کم کرنا شروع کر دیا تھا۔

''اور کون ہے جسے خان اس طرح۔۔۔''وہ ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کرتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''میں۔۔۔''خیال آیا فوراً ہی سرنفی میں ہل گیا۔

''گھر سے بھاگ جانے والی بہن اور وہ لڑکا۔۔۔ بھلا اور کون۔۔۔؟''ذہن نے ایک اور راہ دکھائی۔

''نہیں ان دونوں کا تو کوئی اتا پتا نہیں۔۔۔مشکل ہے بہت مشکل۔۔۔''دل مطمئن نہیں تھا۔

''تو پھر کون۔۔۔''ننگے پیر ٹھنڈے فرش پر ٹہلتے ان کی ٹانگیں شل ہونے لگی تھیں۔۔۔تبھی جاڑے کی خاموش تاریک رات میں گاڑی کا انجن اسٹارٹ ہونے کی گونج سنائی دی تھی۔وہ چونک کر دروازے کی طرف آئیں۔اور بے ارادہ ہی نگاہ سامنے برآمدے میں نظر آنے والے دروازے پر جم سی گئی۔

''بی بی اور ولی۔۔۔؟''لبوں نے خود بخود بول کے ان پر سب واضح کر دیا تھا۔وہ ڈر کے دو قدم پیچھے ہٹ گئیں۔

''یا اللہ۔۔۔''درد کی تیز لہر نے ان کے دل کو اپنے حصار میں لیا تھا۔۔۔اور پھر چند منٹ لگے تھے ان کو سوچنے میں۔۔۔الماری کھول کر ایک بڑا بیگ نکالا، جو بہ آسانی کمر پر لادا جا سکتا تھا۔تیز بھاگنے کی صورت میں بھی اسے اٹھانا سہل تھا۔خان شکار پر جاتے وقت ہمیشہ یہی بیگ ساتھ لے کر جاتے تھے۔صنوبر کو یہ بیگ بہت پسند تھا۔

انہوں نے الماری کے نچلے حصے میں بنے سیف میں سے چند بھاری زیورات اور نقدی کی چند ہری گڈیاں بیگ میں ڈال دیں۔ بیگ اب بھی کافی ہلکا تھا۔انہوں نے احتیاط سے سیف واپس بند کیا اور بیگ اٹھائے سامنے والے کمرے کی طرف چلی آئیں۔

''بی بی۔۔۔''انہوں نے تیز آواز میں پکارا تھا۔اور ان کی توقع کے عین مطابق دوسری دستک پر ہی دروازہ کھل گیا تھا۔

''کیا ہوا صنوبر۔۔۔؟''ان کے چہرے پر تشویش تھی۔

''بی بی اپنے زیور نکالیں۔''وہ ان کا ہاتھ تھامے انہیں اندر لاتے ہوئے بولیں۔

''کیا مطلب۔۔۔؟''وہ حیران ہوئیں۔

''جلدی کریں بی بی۔۔۔''وہ بڑھ کر خود الماری کھولنے لگیں۔اب بی بی انہیں حیرت سے دیکھتے ہوئے ذرا سی کھلی الماری میں

موجود سیف کھولنے لگیں۔

''بتاؤ تو ہوا کیا ہے؟ کیوں چاہئیں زیور۔۔۔؟'' وہ لاک کھولتے ہوئے ان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''کہیں گُلے کا تو پتا نہیں چل گیا۔'' ایک دم ہی انہیں خیال آیا تھا۔ ادھر صنوبر انہیں مکمل طور پر نظر انداز کر کے زیور اور نقدی بیگ میں ڈالنے لگی تھیں۔

''صنوبر کیا کر رہی ہو؟'' وہ بے بس ہو گئیں۔

''جلدی کریں بی بی۔۔۔ ولی کو جگائیں۔۔۔ جلدی۔'' وہ تیزی سے ہاتھ چلاتے ہوئے بولیں۔

''لیکن کیوں؟''

''جلدی۔۔۔ میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گی۔۔۔ ابھی تو جلدی سے ولی کو جگائیں۔'' وہ کام ختم کر چکی تھیں سو تیزی سے بیگ بند کر کے خود ہی بیڈ پر گہری نیند سوتے بچے کی طرف لپکیں۔

''ولی۔۔۔ ولی اٹھو۔۔۔'' ذرا سا کسمسا کے بچے نے اپنی پوری آنکھیں کھول دی تھیں۔ اس کی نیند میں ڈوبی آنکھوں میں بھی جھلملاتی تیز روشنی اس کی ذہانت کا پتا دے رہی تھی۔

صنوبر نے جھٹ ولی کو خود سے لپٹا لیا۔ پھر اس کے دونوں گال کئی بار چوم لئے۔

''کیا ہو گیا ہے تمہیں صنوبر۔۔۔؟'' بی بی کو اب صحیح معنوں میں پریشانی لاحق ہوئی تھی۔

''آپ دونوں کو ابھی اسی وقت اس گھر، اس گاؤں سے کہیں دور جانا ہو گا بی بی، کہیں دور۔۔۔'' وہ ولی کو خود سے لپیٹے بھیگے لہجے میں بولی تھیں۔

''دور۔۔۔ لیکن کہاں اور کیوں۔۔۔؟'' وہ ناسمجھی سے صنوبر کا روشن چہرہ دیکھے گئیں۔

''یہ تو میں بھی نہیں جانتی کہ کہاں۔۔۔ لیکن یہ جانتی ہوں کہ کیوں۔۔۔'' وہ اٹھ کر ان کے پاس آ گئیں۔

''اس لئے کہ۔۔۔ آپ اور۔۔۔'' وہ کہہ نہ سکیں بی بی ان کی طرف دیکھتی رہیں۔

''آپ کی اور ولی کی جان کو خطرہ ہے بی بی۔۔۔'' ان کی آنکھیں پھر برسنے لگیں۔ بی بی مسکرا دیں۔

''کوئی برا خواب دیکھ لیا ہے۔۔۔ توبہ صنوبر تم بھی ناں۔۔۔'' وہ سوئے جاگے ولی کی طرف بڑھ گئیں اور اب اٹھ کر بیٹھا ہوا تھا۔

''سو جاؤ بچے۔۔۔'' وہ اسے واپس لٹانے لگیں۔

''نہیں، اٹھو ولی۔'' صنوبر تیزی سے ان کی طرف لپکیں اور لیٹے ہوئے ولی کو دوبارہ پکڑ کے بیٹھا دیا۔ پھر اِدھر اُدھر نگاہ کی۔ دور کونے میں ولی کے جوگرز پڑے تھے اور ان سے کچھ دور بڑے خان کے جوگرز وہ جوتوں کے دونوں جوڑے اٹھا کر بیڈ کے قریب آ گئیں۔

''یہ ولی کو پہنا دیں۔''انہوں نے جوگرز بیڈ پر رکھ کر خود بی بی کے قدموں میں بیٹھتے ہوئے کہا۔اس بار بی بی نے خاموشی سے جوتے ولی کو پہنانا شروع کر دیے تھے۔وہ خود بی بی کے چپل اتار کر انہیں خان کے جوگرز پہنانے لگیں۔

''صنوبر یہ کیا؟''بی بی مچلیں۔

''جلدی بی بی۔۔۔ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔''صنوبر نے جھپٹ کر مضبوطی سے ان کے پاؤں پکڑے اور لمحوں میں جوگرز پہنا دیے۔پھر ولی کو سوئٹر،دستانے اور اونی ٹوپی پہنانے کے بعد دوبارہ بی بی کی طرف متوجہ ہو گئیں۔۔۔تیاری مکمل تھی۔۔۔

''بی بی۔۔۔''ان کی خوبصورت نیلی نیلی آنکھیں پھیلنے لگی تھیں۔

''کیا ہوا ہے صنوبر۔۔۔''بی بی کا دل ڈوبنے لگا۔انہوں نے صنوبر کے سرد ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔

''وہ۔۔۔وہ۔۔۔''صنوبر بول نہ سکیں۔۔۔کتنے ہی پل دبے پاؤں گزر گئے۔

''کاکی۔۔۔''ولی جو مسلسل خاموشی سے سب کاروائی دیکھ رہا تھا نے صنوبر کو پکارا۔

''مجھے نیند آئی ہے کاکی۔۔۔''اس کی پلکیں بھاری ہو رہی تھیں۔صنوبر نے ایک نظر اسے دیکھا پھر بی بی کو تکنے لگیں۔

''خان آپ دونوں کو مار دے گا بی بی۔''صنوبر کی زبان خشک ہونے لگی تھی۔

''کیا مذاق ہے صنوبر۔''بی بی اب تنگ آ چکی تھیں۔

''بڑے خان۔۔۔''وہ بولتے بولتے رکی،نہ جانے کیوں بی بی کا دل دوب ڈوب گیا۔

''انہوں نے بڑے خان کو مروا دیا ہے بی بی۔''وہ رونے لگیں تھیں بی بی ساکت سی صنوبر کو دیکھتی رہیں۔

''وہ ولی کو بھی مارنا چاہتے ہیں بی بی۔۔۔اس جائیداد کے لیے آپ،ولی سب کو مار دینا چاہتے ہیں وہ۔''

''خان جی۔۔۔''صنوبر کو بی بی کی آواز کسی گہری کھائی سے آتی محسوس ہوئی اور تھا بھی ایسا ہی۔

وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ بی بی واقعی ایک گہری کھائی میں جا گری تھیں۔اور مزید گہرائی میں گرنے والی تھیں۔۔۔وہ انہیں بچانے کی ایک کوشش کرنا چاہ رہی تھیں۔آگے سب قدرت پہ تھا۔۔۔ان کی قسمت پہ تھا۔

وہ یہ سب نہیں جانتی تھیں۔نہ ہی جاننا چاہتی تھیں۔بس انہیں ولی اور بی بی کو فی الحال کہیں دور بھیجنا تھا۔جہاں خان کے خونی ہاتھ ان کو تلاش نہ کر سکتے۔۔۔

''بی بی۔۔۔''صنوبر نے ساکت سی بی بی کو ہلایا۔وہ بے جان سی ان کو تکنے گئیں۔

''ہوش کریں بی بی۔۔۔ولی کو بچا لیں۔''

''یہ کیسے ہو سکتا ہے صنوبر۔۔۔'' بائیں آنکھ سے ایک آنسو لڑھکتا ان کا گال چھو گیا۔

''میں اتنی رات کو یوں اچانک اتنا بڑا جھوٹ کیوں بولوں گی بی بی۔۔۔'' ان کی آنکھوں سے تواتر آنسو بہہ رہے تھے۔

''خان۔۔۔'' انہوں نے دونوں ہاتھ منہ پر رکھ کے جیسے خود کو چلانے سے روکا تھا۔ اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھیں۔ صنوبر بھیگی آنکھوں سے ان کو آنسو بہاتا دیکھتی رہیں۔

''بی بی۔۔۔'' کچھ دیر بعد صنوبر نے دھیرے سے ان کا شانہ ہلاتے ہوئے ان کو پکارا تھا۔ وہ اب سسک رہی تھیں۔

''ولی کو بچالیں بی بی۔۔۔'' وہ دوبارہ بولیں۔

''ابھی سارے گاؤں میں خبر پھیل جائے گی۔ گاؤں والے جاگ گئے تو مسئلہ ہو جائے گا۔ آپ ابھی ولی کو لے کر نکل جائیں اور کوشش کرنا کہ صبح کا اجالا پھیلنے تک آپ کسی بڑے شہر کی طرف نکل جائیں کیوں کہ خان صبح تک واپس آجائیں گے۔۔۔ لالا کی لاش لے کر۔'' اس نے ہاتھ کی پشت سے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

''اٹھو، بی بی دیر نہ کریں۔۔۔'' وہ دوبارہ سے ان کے کندھے سے لگ کر سوتے ولی کو جگانے لگیں۔

''بی بی ولی کو لے کر چلی جائیں۔۔۔'' اس نے اس بار ذرا تیز لہجے میں کہا تو بی بی چونک سی گئیں۔ پھر جلدی سے اٹھ کر بڑی گرم شال الماری سے نکالی۔

''یہ شال پہن لیں۔'' وہ ان کی مدد کرنے لگیں۔ بیگ لینے کے بعد انہوں نے چادر اپنے اوپر پھیلا دی۔

''ان جوگرز کی وجہ سے آپ کو بھاگنے میں آسانی رہے گی۔ اگر خان کے کتوں کو خبر ہوگئی۔ انشاءاللہ میرے خیال میں صبح تک آپ آرام سے گاؤں سے نکل جائیں گی۔'' وہ سر ہلا گئیں۔ صنوبر جگ میں رکھے ٹھنڈے پانی سے ولی کا منہ دھونے لگیں وہ بیدار ہو گیا۔

''چلو بچے۔'' بی بی نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔

''کہاں کاکی۔۔۔؟'' وہ معصومیت سے پوچھنے لگا۔

''شہر۔۔۔'' صنوبر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولیں۔

''تمہیں شہر جا کے پڑھنے کا شوق تھا ناں۔۔۔ یوں سمجھو وہ خواب پورا ہونے کا دن آگیا۔''

''سچ میں کاکی۔۔۔'' اس کی آنکھیں لو دینے لگیں۔

''بالکل سچ۔۔۔'' وہ نم سی مسکراہٹ لبوں پر سجا گئیں۔

''جائیں بی بی۔۔۔ اللہ کی امان میں۔'' انہوں نے بی بی کو گلے لگا لیا۔

رات کی تاریکی اور سردی ایک ہی ڈھنگ سے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ صنوبر دروازے کی اوٹ سے سامنے دیکھ رہی تھیں۔

بی بی چادر تھامے ولی کا ہاتھ پکڑے قدم بہ قدم دور جا رہی تھیں۔ پچھلے صحن کی طرف مڑنے والی تاریک تنگ گلی کی طرف۔۔۔ جہاں دیوار کا ایک خستہ حصہ وہ آسانی سے عبور کر کے، اس خونخوار حویلی سے اپنے ولی کو بچا کر لے جا سکتی تھیں۔۔۔

ہاں شاید۔۔۔

☆......☆......☆

وہ کتنی دیر واش بیسن میں مسلسل بہتے پانی کو دیکھتا رہا۔ پھر ہاتھ کا پیالہ بنا کر بھر بھر کر خود کو بھگویا۔ لیکن جلن تھی کے بڑھتی جا رہی تھی۔ تبھی اس کی نگاہ آئینے پہ پڑی تھی۔ ہاتھوں کا پیالہ بنا آواز کے ٹوٹ گیا تھا۔

یہ آئینے میں نظر آنے والا عکس اس کا اپنا تو نہیں تھا۔۔۔ تو پھر وہ کون تھی۔۔۔ جو بار بار اس کے سامنے آ جاتی تھی۔

اسے اس چہرے سے نفرت تھی پھر اسی قدر وہ چہرہ کیوں اس کی آنکھوں میں سمایا ہوا تھا۔

وہ پلٹ کر کمرے میں آ گیا اتنے سرد موسم میں بنیان میں ملبوس بھی وہ پسینے سے تر ہونے لگا تھا۔ اس نے سائیڈ ٹیبل پر دھری سگریٹ کی ڈبیا اٹھائی اور ایک سگریٹ نکال کر جلانے لگا۔ پھر ایک گہرا کش لیا ذرا دیر سانس روکی اور پھر دھوئیں کے مرغولے کو ہوا کے سپرد کر دیا۔

اگلے ہی لمحے اس کے جسم میں کرنٹ سا گزرا تھا۔ وہ مرغولہ ہوا میں ہی ساکت ہوا تھا۔ اور دھوئیں نے کسی بہت ہی خوبصورت چہرے کی شبیہہ پکڑی تھی۔

وہی صورت ایک بار پھر اس کے سامنے تھی۔

''لالہ۔۔۔'' اس نے چلاتے ہوئے سائیڈ ٹیبل پر دھرے سامان کو ہاتھ کی زوردار ٹھوکر سے دور پھینک دیا تھا۔ ایک دم شور سا گونجا تھا۔

پھر مکمل خاموشی چھا گئی تھی۔۔۔

☆......☆......☆

رات جس قدر تاریک تھی، اسی قدر سرد بھی۔۔۔ قمری مہینے کی آخری راتیں ہونے کی وجہ سے چاند بھی غائب تھا۔ سردی سے اس کا ننھا سا وجود کپکپا رہا تھا۔ مگر وہ ماں کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے بھاگا چلا جا رہا تھا۔

اسے اپنے پیر شل ہوتے محسوس ہوئے تھے۔ سانس جیسے اکھڑی ہوئی تھی۔ مگر پھر بھی وہ تیز سے تیز دوڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ماں کے قدم سے قدم ملا کر سب کچھ برداشت کیے کسی جنونی کی طرح دوڑتا چلا جا رہا تھا۔

رات کے خوفناک سناٹے میں اسے کئی بھاری دوڑتے قدموں کی آوازوں کے ساتھ لوگوں کی چیخ و پکار بھی سنائی دے رہی تھی۔

شکاری کتوں کے بھونکنے کی آوازوں نے ماحول مزید دہشت زدہ بنا دیا تھا۔مگر پھر بھی وہ خوفزدہ نہیں تھا کیوں کہ اس کی ماں اس کے ساتھ تھی۔۔۔اور وہ جانتا تھا کہ ماں کے ہوتے ہوئے اسے کوئی مصیبت چھو بھی نہیں سکتی تھی۔

بھاگتے بھاگتے وہ اتنا فاصلہ طے کر چکا تھا کہ سخت سردی کے باوجود بھی اس کا وجود پسینے میں بھیگ گیا تھا۔شکاری کتوں کی آوازیں نزدیک سے نزدیک تر ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔تبھی اس کا پاؤں کسی سخت چیز سے ٹکرایا۔اسے بہت زور کی ٹھوکر لگی۔ماں کا مضبوط ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

''ماں۔۔۔''وہ بہت زور سے چلایا تھا۔

☆......☆......☆

''باری۔۔۔باری۔۔۔''کوئی بہت دور سے اسے پکار رہا تھا۔

اس نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی تھی لیکن تیز روشنی کی چبھن نے اس کی یہ کوشش ناکام کر دی تھی۔

''باریال۔۔۔''اس دفعہ آواز قریب محسوس ہوئی تھی۔اس نے اس بار آنکھیں کھول دی تھیں۔

''دیدے۔۔۔''خود پر جھکی ماں کو دیکھ کر وہ تیزی سے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا۔

''تم مجھے پکار رہے تھے۔۔۔''وہ سائیڈ ٹیبل پر دھرے جگ سے پانی گلاس میں انڈیلتے ہوئے بولیں۔

''نہیں تو۔۔۔''وہ صاف مکر گیا انہوں نے مسکراتی نگاہ اس کی طرف کی۔

''وہم ہوا ہے آپ کو۔۔۔''ان کے ہاتھ سے گلاس لیتے ہوئے وہ نظریں چرا گیا تھا۔

''تم بھول رہے ہو''وہ اس کے قریب ہی بیڈ پر بیٹھ گئیں۔''ماؤں کو وہم نہیں ہوا کرتے۔''وہ ان کی طرف دیکھنے لگا۔

''ماؤں کو تو الہام ہو جاتے ہیں۔''وہ مسکرائیں۔

''توبہ ہے دیدے۔۔۔آپ اب میری فکر کرنا چھوڑ دیں۔میں اب بڑا ہو گیا ہوں۔۔۔''وہ گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر ان کے ہاتھ تھامتے ہوئے محبت سے بولا۔

''بھول جاؤ باری۔۔۔''وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھیں۔

وہ نظریں جھکا گیا۔

''سب بھول جاؤ۔۔۔کب تک ان خوفناک یادوں کو ساتھ لگائے رکھو گے۔بعض اوقات ماضی کو بھول جانے میں ہی بہتری ہوتی ہے بیٹا۔''

''بہت کوشش کرتا ہوں دیدے۔۔۔لیکن کچھ بھی نہیں بھول پاتا۔ماضی جیسے کسی عفریت کی طرح میرے دل و دماغ سے چمٹ

کر رہ گیا ہے۔" وہ پریشان تھا دونوں ہاتھوں سے سر کے بال جکڑ تا وہ انہیں بے حد ڈسٹرب لگا۔اور وہ بھی اپنے لخت جگر کے دکھ سے اچھی طرح واقف تھیں۔غیروں سے دکھ ملیں تو ان کا مداوا ہو بھی جاتا ہے۔لیکن اپنوں کے ہاتھوں لگے زخم کبھی مندمل نہیں ہو پاتے بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ ناسور بن جاتے ہیں۔اس مسلّح حقیقت سے وہ خود واقف تھیں۔لیکن وہ اپنے بیٹے کو اس حالت میں نہیں دیکھ سکتی تھیں۔

"تم اگر وہ سب نہیں بھول پاتے تو صرف اس لئے بیٹا! کہ تم نے اپنے دل میں انتقام کو جگہ دے دی ہے۔سب اللہ پر چھوڑ دو باری۔۔۔اللہ ہی سب سے بڑا منتقم ہے۔" وہ اس کے بال سہلانے لگیں۔۔۔

اور وہ ان کی طرف دیکھنے لگا۔۔۔

"سب کچھ اللہ پہ چھوڑ دینے میں ہی انسان کی بھلائی ہے بچے۔۔۔؟ تم بھی اپنا مقدمہ اللہ پر چھوڑ دو، تمہیں سکون مل جائے گا۔" باری نے عقیدت سے ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"آپ بہت بہادر ہیں دیدے۔۔۔" باری نے ان کے ہاتھوں پر لب دھرتے ہوئے کہا۔

"تم بھی بہت بہادر ہو میرے بچے۔۔۔" وہ مسکرائیں۔

"کیوں کہ تم زریاب ولی خان کے بیٹے ہو۔" فخریہ لہجے میں کہتے ہوئے انہوں نے باریال کی پیشانی چوم لی۔وہ بھی پُر سکون ہو کر مسکرا دیا۔

☆......☆......☆

کمرے میں قدم رکھتے ہی عجیب سی بو ان کی ناک سے ٹکرائی۔سہراب علی خان نے بے اختیار ہی ناک پر ہاتھ رکھا۔ دن کے گیارہ بجنے والے تھے لیکن موٹے پردوں کی دبیز تہہ نے کمرے کی تاریکی بڑھا رکھی تھی۔وہ کھڑکیوں کی طرف بڑھے تو کوئی سخت سی شے ان کے پاؤں سے ٹکرائی۔انہوں نے بمشکل خود کو گرنے سے بچایا۔

سہج سہج کے قدم اٹھاتے بہت مشکل سے وہ کھڑکیوں تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے تھے۔اور پھر دھیرے، دھیرے سے انہوں نے پردے ہٹا دیے۔سورج کی تیز چمکتی شعاعیں راستہ ملتے ہی کمرے کو روشنی سے نہلا گئیں۔بستر میں گہری نیند میں غرق وجود اس در اندازی پر ذرا سا کسمسایا اور چہرے پر تکیہ رکھ کر پھر محوِ خواب ہو گیا۔

انہوں نے ایک مسکراتی نظر اس وجود پر ڈالی اور پھر کمرے کا جائزہ لینے لگے کولڈ ڈرنکس کے خالی کین کے علاوہ بجھے ہوئے سگریٹ کے ٹکڑوں کے انبار لگے تھے۔بیڈ کے بالکل قریب بہت سی، سی ڈیز زمین پر بکھری تھیں۔سی ڈی پلیئر آن تھا اور مخصوص انگلش گانے بار بار ری پیٹ ہو رہے تھے۔ایک مطمئن سی مسکراہٹ خان کے لبوں کو چھو گئی۔

وہ بالکل ویسا ہی تھا۔۔۔جیسا وہ اسے بنانا چاہتے تھے۔آوارہ، من موجی اور سب سے بڑھ کر۔۔۔بے پرواہ۔۔۔رشتوں،

جذبات اور احساسات سے۔۔۔ ناسمجھ۔۔۔ خود پرستی کا شکار۔۔۔ انہوں نے اس کی خاص تربیت کی تھی۔ اسے مہم جُو بنایا تھا۔ اس کی شخصیت میں اس قدر ضد اور بے پروائی کا بیج بویا تھا کہ وہ کسی خاطر میں نہ لاتا۔ اپنی مرضی کرتا۔۔۔ اس لئے انہیں اپنے سپوت میں اپنا مقصدِ حیات نظر آتا۔۔۔ وہ جس منظر کے متلاشی تھے وہ اب زیادہ دور نہیں تھی۔ محبت پاش نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے دھیرے، دھیرے قدم اٹھاتے وہ اس کے پاس بیڈ پر بیٹھ گئے تھے۔

''ضیا۔۔۔'' کالے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے انہوں نے نرمی سے اسے پکارا تھا۔ ان کی توقع کے عین مطابق اس نے ان کی پہلی آواز پر ہی آنکھیں کھول دیں۔ اور سیدھا لیٹ گیا۔

''با۔۔۔'' اس کی سرخ ہوتی آنکھوں میں حیرت جاگی۔

''اتنی صبح۔۔۔'' نیند سے بوجھل پلکیں لرزتیں، گر پڑتیں اور ضیا نیند بھگا تا زبردستی انہیں دوبارہ کھلنے پر مجبور کر دیتا۔

''صبح کہاں یار۔۔۔؟ گیارہ بج رہے ہیں۔'' وہ مسکرائے تو ضیا اچھل کر بیٹھ گیا۔

''گیارہ بج گئے؟'' وہ اب بھی حیران تھا۔

''مجھے تو آج شہر کے لئے نکلنا تھا۔'' وہ شرمندہ ہوا۔

''تبھی تو تمہیں جگانے ہمیں خود آنا پڑا۔'' انہوں نے ہاتھ میں پکڑی بید کی چھڑی گھمائی۔

''بس با۔۔۔ میں ابھی تیار ہوتا ہوں۔'' وہ کہہ کر نیچے اترنے لگا کہ سہراب علی خان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے رکنے پر مجبور کر دیا۔

''ضیا۔'' ان کے پکارنے پر وہ ان کی طرف دیکھنے لگا۔

''میں نہیں چاہتا کہ تمہیں بار، بار یاد دہانی کرائی جائے مگر ایک بات یاد رکھنا نہ جانے کتنے برس میں نے اس دن کا انتظار کیا ہے۔ کتنی راتیں انتقام کی آگ میں سلگ سلگ کر گزری ہیں۔ مجھے مایوس نہ ہونے دینا ضیا۔۔۔ تمہیں اس مقصد میں سو فیصد کامیابی حاصل کرنی ہے۔ سو فیصد۔۔۔'' ان کے لہجے اور آنکھوں میں عجیب سی شدت پسندی اتر آئی۔

''مجھے یاد ہے با۔۔۔ سر کے بدلے سر۔۔۔ ناک کے بدلے ناک۔۔۔ اور عزت کے بدلے صرف عزت۔۔۔'' وہ بھی اسی لہجے میں بولا تھا۔ اور ان کے اندر تک سکون اتر گیا تھا۔

ہر فکر سے آزاد، اخلاق کی قیود سے نابلد، دنیا میں صرف اپنی اور با کی پرواہ کرنے والا ان کا واحد سپوت ضیا خان ان کا فخر تھا۔

☆......☆......☆

آسمان کو زمین ہمارا عزم بناتا ہے۔

انسان اگر ارادہ کر لے تو خلا تک میں قدموں کے نشان چھوڑ سکتا ہے۔اس دنیا میں کچھ بھی ایسا نہیں ہے جو انسان کے لیے ناممکن ہو۔پختہ ارادہ اور مسلسل محنت ناممکن تک کو ممکن بنا دیتے ہیں۔

یہی سب اس نے کر دکھایا تھا نہ صرف پوزیشن لی تھی بلکہ اسکالرشپ بھی حاصل کیا تھا اور سب سے بڑی کامیابی تو یہ تھی کہ وہ بقول امی، خاندان کی پہلی لڑکی تھی جو یونیورسٹی پڑھنے جا رہی تھی۔اس خوشی نے اس کی نیندیں اڑا دی تھیں۔کل یونیورسٹی میں اس کا پہلا دن تھا۔آج وہ جلدی سونا چاہتی تھی لیکن نیند نہ جانے کہاں کھو گئی تھی۔کروٹ بدلتے بدلتے تنگ آ کر اس نے لائٹ آن کر دی اور سرہانے رکھی کتابوں کی ایک،ایک کر کے ورق گردانی کرنے لگی۔تبھی ہلکا سا کھٹکا ہوا اور سبین اندر آئیں۔

''امی آپ۔۔۔''وہ حیران ہوئی۔

''آپ ابھی تک جاگ رہی ہیں۔؟''کتابیں رکھ کر اس نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے ماں کے لیے جگہ بنائی۔

''تم بھی تو جاگ رہی ہو؟''وہ مسکرائیں اسے ماں کی مسکراہٹ کھوکھلی سی لگی۔

''کل یونیورسٹی جانا ہے ناں۔۔۔تو بس شاید اسی خوشی میں۔۔۔''وہ کھل کر مسکرا دی تھی۔

''لالہ۔۔۔!''انہوں نے اس کا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

''میری مانو بیٹا۔۔۔یونیورسٹی مت جاؤ۔''ان کے لہجے میں منت بھر آئی۔

''کیوں امی۔۔۔؟''اس نے بیزاری سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

''کیوں کہ میں نہیں چاہتی بیٹا کہ میرے ماضی کا کوئی بھی تاریک سایہ تمہارے حال یا مستقبل کو گہنا دے۔''وہ متفکر تھیں۔وہ چپ رہی۔

''میری مان لو۔۔۔بس حمزہ سے شادی کے لیے ہاں کر دو۔بعد میں بھلے پڑھائی کرتی رہنا۔''

''پلیز امی۔۔۔!''وہ بری طرح چڑ گئی۔

''آپ اپنی غلطی بار،بار ہم پر کیوں تھوپنا چاہتی ہیں۔''اس کے انداز میں بدتمیزی تھی۔سبین لب کاٹنے لگیں۔

''اور پھر پھپھو کے مزاج سے آپ اچھی طرح واقف ہیں۔حمزہ کے رشتے کے لئے ہاں کہہ کر آپ ساری عمر مجھے پھپھو کے طعنے سننے پر مجبور کرنا چاہتی ہیں۔''اس کی آواز بتدریج اونچی ہو رہی تھی۔

''میری بات سمجھنے کی کوشش تو کرو بیٹا۔''وہ اس کا ہاتھ سہلاتے ہوئے بولیں۔

''نہیں امی۔۔۔اس معاملے میں تو ہرگز نہیں۔۔۔باقی رہی یونیورسٹی کی بات تو بے فکر رہیں۔آپ کی زندگی میرے سامنے ہے۔سو دفعہ سوچوں گی ایسا کوئی بھی قدم اٹھاتے ہوئے۔''

''لالہ۔۔۔''اس کے طنزیہ کاٹ دار لہجے نے انہیں اندر تک چھلنی کر دیا تھا۔آنسو خود بخود پلکوں کی باڑھ پار کرنے لگے۔

''اب جائیں امی، مجھے نیند آ رہی ہے۔''وہ نظریں چراتے ہوئے بولی۔

سبین خاموشی سے اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئیں۔وہ کچھ دیر یونہی بیٹھی کڑھتی رہی۔پھر لائٹ آف کر کے سونے لیٹ گئی۔

☆......☆......☆

''تم نے رات پھر امی کے ساتھ بدتمیزی کی۔''وہ جانے کے لیے تیار تھی جب شاہ ویز تیز لہجے میں کہتا اس کے سر ہوا تھا۔

''امی خود میرے کمرے میں آئی تھیں۔اور میں نے کوئی بدتمیزی نہیں کی۔صرف یونیورسٹی نہ جانے سے منع کیا ہے۔''وہ بال بناتے ہوئے بولی۔

''تو یہ بات تم آرام سے بھی تو کر سکتی تھیں۔''اس کے بے نیاز سے انداز پر وہ مزید بھڑک اٹھا تھا۔

''تم ان سے کیوں نہیں کہتے کہ وہ مجھے منع نہ کریں۔''وہ اب اس کی طرف مڑ چکی تھی۔

''وہ ہماری ماں ہیں لالہ۔۔۔انہیں پورا حق حاصل ہے کہ جو چاہے بات کریں، جس چیز سے چاہیں منع کریں۔''وہ دو قدم اس کے قریب ہوا۔

''لیکن انہیں یہ حق حاصل نہیں شاہ ویز کہ وہ ہم سے ہماری خوشیاں چھین لیں۔۔۔ان سے جو غلطی سرزد ہوئی اس کی پاداش میں وہ ہماری چھوٹی، چھوٹی خواہشات کا گلا گھونٹ دیں۔''وہ بیگ اٹھا کر چادر اوڑھنے لگی۔شاہ ویز اس بار چپ چاپ اسے دیکھے گیا۔

''کبھی کبھی تم مجھے بالکل زرینہ پھپھو کا پی لگتی ہو۔ان کی ہی طرح خود غرض اور بے رحم۔۔۔''وہ ہونٹ چباتے ہوئے بولا۔

''تھینکس فار دا کمپلیمنٹس۔۔۔''وہ بے نیازی سے سر جھٹکتی باہر نکل گئی۔

''خدا تم پر رحم کرے لالہ۔۔۔''وہ بڑبڑایا تھا۔

وہ سبین کا سگا بیٹا نہیں تھا۔ان کی بڑی نند کا بیٹا تھا۔جو اس کی پیدائش کے وقت ہی دم توڑ گئیں تھیں۔باپ نے دوسری بیوی کے ڈر سے اسے ساتھ رکھنے سے انکار کر دیا تھا۔تب سبین ہی تھیں جس نے اسے ایک ماں کا مکمل پیار دیا تھا۔ان کی گود نے اسے پناہ دی تھی۔اور یہ بھی حقیقت تھی کہ شاہ ویز نے بھی ہمیشہ سگے بیٹے سے بڑھ کر دکھایا، وہ سبین کا دایاں بازو تھا۔ان کی سگی اولاد انہیں اتنا نہ سمجھتی تھی جتنا کہ شاہ ویز۔۔۔شاہ ویز ہی تھا جس نے ان کی زندگی میں آنے والی ہر کمی پوری کی تھی۔اور یہی وجہ تھی کہ اگر انہیں کوئی ہرٹ کرتا تو مطلب وہ شاہ ویز کو ہرٹ کرتا۔۔۔

☆......☆......☆

''پاپا ہیں اندر۔۔۔؟''چیونگم چباتے ہوئے بڑی بے فکری سے اس نے ٹیبل بجا کر سیکریٹری کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

''جی۔۔۔'' جواب سنتے ہی وہ آگے بڑھی تھی۔

''میم۔۔۔'' وہ چونک کے رکی۔۔۔سیکریٹری ذرا سا جھجکی۔

''ایکچوئیلی۔۔۔اندر کچھ انٹرویوز اسٹارٹ ہیں آپ اگر کچھ دیر۔۔۔''

''شٹ اپ۔۔۔'' اس نے منہ بناتے ہوئے کہا۔اور سامنے موجود گلاس ڈور دھکیلتی اندر چلی آئی۔سکندر حیات نے متحیر نگاہ اس پر ڈالی اور ان کے لبوں پر خوب صورت مسکان بکھر گئی۔

''مائی ڈول۔۔۔'' وہ کمرے میں موجود دوسرے فرد کو یکسر فراموش کر بیٹھے تھے۔

''یہ باہر کس کو بٹھا رکھا ہے پاپا۔۔۔ you should dismiss her now'' وہ خفا خفا انداز میں بولی۔کرسی پر بیٹھا شخص پہلو بدل کے رہ گیا۔

''کیا ہوا؟'' وہ پریشان ہوئے۔

''اس نے مجھے اندر آنے سے روکا۔'' وہ خفا تھی۔

''اچھا چھوڑو، یہاں بیٹھو۔۔۔'' انہوں نے بات بدل دی اور اسے کندھوں سے تھام کر اپنی چیئر پر بٹھا دیا۔اور تبھی اس کی نظر سامنے بیٹھے شخص پر پڑی تھی۔اس کی گہری ڈارک براؤن آنکھیں اس کا طواف کرنے میں مصروف تھیں۔نظر ملتے ہی اس شخص نے فوراً نگاہوں کا رخ بدل لیا تھا مگر وہ نگاہیں نہ پھیر سکی تھی۔

'' so young man you can leave now'' انہوں نے مسکراتے ہوئے اس نوجوان سے کہا۔وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''کل تک کامیاب امیدواروں کو ان کے فون نمبرز پر اطلاع کر دی جائے گی۔وش یو بیسٹ آف لک۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا جو اس نے فوراً ہی تھام لیا۔اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔

''سنو۔۔۔'' تبھی کمرے میں اس لڑکی کی آواز گونجی۔وہ مڑا۔

''نام کیا ہے تمہارا؟'' اس کی آنکھوں میں اشتیاق تھا۔

''باریال۔۔۔باریال ولی خان۔۔۔'' اس نے مودبانہ انداز میں جواب دیا اور باہر نکل گیا۔

''What happened Aman'' سکندر حیات نے پوچھا۔

''اسے جاب مل جانی چاہیے پاپا۔۔۔کافی کام کا آدمی لگ رہا ہے۔'' امن نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اچھا کیا لوگی بیٹا؟''

''بلیک کافی۔۔۔''

''اوکے۔۔۔''انہوں نے کہہ کر بیل کا بٹن دبا دیا تھا۔

☆......☆......☆

پانچ گھنٹوں کے طویل سفر نے اسے خاصا تھکا دیا تھا۔ بابا نے اس کی رہائش کا انتظام شہر سے دور ایک سرسبز فارم پر کیا تھا۔ یونیورسٹی میں ایڈمیشن تک اسے یہیں رہنا تھا۔ جب تک بابا کوئی دوسرا بندوبست نہ کر لیتے۔

سرسبز کھیتوں کے درمیان بنی پکی سڑک پر آتے ہی اس نے سب شیشے اتار دیئے تھے گاڑی کے۔۔۔تازہ ٹھنڈی ہوا نے اس کے شل اعصاب کو کافی پُرسکون کر دیا۔اس نے گاڑی کی رفتار کم کر دی۔

سڑک کے دونوں طرف جوار کے سرسبز کھیت تھے۔ یہاں دھول نہ ہونے کے برابر تھی۔ پندرہ منٹ کی ڈرائیو کے بعد ان کی کار ان کے آبائی فارم ہاؤس کے بلند و بالا لکڑی سے بنے گیٹ کے اندر داخل ہوئی۔ فارم کے گیٹ سے تین رویہ سڑکیں جا رہی تھیں۔ایک دائیں، ایک بائیں اور ایک سیدھی سامنے کی طرف۔۔۔اس نے گاڑی سامنے والی سڑک پر ڈال دی۔ رہائشی حصے میں بنے بنگلے کے سامنے اوپن گیراج میں آتے ہی اسے بے پایاں خوشی کے احساس نے گھیرا تھا۔ بابا نے اس کی پسند کے مطابق گھر کو کلر کروا دیا تھا۔اس کے اترتے ہی گھر کے سبھی ملازم بھاگے چلے آئے تھے۔

''سلام سردار۔۔۔''سبھی یک زبان بولے تو ضیا علی خان مسکرا دیا۔

''وعلیکم السلام۔۔۔کیا حال ہے جمال چاچا۔۔۔''وہ ادھیڑ عمر شخص سے مخاطب ہوا۔ وہ ہاتھ جوڑ کر سر جھکا گیا۔ وہ اندر کی طرف بڑھ گیا۔

''اور بی گل آپ کیسی ہیں؟''سفید چادر میں ڈھکا وجود اس کے قریب آیا اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

''میں ٹھیک ہوں، سردار کیسے ہیں؟''وہ مسکرائیں۔

''سردار نہ کہا کریں بی گل۔۔۔مجھے اچھا نہیں لگتا۔''وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''سردار کو سردار نہ کہوں تو اور کیا کہوں؟''انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''آپ نہا لو تب تک میں چائے بنا لیتی ہوں۔''

''ساتھ کچھ کھانے کے لیے بھی لے آیئے گا۔۔۔بی گل۔۔۔خان نے راستے میں کھانا نہیں کھایا تھا۔''قریب کھڑے پرانے ملازم دوراں نے ہدایت کی۔

''جی میں ابھی کچھ بنائے دیتی ہوں۔''انہوں نے کہا اور کچن کی طرف چل دیں۔

''خان، فریش ہو لیں۔'' دوراں نے ضیا کو مخاطب کیا جو سر کے نیچے ہاتھ رکھے صوفے پر تقریباً لیٹے آنکھیں موند گیا تھا۔

''ہم۔۔۔'' وہ بھی فوراً اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

☆......☆......☆

''حمزہ آیا ہوا ہے؟'' وہ یونیورسٹی سے واپسی پر گھر کے اندر داخل ہوئی تو حمزہ کی بائیک کھڑی تھی۔ شاہ ویز اسی وقت سودا سلف لایا تھا۔ وہ بے اختیار ہی پوچھ بیٹھی۔

''ہاں زرینہ پھپھو بھی ساتھ ہیں۔'' اس نے شاپرز اٹھاتے ہوئے بتایا تھا۔

''ہم۔۔۔'' وہ اندر جانے کے بجائے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

''پھپھو سے تو مل لو۔'' وہ حیران ہوا۔

''تم لوگ مل لو۔۔۔ مجھے کوئی شوق نہیں۔'' تلخی سے کہتی وہ اوپر بھاگ گئی۔ لاؤنج سے باہر آتے حمزہ نے بھی اس کی یہ بات سن لی تھی۔

''نہ جانے لالہ اتنی بدگمان کیوں رہنے لگی ہے۔'' وہ اداس ہوا۔

''تم ٹینشن نہ لو، اس کا تو مزاج ہی ایسا ہے۔'' شاہ ویز شاپرز سنبھالتا اندر کی طرف بڑھ گیا۔ حمزہ کچھ دیر وہاں کھڑا سوچتا رہا پھر اوپر چلا آیا۔ سامنے برآمدے میں گھٹنوں پر سر دیئے وہ دشمنِ جاں دکھائی دے گئی۔ وہ اور لالہ بچپن سے جس قدر قریب تھے۔ رزینہ کے برتاؤ اور طنزیہ لہجے نے ان دونوں کے درمیان اچھی خاصی دوری پیدا کر دی تھی۔ وہ ماں کی ساری غلطیوں کا کفارہ ادا کرنے کی کوشش کرتا لیکن ناکام ٹھہرتا۔۔۔

''کیسی ہو۔۔۔؟'' وہ اس کے قریب ہی فرش پر بیٹھتے ہوئے بولا تھا۔ لالہ نے سر نہیں اٹھایا تھا۔

''یہ بدگمانی کب ختم کرو گی لالہ۔۔۔'' وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے ملتجی لہجے میں بولا تھا۔

''بدگمانی نہ خود پیدا ہوتی ہے نہ خود ختم۔۔۔ اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میری بدگمانی کی وجہ کیا ہے؟'' وہ سر اٹھائے بغیر تلخی سے بولی۔

''میں سمجھتا ہوں لالہ۔۔۔ تبھی کتنی کوشش کرتا ہوں اس خلیج کو پاٹنے کی جو امی اپنے لفظوں سے ہمارے رشتوں میں بنا دیتی ہیں۔'' وہ اسے منا رہا تھا۔

لالہ نے سر اٹھایا۔

''بعض زخم بہت گہرے ہوتے ہیں حمزہ۔۔۔ ان کا کوئی مرہم نہیں ہوتا۔'' وہ تلخ ہوئی۔

''پھر میری تو سب سے بڑی بدقسمتی ہی یہی ہے کہ سارے زخموں کی وجہ میری ماں ہے۔''

''یہ صرف تمہاری سوچ ہے لالہ۔'' اسے افسوس ہوا۔

''حقیقت ہے یہ۔۔۔اور کوئی بھی اسے جھٹلا نہیں سکتا۔ پھپھو کا رویہ، لوگوں کی باتیں یہ سب امی کے ایک غلط قدم کی دین ہیں۔ کسی کو روکنا، کسی کا منہ بند کرنا ہمارے بس میں نہیں۔۔۔ بس میں ہے تو صرف خود کو دھتکار کے لیے تیار رکھنا۔''

''وہم ہے تمہارا۔۔۔ مامی نے تمہاری تربیت اتنی اچھی کی ہے کہ کوئی تمہیں دھتکار نہیں سکتا۔'' وہ اسے دلاسا دے رہا تھا۔ وہ تلخی سے مسکرا دی۔

''تم جانتے ہو تمہارے ماں آج یہاں کیوں آئی ہے؟'' وہ اسے کہتے بے حد بدتمیز لگی لیکن وہ ضبط کیے بیٹھا رہا۔ لالہ وہ واحد ہستی تھی، جس کی کوئی بھی بات وہ آرام سے سہہ سکتا تھا۔

''نہیں۔۔۔ میں نہیں جانتا تم بتاؤ۔'' وہ سامنے دیکھنے لگا۔

''دادی نے میرے اور تمہارے رشتے کی بات چھیڑی ہے۔ پھپھو نے امی کو فون پر کھری کھری سنا دیں۔ اب دادی کی باری ہے وہ بھی لا ئیو، جاؤ۔۔۔ تماشا دیکھو۔۔۔'' تلخی سے کہہ کر وہ اٹھ کر اندر کمرے میں چلی گئی۔ دروازہ زوردار آواز کے ساتھ بند ہوا تو وہ بھی تیزی سے نیچے چلا آیا۔ کمرے سے آتے شور کی آوازیں لالہ کی بات کی گواہی دے رہی تھیں۔ وہ آگے نہ بڑھ سکا تھا۔

☆......☆......☆

وہ کتنے ہی سیاہ پہاڑوں کے درمیان کھڑا تھا۔ اس کے چاروں طرف سیاہ، سرمئی رنگ کے پہاڑ تھے۔ اور اس قدر بلند کے دن کے وقت بھی اسے شام کا گمان ہو رہا تھا۔ وہ حیران تھا کہ وہ آیا تو یہاں آیا کیسے؟

اس نے ارد گرد گھوم، گھوم کر راستہ ڈھونڈنے کی کوشش کی لیکن بے سود۔۔۔ تھک ہار کر اس نے ایک قدرے تراشیدہ پہاڑ پہ چڑھنا شروع کر دیا، اس پہاڑ پہ جگہ جگہ ابھار تھے، تبھی وہ آسانی سے چڑھتا گیا تھا۔ کافی دیر کی تگ و دو کے بعد وہ بالآخر چوٹی پر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس نے چوٹی کے عین اوپر ذرا جھکے بڑے سے پتھر کو مضبوطی سے پکڑا اور جست لگا کر اوپر آ گیا۔ اور اگلے لمحے اسے حیرت کا شدید جھٹکا سا لگا تھا۔ دس بارہ سال کا ایک خوبصورت سا لڑکا چوٹی پر کھڑا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ ذرا سا چونکا۔ پھر دو قدم پیچھے ہٹا تھا۔ باریال نے دیکھا پیچھے جگہ بہت کم تھی۔۔۔ اور گہری کھائی تھی۔

''سنو۔۔۔ پیچھے نہ ہو۔'' وہ خوفزدہ ہو کے چلایا۔

بچہ مزید پیچھے گیا۔ باریال کی سانس رکنے لگی۔

''سنو لڑکے۔۔۔'' وہ تیزی سے آگے کو بڑھا اور وہ بچہ پیچھے تبھی اس کے پیروں نے زمین چھوڑ دی تھی۔ باریال نے آگے بڑھ کر اس کا ایک ہاتھ تھام لیا تھا۔ اب وہ چوٹی پر گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا۔ اور لڑکا نیچے لٹک رہا تھا۔ وہ چیخنے لگا تھا۔

''ڈرو مت۔۔۔ میں تمہیں بچالوں گا۔'' باریال نے تسلی دی اور اسے اوپر کھینچنے لگا۔ تبھی اچانک ہی اس کا ہاتھ بھیگنے لگا تھا۔ اس کے ہاتھ سے بچے کا ہاتھ پھسلنے لگا۔ وہ اسے تیزی سے اوپر کھینچنے لگا۔ لیکن اس بچے کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے پھسلتا چلا گیا۔ باریال نے زور دار چیخ کے ساتھ آنکھیں بند کر لی تھیں۔

اور تبھی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا تھا۔۔۔ خود کو اپنے کمرے میں بستر پر پا کر وہ ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا تھا۔

''نہ جانے یہ بچہ کون ہے؟ جو بار بار خوابوں میں آ کر مجھے ڈرا سا دیتا ہے۔'' وہ پیشانی مسلنے لگا۔

جتنا وہ ان خوابوں سے دور بھاگنے کی کوشش کرتا تھا۔ وہ اسی قدر اسے تنگ کرنے چلے آتے تھے۔ وہ پانی پی کر سونے لیٹ گیا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اب اسے ساری رات نیند نہیں آنی تھی۔

☆......☆......☆

پشتو کے مشہور گلوکاروں کا لائیو کنسرٹ تھا۔ وہ بھی اپنے دوستوں کے ساتھ انجوائے کرنے چلا آیا تھا۔ لیکن بے ہنگم شور اور لمبے سفر کی تھکن کی وجہ سے جلد ہی اس کے سر میں شدید درد اٹھا تھا۔

''آر یو او کے۔۔۔؟'' اسے پیشانی مسلتے دیکھ کر زید نے پوچھا۔

''ناٹ فیلنگ ویل یار۔۔۔''

''کیا ہوا تمہیں۔۔۔؟'' ابراہیم بھی پریشان ہو گیا۔

''معمولی سر درد ہے۔ ڈونٹ وری۔۔۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''باہر چلتے ہیں۔'' ابراہیم نے کہا تو سب نے اس کی پیروی کی۔

باہر آ کر ضیا کو سکون سا محسوس ہوا۔

''میرے خیال میں، میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔'' ابراہیم نے پیشکش کی۔

''ہاں، میں شاید ڈرائیونگ نہ کر سکوں۔۔۔ تم مجھے چھوڑ کر گاڑی خود لے جانا۔'' اس نے بھی دوست کے لیے سہولت کی۔

''ہم چلتے ہیں تم اس کا خیال رکھنا۔'' زید نے کہا تو شاہد نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔

ابراہیم اسے ڈراپ کر کے۔۔۔ واپس چلا گیا تو وہ بی گل کو چائے کا کہہ کر اوپر اپنے کمرے میں آ گیا۔ اور بستر پر ڈھے سا گیا۔ لیٹے، لیٹے اچانک اسے خیال سا آ گیا۔ اٹھ کر سائیڈ ٹیبل کی دراز سے ایک ننھا سا بیگ نکالا۔ یہ بیگ اسے باجی نے دیا تھا۔ اور بطور خاص تاکید کی تھی کہ اس کے اندر موجود کاغذ پر لکھی تمام ہدایات توجہ سے پڑھ کر ازبر کرے اور پھر کاغذ ضائع کر دے لیکن وہ اسے دراز میں ڈال کر بھول گیا تھا۔

کچھ سوچتے ہوئے اس نے بیگ کی زپ کھولی اور کاغذ نکال کر دیکھا۔ اوپر ایک نام لکھا تھا، نیچے کچھ مزید ہدایات تھیں۔ اس نے بے خیالی سے کاغذ پر نظریں دوڑائیں اور دوبارہ سے دراز کھول اس میں ڈال دیا۔ تبھی وہ ننھا سا بیگ اس کی گود سے پھسل کر نیچے جا گرا تھا۔ اور ایک پاسپورٹ سائز کی تصویر اس سے نکل کر باہر آ گئی۔ ضیا نے پیر کی مدد سے اسے قریب کیا اور جھک کر تصویر اٹھالی۔

وہ کسی بے حد خوبصورت لڑکی کی تصویر تھی۔ جس نے سفید رنگ کی شال سر پر لے رکھی تھی۔ اس کے شفاف چہرے پر بلا کی معصومیت تھی اور اس کی آنکھیں۔۔۔ جیسے سرمے سے بھرے کالے کٹورے، بے حد سیاہ اور چمکدار آنکھیں۔۔۔ ایک پل کے لیے اسے یوں لگا جیسے وہ بھی اسے ہی تک رہی ہیں۔۔۔ حیرت سے منہ کھولے وہ ان کالی ساحر آنکھوں کو دیکھے جا رہا تھا۔ نہ سر کا درد رہا نہ کوئی اور خیال۔۔۔

''خان۔۔۔ چائے۔'' کاکا کی آواز پر وہ بری طرح چونکا۔ کاکا چائے رکھ کر واپس جا چکے تھے اور ضیا اپنی حالت پر حیران کے اسے کیا ہو گیا تھا۔ اس نے سر جھٹک کر دل ہی دل میں اپنے بابا سے عہد کی تجدید کی اور پین نکال کر تصویر کے پیچھے لکھنے لگا۔

''گلِ لالہ۔۔۔'' اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ سیٹی بجاتے ہوئے اس نے بیگ اور تصویر بھی دراز میں ڈال دیے تھے البتہ اس مرتبہ وہ دروازہ لاک کرنا نہیں بھولا تھا۔

☆......☆......☆

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا، جب مانوس سے شور کی وجہ سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ لائٹ نہیں تھی البتہ کھڑکی سے اندر آتی چاندی کرنوں نے کمرے کو کچھ نہ کچھ روشنی بخش دی تھی۔ پھر بھی اس کا دل بری طرح گھبرایا۔ وہی مانوس سا شور رات کے سناٹے میں ایک مرتبہ پھر گونجا تھا۔

''اوزگل۔۔۔'' وہ دھیرے سے بڑبڑائی۔ سلیپرز پاؤں میں پہن کر وہ کھڑکی کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ اور وہ نظروں کے سامنے تھی۔ سوئمنگ پول سے کچھ دیر لگے آہنی جھولے پر سفید لباس میں لمبے سیاہ بال کھولے چاند کی چاندنی میں وہ کوئی مقدس روح لگ رہی تھی۔ اتنی دور سے بھی وہ اس کے چہرے پر رقم اداسی با آسانی پڑھ سکتی تھی۔

''جب آنکھوں سے خواب دیکھنے کا حق چھین لیا جائے ناں تو ان آنکھوں میں بس تنہائی اور وحشت گھر کر لیتے ہیں۔'' اوزگل نے اسے بتایا تھا۔ اور آج اسے واقعی یہ حقیقت لگ رہی تھی۔ لوہے کی کڑیوں کی آواز پھر سناٹا چیر گئی تھی۔

تبھی اس نے نیچے کسی کے چیخنے اور پھر اوزگل کو تیزی سے اٹھ کر ایک سمت دوڑتے ہوئے دیکھا تھا۔

کوئی بہت اونچی آواز میں چیخ رہا تھا۔ وہ ذرا جھک کر نیچے برآمدے کی سمت دیکھنے لگی اور پھر اندر سے چیخیں مارتا وجود اس کی نظروں کے سامنے تھا۔ اوزگل اسے سنبھالنے لگی تھی لیکن وہ وجود قابو میں نہیں آ رہا تھا۔

''حد ختم ہونے کو ہے۔ حد ختم ہونے کو ہے۔'' وہ چلانے لگی۔

''سب برباد ہو جائے گا۔'' اوزگل اسے پیار سے سہلاتے ہوئے اندر لے جانے لگی۔

''بھاگ جا تو بھی بھاگ جا۔۔۔ورنہ سب برباد ہو جائے گا۔'' وہ اسے کمرے میں لے گئی تھی۔۔۔آوازیں مدھم ہوتے، ہوتے دم توڑ گئیں۔ وہ لمبی سانس لے کر دوبارہ بستر پر آ گئی۔

''لگتا ہے اللہ لوک کو پھر دورہ پڑا ہے۔ مجھے بھی بھیا کی طرح جلد شہر میں کسی اچھے کالج میں داخلہ لینا ہو گا۔ ورنہ یہاں رہ کر میں بھی ان سب کی طرح پاگل ہو جاؤں گی۔'' بستر پر لیٹتے ہوئے اس نے جیسے خود کو باور کرایا لیٹتے ہی گل مینہ کی آنکھ لگ گئی تھی۔۔۔وہ ایک مرتبہ پھر نیند کی گہری وادیوں میں ڈوب چلی تھی۔

☆......☆......☆

''آ گئیں تم۔۔۔؟'' وہ گھر کے اندر داخل ہوئی تو شاہ ویز کی مسکراہٹ نے اس کا استقبال کیا

''اُف آج تو گرمی نے برا حال کر دیا، اوپر سے بس میں انتشار۔۔۔'' وہ چادر اتار کر پیڈسٹل فین کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

''تو تمہاری اپنی چوائس ہے۔ کتنی مرتبہ آفر کی ہے کہ میں حاضر ہوں پک اینڈ ڈراپ سروس کے لیے۔۔۔مگر نہ جی۔۔۔'' وہ خفا ہوتا کچن کی طرف بڑھ گیا۔''

''تمہاری جاب لگنے کی دیر ہے۔ پھر دیکھتی ہوں کہاں رہتی ہے یہ آفر باقی۔۔۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''اچھا۔۔۔فریش ہو لو۔۔۔میں تمہارے لیے کھانا گرم کرتا ہوں۔'' اس نے کچن سے آواز دی۔

''کیوں، امی کہاں ہیں؟'' وہ حیران ہوئی۔

''وہ پھپھو کی طرف گئی ہیں۔۔۔نانو اندر سو رہی ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''کیوں۔۔۔وہاں کیوں گئی ہیں؟'' اس کے لہجے میں تلخی در آئی۔

''کہہ رہی تھیں کافی دن ہو گئے ان کی طرف گئے ہوئے پھر ناراض ہوں گی۔'' کچن سے کھٹ پٹ کی آوازیں آنا شروع ہو چکی تھیں۔ وہ اپنا کام شروع کر چکا تھا۔ وہ کچن کی کھڑکی میں آ ٹھہری۔

''اچھی طرح جانتی ہیں پھپھو کی عادت کو پھر بھی باز نہیں آتیں۔'' وہ منہ بناتے ہوئے بولی۔

''اب دیکھنا کتنے دن مائیگرین کی تکلیف میں مبتلا رہیں گی۔'' اس نے پیش گوئی بھی کر دی شاہ ویز مسکرا دیا۔

''نانو نے بھی یہی سمجھایا تھا ان کو۔۔۔مگر تم جانتی ہو، امی کب کسی کی مانتی ہیں۔'' وہ ٹرے میں کھانا رکھتے ہوئے بولا اور باہر نکل آیا۔

''بری بات لالہ۔۔۔''

''کیا بری بات۔۔۔اچھی طرح جانتی ہیں کہ سب لوگ بات، بات پہ ان کے ماضی کا تذکرہ چھیڑ دیتے ہیں۔۔۔ہمیں بھی کئی

دفعہ گھر سے بھاگی ہوئی عورت کی اولاد کا طعنہ سہنا پڑتا ہے۔۔۔لیکن وہ۔۔۔انہیں کچھ خیال ہی نہیں۔۔۔مزہ آتا ہے جیسے ان کو یہ سب طعنے سننے میں۔۔۔دوسروں کو خود موقع دیتی ہیں کہ وہ ان کو اوران کی وجہ سے ہمارے کریکٹر پر بھی باتیں کریں۔" وہ اس موضوع سے کس قدر دکھی ہوتی تھی وہ اچھی طرح سمجھ سکتا تھا۔

"اچھا یہ لو۔۔۔موڈ صحیح کرو اپنا۔" شاہ ویز نے بات بدلی اور بھاپ اڑاتے ابلے ہوئے گرما گرم چاول، رائتہ اور دیسی گھی کا تڑکا لگی دال دیکھتے ہی شاہ ویز نے اس کا چہرہ کھلتا دیکھا تھا۔

"ارے واہ۔۔۔امی نے میری فیورٹ ڈش بنائی تھی۔اور تم نے ایویں سارا ٹائم مجھے باتوں میں لگائے رکھا۔" حسب معمول وہ ساری واردات اس کے سر تھوپ کر خود بری الذمہ ہو چکی تھی۔اور رغبت سے کھانا کھانے لگی۔۔۔وہ مسکرا کر اسے دیکھے گیا۔

☆......☆......☆

"کیا ہوا ہے باری؟ مجھے تم کچھ پریشان لگ رہے ہو؟" صبح سے ہی وہ انہیں کھویا، کھویا لگ رہا تھا۔اور اب ناشتہ بھی صحیح ڈھنگ سے نہیں کر رہا تھا تو وہ پوچھے بنا نہیں رہ سکی۔

"کچھ نہیں دیدے۔۔۔" وہ چونکا پھر سیدھا ہو کر ہی بیٹھ گیا۔

"کچھ تو ہے بچے۔۔۔کیا پھر سے وہی خواب تنگ کرنے لگا ہے۔" انہوں نے اندازہ لگانے کی کوشش کی۔

"دیدے۔۔۔" اس نے جیسے ان کی بات سنی نہ تھی۔دھیرے سے پکارا تھا۔

"جی دیدے کی جان۔۔۔" ان کے لہجے میں محبت در آئی۔

"کیا میرا کوئی چھوٹا بھائی تھا۔" اس کے سوال پہ ان کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔

"نہیں۔۔۔میں تمہیں کئی دفعہ بتا چکی ہوں کہ تم زریاب خان کی اکلوتی اولاد ہو۔"

"پھر وہ لڑکا کون ہے؟" وہ پیشانی مسلنے لگا۔

"کون لڑکا؟" وہ خود پریشان ہو گئیں۔

"وہ میرے خواب میں آتا ہے دیدے۔۔۔ہمیشہ کسی نہ کسی مصیبت میں۔۔۔لیکن میں چاہنے کے باوجود اسے نہیں بچا پاتا۔" وہ انہیں بے حد ڈسٹرب لگا۔

"اپنے خوابوں کو اپنے اوپر طاری مت کر لیا کرو، یہ سب خیال ہوتے ہیں خالی خولی دھواں۔۔۔" وہ اسے تسلی دینے لگیں۔

"اب ناشتا کرو اور خود کو پرسکون کرو۔۔۔آج تمہارا پہلا دن ہے آفس میں۔۔۔خوش، خوش جاؤ۔"

"ہم۔۔۔م۔۔۔" وہ اثبات میں سر ہلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد البتہ دیدے خود کتنی ہی دیر تک اس کے خواب کے متعلق سوچتی رہی تھیں۔

☆......☆......☆

وہ باہر نکل کر جیسے ہی بائیک اسٹارٹ کرنے لگا۔اس کا سیل فون بج اٹھا۔اسکرین پہ شاہ ویز کا نام دیکھتے ہی اس کے لبوں پر بہت پیاری مسکان مچل گئی۔

''کدھر غائب ہے شہزادہ۔۔۔'' کال پک کرتے ہی شاہ ویز کی کھلکھلاتی آواز سنائی دی تھی۔

''آج شام تیری طرف آنے والا تھا۔۔۔جاب مل گئی ہے مجھے۔۔۔سوچا تھا مل کر ہی بتاؤں گا'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''اورے واہ یار۔۔۔مبارکاں۔۔۔'' وہ چہک اٹھا۔

''خیر مبارک۔۔۔''

''ابھی آجاؤ ناں۔۔۔'' شاویز نے کہا۔

''نہیں ابھی تو آفس کے لیے نکل رہا ہوں شام کو ملتے ہیں۔'' اس نے بائیک پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''اوکے، اوکے۔۔۔ملتے ہیں پھر۔۔۔اللہ حافظ۔۔۔'' شاہ ویز نے فون بند کر دیا تھا اور مسکراتے ہوئے اس نے بائیک اسٹارٹ کی تھی۔

☆......☆......☆

''خان'' گہری نیند میں وہ کسمسایا ضرور مگر کروٹ بدل کر فوراً ہی دوبارہ سو گیا۔

''چھوٹے خان جی۔۔۔'' دوسری پکار پہ اس نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں۔

''کیا ہے کاکا؟'' نیند میں ڈوبی آواز میں پوچھا گیا۔

''خان! آپ کے دوست آپ کا پوچھ رہے ہیں۔'' دوراں نے مودب لہجے میں کہا۔

''کہہ دو میں سو رہا ہوں۔'' اس نے واپس جانے کا اشارہ کیا۔

''کہا ہے خان۔۔۔مگر وہ کہہ رہے ہیں کہ آپ نے آج، ان کے ساتھ کہیں جانے کا وعدہ کر رکھا ہے۔'' کاکا نے مزید بتایا۔

''یاد ہے مجھے۔۔۔مگر ابھی میرا بالکل بھی موڈ نہیں ہے کاکا۔'' اس نے انکار کیا۔

''جی خان جی۔۔۔'' مودب لہجے میں کہتا وہ مڑ گیا۔

''اچھا رکیں۔۔۔'' وہ ابھی دروازے کے قریب ہی تھے جب وہ اٹھ بیٹھا، وہ مڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔

''آپ جائیں۔۔۔میں آ رہا ہوں۔'' وہ انگڑائی لیتے ہوئے بولا۔۔۔دوراں باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ تیار ہو کر باہر لاؤنج میں آیا تو وہ اس کے منتظر تھے۔

''چلو۔۔۔'' چابی گھماتا ان سب کو جیسے حکم دیتا وہ باہر کی طرف بڑھا تھا۔

''بڑی جلدی ہے شہزادے کو۔۔۔'' زید خباثت سے ہنسا۔

''سچ یار۔۔۔سنا تھا کہ رئیس زادے عاشق مزاج اور پیشہ پھینک ہوتے ہیں آج اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیا۔'' شاہد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیونکہ مرد کی یہی شان ہے شہزادے۔۔۔'' ضیا مڑ کر دو قدم آگے آیا۔۔۔

''لیکن ایک بات یاد رہے کہ یہ سب صرف یہاں تک۔۔۔یونیورسٹی میں تم میں سے کوئی بھی نہ تو لڑکیوں کی طرف پھٹکے گا نہ ہیا وباشوں کی طرح یوں بات کرے گا۔'' اس نے شہادت کی انگلی دکھاتے ہوئے ان سب کو وارن کیا۔

''یہ کیا بات ہوئی؟'' زید چڑ کر بولا۔

''میں نے کہہ دیا ناں۔۔۔'' ضیا اس کی خفگی کو خاطر میں نہ لایا۔

''کیا مطلب ضیا۔۔۔'' ابراہیم حیران ہوا۔

''وقت آنے پر مطلب بھی سمجھا دوں گا۔'' اس نے جان چھڑائی۔

''اب چلو۔۔۔'' اس نے باہر کی طرف اشارہ کیا۔سب نے سر ہلا دیا۔

☆......☆......☆

حمزہ اور اقرا کو وہاں آئے کافی وقت ہو چلا تھا۔لیکن لالہ ابھی تک ان کے سامنے نہیں آئی تھی۔حمزہ نے محسوس کیا تھا کہ ہر گزرتے دن کے ساتھ لالہ ان سب سے دور ہوتی جا رہی تھی۔ پہلے تو کبھی کبھار گفتگو ہو ہی جاتی تھی۔لیکن اب تو وہ سامنے آنے سے بھی کترانے لگی تھی۔حمزہ کی تو گویا جان پر بن آئی تھی۔اقرا تو نانو مامی کے ساتھ بھی کافی مگن رہتی۔لالہ کی سنجیدہ طبعیت کی وجہ سے وہ خود بھی اس سے فاصلے پر ہی رہتی۔لیکن حمزہ کے لیے یہ فاصلے جاں گسل تھے۔

''مامی شاہ ویز کہاں ہے؟'' چائے ختم کر کے اس نے سبین سے پوچھا۔

''ایک دو جگہ انٹرویو تھے اس کے۔۔۔آتا ہی ہو گا۔'' انہوں نے بتایا۔

''اور لالہ۔۔۔؟'' جھجکتے ہوئے اس نے پوچھ ہی لیا تھا۔

''آج جلدی آ گئی تھی یونیورسٹی سے کہہ رہی تھی کہ کبوتروں کا پنجرہ صاف کرے گی شاید اوپر ہی ہو۔۔۔'' اسے بتا کر وہ پھر اقرا کو اپنے ہاتھ کے بنے کپڑوں کے نمونے دکھانے لگیں۔حمزہ کچھ دیر سوچتا رہا۔پھر اٹھ کر سیڑھیاں پھلانگتا اوپر آ گیا۔سامنے ہی لالہ کبوتروں کو

پچکارتی دانہ ڈال رہی تھی۔اس کی نظر حمزہ پر پڑی۔۔۔لیکن وہ فوراً ہی رخ پھیر گئی۔

”کیسی ہو؟“ وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا اس کے قریب آ گیا۔

”ٹھیک ہوں۔“اس نے اس کی طرف دیکھے بغیر ہی جواب دیا۔

”آج کل کیا مجھ سے پردہ کرنے لگی ہو؟“ وہ اس کے سامنے آ گیا۔

”اگر ایسا کچھ ہے تو مجھے بتا دو۔۔۔میں خود ہی تمہارے لیے آسانی کر دوں گا۔“

”تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔۔۔میں خود اپنا آپ چھپا تو لیتی ہوں۔“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

”انسان تب چھپ سکتا ہے جب اسے کسی کی نظریں نہ پہنچ سکیں۔“ وہ اس کے قریب ہوا۔

”تم تو میری نظروں میں اس قدر گہرا عکس پا گئی ہو کہ اور کچھ نظر ہی نہیں آتا۔“اس کی نظروں کی سچائی پر وہ نظریں بدل گئی۔

”آج پھپھو نے یہاں آنے کی اجازت کیسے دے دی۔“ وہ بات بھی بدل گئی۔

وہ ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔

”اقرا کو کچھ شاپنگ کرنی تھی سوچا تم سے بھی ملتا چلوں۔“ دونوں ہاتھ پینٹ کی جیب میں ڈالے وہ اسے دیکھ رہا تھا۔سفید شیفون کے سوٹ پر گلابی دوپٹے میں اس کی سفید رنگت مزید نکھر گئی تھی۔وہ چاہ کر بھی اس کے چہرے سے نظریں نہیں ہٹا پا رہا تھا۔

”وہ۔۔۔مطلب گھر جا کے شاپنگ کا بہانہ بتانا ہے۔“ وہ ہنس دی۔

”میری مجبوری کا مذاق مت بنایا کرو۔۔۔“ وہ خفا ہوا۔

”تم محبت جیسے خالص جذبے کا مزاق مت بنایا کرو۔“ وہ بھی تیز لہجے میں بولی۔

حمزہ بے بسی سے لب کاٹنے لگا۔

”تم تو بنا بولے، بنا کہے میری ہر بات سمجھ لیا کرتی تھیں لالہ۔۔۔“ وہ اس کا بازو تھام کر اسے جھٹکا دیتے ہوئے بولا۔

”تو پھر اب یہ اجنبیت کیوں؟“ اس کی آنکھوں میں لالہ کو اپنا عکس صاف نظر آیا تھا، اس کے دل کو کچھ ہوا لیکن سختی سے خود کو کوئی بھی نرمی برتنے سے روکا تھا اور ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑوایا۔

”کیونکہ میں اپنی اور اپنی ماں کی اوقات اور تمہاری اور تمہاری ماں کی مجبوریوں سے اچھی طرح واقف ہوں۔“ وہ تلخ ہوئی تھی۔

”اور ہاں ایک بات یاد رکھنا حمزہ علی زیدی۔۔۔کمزور سی لڑکی ہونے کے باوجود میں تمہیں کسی معاملے میں کوئی رعایت نہیں دے سکتی۔۔۔تمہاری ماں کے معاملے میں تو بالکل بھی نہیں۔۔۔ویسے بھی میرا ماننا ہے جہاں عزت پر حرف آئے۔۔۔وہاں سے ہٹ جانا ہی بہتر ہے۔“ وہ سخت لہجے میں بولی۔

حمزہ لب کچلتا رہا۔۔۔

''اب جاؤ۔۔۔ورنہ تمہاری ماں کو شک ہو جائے گا۔'' تلخی سے کہتی وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔۔۔حمزہ وہیں کھڑا اسے جاتا دیکھتا رہا۔

☆......☆......☆

''گاڑی ایک قدرے تاریک لیکن کشادہ گلی میں داخل ہوئی تو وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ یہ تاریکی صرف چند قدم کے فاصلے تک محدود تھی۔ دورویہ دومنزلہ عمارتوں کے درمیان پہنچتے ہی ہر طرف جیسے اجالے پھیل گئے تھے۔ نک سک سے تیار عورتیں ٹیرس پہ کھڑی آنے والوں کا جیسے استقبال کر رہی تھیں۔ضیا کی نئی چمچماتی ہونڈا سوک دیکھ کر ان سب میں شور سا اٹھا تھا۔ کچھ نے تو باقاعدہ سیٹیاں بجا بجا کر ان کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔

ذرا دور جا کر قدرے بڑے شیشے کے خوبصورت کام سے آراستہ بنگلو کے سامنے ان کی کار رکی تو چوکیدار نے فوراً گیٹ وا کر دیا ۔وہ جیسے انہی کا منتظر تھا گاڑی سے اتر کر صاف ستھری پتھریلی روش پر چلتے وہ اندرونی دروازے تک آئے تو ایک ادھیڑ عمر عورت نے ان کا استقبال کیا۔اس نے اتنا زیادہ میک اپ کر رکھا تھا کہ ان سبھی کو اس کی شخصیت سے عجیب سی کراہیت محسوس ہوئی۔ان پر صدقے واری ہوتی وہ ان سب کو اوپر ایک ہال کمرے میں لے آئی۔ یہ کمرہ بے حد خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔سرخ رنگ کا نرم مخملیں کارپٹ اور اس پر سجے اتنے ہی آرام دہ کشن۔۔۔زید نے اس عورت سے مقامی زبان میں کچھ کہا۔اور ضیا کا ہاتھ تھامے کھڑکیوں کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔ ابراہیم اور شاہد نے بھی ان دونوں کی تقلید کی تھی۔تبھی کمرے میں جیسے گھنٹیاں سی بجی تھیں۔سب کی نظریں یکبارگی ہی اٹھیں اور سامنے بنے چھوٹے سے گول دروازے پر جھولتی۔ بجتے موتیوں کی لڑیوں پر جا کر ٹھہر گئیں ان سب کی نظروں میں حیرت اور ستائش کا ملا جلا تاثر ابھرا تھا۔تیکھے گلابی رنگ کا فراک پہنے بڑا سا ہرا دوپٹہ سر پر سجائے ہو کوئی اپسرا تھی۔ وہ یونہی مبہوت سے اسے دیکھے گئے۔اس کے کمرے میں آتے ہی سازندوں نے ساز چھیڑ دیئے تھے اور آداب بجالانے کے بعد وہ نازک اندام بدن تھرتھرانے لگا۔وہ اس قدر مہارت سے کلاسیکل رقص پیش کر رہی تھی کہ وہ دم بخود اسے دیکھے جا رہے تھے۔اس کا وجود گویا ہوا کے دوش پر لہرا رہا تھا۔اور کبھی ایسا محسوس ہوتا کہ اس کے قدموں کے نیچے زمین نہ ہو بلکہ وہ سمندر کی لہروں پر سہج سہج کر قدم دھر رہی تھی۔

وہ چاروں مبہوت سے اسے دیکھے جا رہے تھے۔رقاصہ کی گھاگ نظریں مسلسل رقص کے باوجود بغور ان کا جائزہ لینے میں مصروف تھیں۔خانم نے ہی تو سمجھایا تھا اسے۔۔۔

''یہاں آنے والا ہر مرد شکار ہوتا ہے۔اب یہ تم پہ ہے کہ کتنا اچھا شکار ڈھونڈتی ہے۔'' ڈھول کی تھاپ پہ اس نے پیر مارے تھے۔

''مرد کی آنکھیں اس کے خاندان، اس کے اسٹیٹس کا پتا دیتی ہیں غریب ہو گا تو آنکھوں میں بھوک، ہوس ہو گی۔۔۔امیر ہو گا تو

ستائش اور اطمینان کہ مال اس کی حیثیت سے بڑھ کر نہیں۔۔۔'' وہ ان کے قریب آ چکی تھی شاہد اور زید کے لبوں پر شیطانی مسکراہٹ تھی۔ ابراہیم کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ جیسے وہ یہاں زبردستی لایا گیا تھا۔اور ضیا اس کی آنکھوں میں ساکت سا سکون۔اور اس ناچتی حسینہ کی تیز نظروں نے ضیا علی خان کو تاڑ لیا تھا۔وہ ناچتے ناچتے اس کے قدموں میں بچھنے لگی۔اس کا دوپٹہ کھسک گیا اور لمبے کالے ریشم جیسے بال ضیا کا دامن چھونے لگے، دھیرے دھیرے ناگن کی طرح بل کھاتی وہ دور ہونے لگی تو ضیا نے بڑھ کر نہایت نرمی سے اس کے بال پکڑ لیے۔وہ ٹھٹکی اور قدرے ناگواری سے اسے دیکھنے لگی۔اس نے بال چھوڑ دیے۔

''ضیا میرے خیال میں چلنا چاہیے۔'' ابراہیم نے فوراً کہا۔

''تم لوگ جاؤ۔۔۔میں یہیں رہوں گا کچھ دیر۔۔۔'' تکیے سے ٹیک لگاتے ہوئے اس نے آرام سے کہا تھا۔وہ خاموشی سے زید اور شاہد کو اشارہ کرتے ہوئے اٹھ گیا۔ادھیڑ عمر عورت لبوں پر مسکان سجائے اب اس کی زبان سمجھ رہی تھی۔ضیا کی نظریں البتہ اب بھی اس پری پیکر پر جمی تھیں۔۔۔



ناول ''محبت لفظ ہے لیکن'' ابھی جاری ہے۔اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی 10 تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

قسط نمبر 2

''ماں باپ کے سامنے بہت سوچ سمجھ کر بولا کرو کیوں کہ کبھی کبھی ان کے سامنے بولا گیا کوئی بھی برا یا اچھا کلام ہماری پوری قسمت پہ حاوی ہو جاتا ہے۔''

''کہاں تھے تم دونوں؟'' گھر جلدی پہنچنے کی تمام تر کوششوں کے باوجود انہیں واپسی میں شام ہو گئی تھی۔ اور حسب توقع زرینہ بیگم ان کے استقبال کے لیے دروازے پر ہی موجود تھیں۔

''آپ کو بتا کر تو گئے تھے۔'' حمزہ بائیک اندر لا کر جامن کے درخت کے نیچے کھڑی کرتے ہوئے بولا۔ اقرا البتہ خاموشی سے اندر چلی گئی تھی۔ وہ بھی اندر آ گیا۔ زرینہ اس کے پیچھے تھیں۔

''یہ نہیں بتایا کہ تم لوگ نانو کے گھر بھی جاؤ گے؟'' حمزہ کے بڑھتے قدم رک گئے وہ مڑا۔

''آپ کو کس نے بتایا؟'' اس کی تیز نظریں ماں پر جمی تھیں۔

''تم جانتے ہو رضیہ میر پرانی دوست ہے۔'' وہ نظریں چراتے ہوئے سبین کی پڑوسن کا نام لیتے ہوئے بولیں۔ حمزہ کی آنکھوں میں بے یقینی سی دوڑ گئی۔

''امی۔۔۔آپ۔۔۔اوہ مائی گاڈ!'' بے بسی سے وہ سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر وہیں صوفے پر ڈھے گیا۔

''ہاں تو کیوں جاتے ہو وہاں۔۔۔؟'' زرینہ بھلا کب ہار مانتی تھیں۔

''تو کیا فرق پڑتا ہے امی۔۔۔وہ ہماری نانی کا گھر ہے، ہمارے سگے ماموں کا گھر ہے۔'' وہ غصے سے چلا اٹھا تھا۔

''فرق پڑتا ہے حمزہ۔۔۔'' انہوں نے بھی آواز دھیمی نہ کی تھی۔

''میں نہیں چاہتی کہ اماں کی طرح مجھے بھی کسی ان چاہی بہو کو قبول کرنا پڑے۔'' ان کے لہجے میں بلا کی کاٹ تھی۔

''یہ صرف آپ کی سوچ ہے امی۔۔۔ ورنہ نانو سبین مامی سے بے حد محبت کرتی ہیں۔'' اس نے اٹھ کر ماں کو کندھوں سے تھام لیا۔

''یہی تو جادو آتا ہے ان ماں، بیٹی کو۔۔۔ اماں کو بس میں کر رکھا ہے انہوں نے'' وہ فوراً ہی اپنی بات سے مکر گئی تھیں۔ حمزہ تاسف سے انہیں دیکھے گیا۔

''اور پھر وہ لالہ! اُف چلتی پھرتی آفت ہے۔ اگر اس کا جادو تم پر چل گیا ناں تو گئی میں کام سے۔'' انہوں نے ہاتھ جھاڑے۔

''وہ ایسی بالکل بھی نہیں ہے۔'' وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

''اوہو۔۔۔ہمدردی ہونے لگی ہے۔۔۔ارے جتنی معصوم وہ دکھتی ہے ناں، ویسی ہے ہی نہیں، اپنا معاملہ خود نہ سیٹ کر لے تو نام بدل دینا۔''

''امی۔۔۔پلیز۔۔۔''تیز لہجے میں ٹوکتا وہ کمرے میں گھس گیا۔البتہ دروازہ زور سے بند کرنا نہ بھولا تھا۔زرینہ منہ بنا کر رہ گئیں۔

''توبہ کریں امی۔۔۔لالہ ایسی بالکل بھی نہیں ہیں۔بلکہ ہمارے جانے پہ تو کمرے سے باہر بھی نہیں نکلتیں۔۔۔''اقرا نے فریج سے سیب نکال کر دانتوں سے کترتے ہوئے کہا تو وہ مزید چڑ گئیں۔

''یہی تو ادائیں ہیں بی بی! کہ تم لوگ اس کا نوٹس لو۔۔۔حمزہ کو اپنی طرف راغب کرنے کے انداز۔۔۔ہائے، ہائے۔۔۔''وہ اپنے دونوں ہاتھ مسلنے لگیں۔

''کہیں میرے سینے پہ مونگ دلنے کے لیے یہیں نہ رہ جائے۔''ان کو فکر ستائی سیب کھاتی اقرا نے برا سا منہ بنایا۔

''اور تم کیا یہ ہر وقت ٹھونستی رہتی ہو۔''ان کی نظر اقرا پر پڑ چکی تھی۔اس نے نظریں اٹھا کر اللہ سے مدد مانگی تھی امی اب اس کے پیچھے پڑ چکی تھیں۔

''کچھ اس منحوس سے ہی سیکھ لے۔۔۔کچھ حلیہ ہی درست کر لیا کر۔''ان کو فکر لاحق ہوئی۔

''اور ہاں یہ ہر وقت بھائی، بھائی کہہ کر شاہ ویز سے نہ لپٹ جایا کر۔ایک دفعہ اس کے دل میں بہن کی صورت چڑھ آ گئی ناں تو ساری عمر بہن ہی بنی رہ جائے گی۔شاہ ویز سے اچھا لڑکا بھلا کہاں ملے گا۔کچھ فاصلہ رکھا کر۔۔۔تاکہ تیرے اس کتراؤ کے بارے میں سوچے۔۔۔''زرینہ نہ جانے کیا، کیا کہے جا رہی تھیں۔اقرا کانوں کو ہاتھ لگائے گئی اور حمزہ دل ہی دل میں ماں کی دوغلی شخصیت سے متنفر سا ہوا تھا۔

☆......☆......☆

سکندر اپنی بیٹی امن کے ساتھ مل کر ایک ساتھ دو تین بزنس چلا رہے تھے۔۔۔وہ زیادہ تر آفس کا کام دیکھتے۔سائٹ کا تقریباً سارا کام امن کے ذمے تھا۔۔۔اسے سائٹ پر ورکرز سے کام کروانے۔صحیح مشینری کا انتخاب کرنے اور کم وسائل سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے میں کمال مہارت حاصل تھی۔

تمام نئے امپلائز میں سے قابل لوگ اس نے اپنے ساتھ رکھ لیے تھے۔جن میں باریال ولی خان کو نمایاں مقام حاصل تھا۔باریال نہ صرف یہ کہ بے حد ذہین تھا بلکہ اپنے کام کے ساتھ بے حد مخلص بھی۔۔۔امن کے ساتھ، ساتھ سکندر صاحب نے بھی نوٹ کیا تھا کہ وہ وقت کی پرواہ کیے بغیر اپنے کام میں مگن رہتا، ڈیزائننگ اور انٹیریئر میں اس کا ذہن کمال کا تھا۔۔۔کسی بھی عمارت کی کنسٹرکشن یا ڈیکوریشن میں درپیش کوئی بھی مسئلہ وہ چٹکیوں میں حل کر لیتا۔۔۔بہت جلد اس نے سکندر اور امن کی نگاہوں میں ایک خاص مقام بنا لیا تھا

۔امن کے ساتھ تو اس کی اچھی خاصی فرینڈ شپ ہو چکی تھی۔اور ان دونوں کے درمیان باس اور ورکر کا رشتہ نہ ہونے کے برابر تھا۔امن ہمیشہ اسے ایک دوست کی طرح ٹریٹ کرتی۔۔۔اور آفس سے ہٹ کر اس کی نجی زندگی میں بھی دلچسپی لینے لگی تھی۔

آفس ٹائم کے دوران ہی ایک مرتبہ باریال کو ایمرجنسی میں گھر جانا پڑ گیا تھا کہ دیدے کی طبعیت بے حد خراب ہو گئی تھی۔تب امن نہ صرف خود اسے گھر لے گئی بلکہ دیدے کو اسپتال بھی پہنچانے میں مدد کی۔اور جب تک ان کی طبعیت سنبھل نہ گئی، وہ سایہ بن کر باریال کے ساتھ رہی۔اس واقعے نے امن کی قدر باریال کے دل میں اور بھی بڑھا دی۔وہ احسان مند تھا اور امن۔۔۔وہ جس طرح سے اپنے اور باریال کے تعلق کو سوچنے لگی تھی۔باریال کو اس کا شائبہ تک نہیں تھا۔

☆......☆......☆

''یہ کہاں کی دوستی ہوئی؟ اپنے تائم تو ہمیں ساتھ لے کے گھومتا پھرے اور جب ایسی موج آئے ہاتھ تو ٹھڈا مار دے۔'' زید نے باہر آتے ہی ضیا کو گالی سے نوازا تھا۔اس نے گلی میں پڑے ایک پتھر کو زوردار ٹھوکر رسید کی۔پتھر اڑتا ہوا سامنے والے بنگلے کی کسی کھڑکی کا شیشہ توڑ گیا تھا۔

''جلدی بیٹھو'' ابراہیم ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا۔فوراً چلایا اوپر سے انہیں کسی نے غلیظ گالی دی تھی۔ان کے بیٹھتے ہی ابراہیم نے گاڑی تیزی سے آگے بڑھا دی تھی۔

''میں تو خود بھی اٹھنا چاہ رہا تھا۔'' ابراہیم نے سامنے دیکھتے ہوئے سادہ لہجے میں کہا۔

''سچ۔۔۔اگر ضیا سے پرانی دوستی نہ ہوتی تو کبھی اس کے ساتھ یہاں نہ آتا۔'' وہ گاڑی مین روڈ پر لے آیا تھا۔

''تم تو خیر بہت لکی ہو ابراہیم تمہیں دایاں بازو مانتا ہے وہ۔'' زید رشک سے بولا تھا۔

''اسکول کے زمانے سے ساتھ رہا ہے ہمارا۔۔۔اور سچ کہوں تو یہ سب ضیا کا ہی احسان ہے کہ آج میں تعلیم یافتہ ہوں۔'' وہ موڑ کاٹتے ہوئے بولا۔

''اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کی دوستی نے تمہیں بھی کچھ کم فائدہ نہیں پہنچایا۔'' ابراہیم کی بات پہ وہ دونوں خباثت سے ہنس دیے۔

''لیکن ایک بات پہ تو بہت حیران ہوں۔'' شاہد ہاتھ سر کے پیچھے رکھتا سیٹ پر تقریباً لیٹ گیا۔

''کس بات پر۔۔۔؟'' زید دو سیٹوں کے درمیان ذرا آگے ہوا۔

''اپنا ضیا ایسا تھا نہیں۔۔۔اور خاص کر ایسی عورتوں کو منہ لگانے والا تو ہرگز نہیں۔'' شاہد بولا۔

''شراب اور شباب کی لت تو اسے اس کے بابا نے ڈال دی ہے۔'' ابراہیم نے انکشاف کیا۔

''وہ کیوں۔۔۔؟'' وہ حیران رہ گئے۔

''شاید ان کے اندر کوئی خوف ہے ضیا کے بارے میں۔'' ابراہیم نے اندازہ لگایا۔

''اکلوتا سپوت ہے، ڈرتے ہوں گے کسی حسینہ کے پلو سے ہی نہ بندھ جائے۔'' زید نے اندازہ لگایا۔

''شاید۔۔۔'' ابراہیم نے مختصر جواب دیا۔

''پھر تو یہ خوف بے معنی ہے، عشق ہوتے وقت بھلا کہاں کچھ یاد رہتا ہے۔ اسے بھی جب محبت ہو گی تب لت وت سب بھول جائے گا۔'' وہ دونوں قہقہہ لگا کے ہنس پڑے۔ ابراہیم دھیرے سے مسکرا دیا تھا۔

☆......☆......☆

''دیدے۔۔۔ میں ذرا شاہ ویز کی طرف جا رہا ہوں۔ آپ دروازہ بند کر لیں۔'' بائیک کی چابیاں اٹھاتا، دیدے کو آواز دیتا وہ باہر کی طرف بڑھا۔

''پھر تو تم کھانا بھی کھا کر آؤ گے۔'' دیدے اداس ہو گئیں۔ وہ مسکراتا ہوا ان کے قریب آ گیا۔

''آپ جانتی تو ہیں دیدے نوکری نہ ملنے کی وجہ سے پریشان ہے وہ۔ بس اسی لیے جا رہا ہوں ورنہ سچ کہوں تو نوکری کے بعد اب میں خود بھی فراغت کو ترسنے لگا ہوں۔ پھر بھی وعدہ ہے کہ وہاں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ آپ کے ساتھ ہی آ کر کھاؤں گا۔'' اس نے ماں کو تسلی دی۔

''شاہ ویز تو ماشاءاللہ سے گولڈ میڈلسٹ ہے ناں۔۔۔؟'' انہوں نے استفسار کیا۔

وہ اثبات میں سر ہلا گیا۔

''پھر بھی ابھی تک اسے نوکری نہیں ملی؟'' وہ حیران ہوئیں۔

''اس ملک میں ڈگری نہیں دیدے سفارش چلتی ہے۔'' وہ تلخ ہوا۔

''یہ تو ہم بندوں کے مفروضے ہیں بچے۔۔۔ ورنہ ملتا وہی ہے جو اس مالک کا حکم ہوتا ہے۔'' انہوں نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا۔

''لیکن حق تلفیاں صرف یہیں ہوتی ہیں دیدے۔۔۔ نیچے زمین پر۔۔۔ چھوٹے سے چھوٹے عہدے سے لے کر بڑے عہدوں تک جس کی جس قدر طاقت ہے، ہڑپ کر جاتا ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ ہضم بھی کر جاتا ہے۔'' اس کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''پتا ہے دیدے خود مجھے آفس کے مینیجر نے بتایا ہے کہ میری سیٹ پر بہت تگڑی سفارش تھی لیکن صرف میم امن کی وجہ سے مجھے یہ سیٹ ملی ہے۔ کیوں کہ انہوں نے صاف کہہ دیا تھا کہ انہیں سفارشی نہیں قابل آدمی چاہیے اگر وہ اسٹینڈ نہ لیتیں تو میں ابھی تک جگہ جگہ دھکے

کھا رہا ہوتا۔ جب تک یہ نظام تبدیل نہیں ہوتا، شاہ ویز جیسے قابل لوگوں کو ہمیشہ اسی مایوسی کا شکار رہنا پڑے گا۔" دیدے اس بار خاموش رہیں کیوں کہ اس کی بات میں وزن تھا۔

"اچھا، تم جاؤ دیر ہو رہی ہے رات کو جلدی واپس آنے کی کوشش کرنا ورنہ دل ہولتا رہتا ہے۔" انہوں نے باریال پہ دم کرتے ہوئے اسے ہدایت کی۔ وہ سر ہلاتا مڑ گیا۔ دیدے دروازے تک اس کے پیچھے آئیں۔

"اور کھانا وہیں کھا لینا۔ شاہ ویز خوش ہو جائے گا" ان کی آواز سن کر باریال ولی خان کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ وہ دروازہ بند کر چکی تھیں۔

اس کی ماں تھی ہی ایسی۔۔۔ پر وقار۔۔۔ پر خلوص۔۔۔ وفا کا پیکر۔۔۔ محنت شعار۔۔۔ جوانی میں ہی بیوگی کی چادر اوڑھ لینے کے باوجود سخت ترین حالات کا سامنا ہونے کے بعد بھی انہوں نے بہت حوصلے سے بڑی عزت اور شان والی زندگی گزاری تھی۔ بقول دیدے کے اس کے باپ نے کافی سارا زیور اور پیسہ ان کے لیے چھوڑا تھا جو ان دونوں کے لیے کافی تھا۔ باری یہ سب جانتا تھا لیکن پھر بھی انہوں نے یہ سرمایہ محفوظ کر رکھا تھا، باریال کے لیے۔۔۔ اپنی گزر بسر کے لیے انہوں نے ایک پرائیویٹ سکول میں جاب کر لی تھی۔ تنخواہ میں ان دونوں کا گزارہ بہ آسانی ہو جاتا تھا۔ سرٹیفیکیٹ سے ملنے والا منافع بھی وہ کمیٹیوں میں استعمال کر کے جمع کرتیں۔ اور کچھ رقم جمع ہوتے ہی نئے سرٹیفیکیٹ بنوا لیتیں۔

باریال کی تعلیم کے بعد تو اس کی نوکری کے بھی خلاف تھیں۔۔۔ وہ چاہتی تھیں کے باریال اپنا ہی کوئی بزنس شروع کر دے۔ لیکن وہ نئے دور کے تقاضوں سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ پہلے کسی اچھے پروجیکٹ میں کام کر کے تجربہ حاصل کر لے، کاروبار کیا و نچ نیچ سمجھ لے تبھی کہیں اپنا مال انویسٹ کرے۔۔۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ جلد بازی یا کم عقلی سے کسی بھی قسم کا نقصان اٹھائے اور جنت بی بی اس بات پہ متفق بھی ہو گئی تھیں۔

جاب اچھی تھی سیلری پیکج بھی اچھا تھا۔ لیکن اس جاب میں سب سے بڑی خوشی باریال کو یہ تھی کہ اسے آفس اور سائٹ دونوں جگہ کام سنبھالنے کا موقع ملا تھا۔ اور اس طرح کے کنسٹرکشن اور مینجنگ کے حوالے سے بہت سے اہم نکات وہ بہت جلدی سمجھ گیا تھا۔ اب وہ دن زیادہ دور نہیں تھا جب وہ بہت جلد اپنے کواب کی بنیاد رکھ دیتا، دنیا کے سب سے سستے اور معیاری ہوٹل بنانے کا خواب۔۔۔ جہاں سب کو یکساں سہولت ملے۔ اور اسے یقین تھا کہ منزل اب زیادہ دور نہیں تھی۔

☆......☆......☆

"سبین، بات سنو بیٹا۔۔۔" وہ عصر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئیں تو اپنے کمرے کے دروازے پر کھڑی اماں نے پکار لیا، وہ سیدھی ان کی طرف آ گئیں۔

''جی اماں۔۔۔''

''ادھر آؤ۔۔۔میری بات سنو۔۔۔۔''ان کو ہاتھ سے پکڑ کر وہ اندر لے آئیں۔

''بیٹھو ادھر۔۔۔''اپنے بستر پر بیٹھاتے ہوئے وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگیں۔

''کیا ہوا ہے اماں۔۔۔؟''سبین الجھ گئی۔

''ابھی رضیہ آئی تھی ناں۔۔۔''انہوں نے اپنی پڑوسن کا کہا۔

''خالہ رضیہ۔۔۔؟''

''ہاں ایک دو رشتوں کا بتا رہی تھی اپنی لالہ کے لیے۔''اماں بتانے لگیں۔نہ جانے کیوں سبین کا چہرہ بجھ سا گیا۔

''خاندانی لوگ ہیں،لڑکے بھی اچھی پوسٹوں پر ہیں۔''

''لیکن اماں۔۔۔''

''لیکن ویکن کیا سبین۔۔۔سچ کہوں تو زرینہ کے رویے نے میرا دل توڑ دیا ہے۔''وہ تاسف سے کہتی تکیے سے ٹیک لگا گئیں۔
خود بخود سبین کی آنکھیں جھک گئیں۔جیسے یہ سب ان کا ہی قصور ہو۔

''تم کیوں نظریں جھکاتی ہو۔''اماں نے ہاتھوں کا پیالہ بنا کر ان کا چہرہ اس پیالے میں بھر لیا۔

سبین ان کے بیٹے ارتضی کی محبت تھی،کتنا مان،کتنی محبت دی تھی اس نے سبین کو۔۔۔بے شک سبین نے اپنے گھر سے بھاگ کر ارتضی کے لیے سب کچھ چھوڑ دیا تھا۔لیکن وہ گواہ تھیں کہ ان کے بہو، بیٹے نے کوئی غلط اقدام نہ اٹھایا تھا۔شریعت کے تمام اصولوں کے مطابق عزت سے ایک دوسرے کو اپنایا تھا۔

''ارتضی ہوتا تو تب میں دیکھتی زرینہ کیسے کوئی بات کرتی ہے تیرے بارے میں۔۔۔میں تو ماں ہوں۔۔۔مجبور ہو جاتی ہوں خاموش رہنے پر۔''وہ شرمندہ تھیں۔

''ارے نہیں اماں۔۔۔''انہوں نے فوراً اماں کے ہاتھ تھام لیے۔

''مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ رزینہ کیا کہتی ہے،آپ ارتضی، شاہ ویز اور لالہ کے بعد مجھے کسی اور رشتے سے کوئی مطلب رہا ہی نہیں۔۔۔لیکن۔''وہ کچھ سوچنے لگیں۔

''لیکن کیا؟''

''بات لالہ کی ہے اماں۔۔۔ابھی تو حمزہ کے متعلق آپ کی طرف سے کی گئی رشتے والی بات پر ہی غصہ ہے،ایسے میں ان نئے لوگوں کے متعلق کوئی بھی بات اسے اور نہ بھڑکا دے۔''وہ الجھی سی گئی تھیں۔

''تم اس کی فکر نہ کرو۔۔۔اسے میں سمجھا لوں گی۔ ویسے بھی میری بات نہیں ٹالے گی وہ۔۔۔تم دیکھ لینا۔'' انہوں نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔

''دیکھ لیں آپ۔۔۔میں تو بس یہ چاہتی ہوں میری بیٹی خوش رہے۔''

''آمین۔۔۔آمین۔۔۔'' اماں نے فوراً ہاتھ کھڑے کر دیے تھے دعا کے لیے۔ سبین دھیرے سے مسکرا دی تھی۔

☆......☆......☆

یہ کمرہ بے حد کشادہ تھا جہازی سائز بیڈ پر تازہ پھولوں کی پتیاں اس کی سانسیں مہکائے دے رہی تھیں، عجیب سی مدہوشی ذہن پر چھائی جا رہی تھی۔ نہ جانے یہ کمرے کے خوبصورت ع معطر ماحول کا اثر تھا یا اس مشروب کا جو اسے یہاں آتے ہی نوازا گیا تھا۔ تبھی ایک طرف لگی موتیوں کی لڑیاں گنگنائیں۔ اس نے چونک کر سامنے دیکھا۔ وہ وہی اپسرا تھی لیکن اس وقت وہ سلک کے پھسلتے ریشمی لباس میں ملبوس تھی جو مکمل طور پر سادہ تھا چہرہ میک اپ سے عاری تھا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی اس کے قریب ہی آ کر بستر پر بیٹھ گئی۔ ضیا کی نگاہیں اس کی کشادہ پیشانی سے ہوتیں اس کے عنابی لبوں پر آ ٹھہریں۔

''کیا نام ہے تمہارا؟'' اس کے لبوں کو تکتے اس نے سوال کیا تھا۔

''زمزمہ۔۔۔'' ننھا سا گلابی دہانہ ذرا سا وا ہوا اور عنابی لب دوبارہ سے ایک دوسرے سے جڑ گئے۔

''کہاں کی ہو؟'' اس کی خوبصورت کالی آنکھوں میں حیرت جاگی تھی لیکن ضیا کی آنکھیں ابھی تک اس کے لبوں پر جمی تھیں ایسے ہی لب اس نے کہیں دیکھے تھے۔۔۔لیکن کہاں کب اسے یاد نہیں آ رہا تھا۔

''یہاں سے دور ایک گاؤں ہے وہاں سے آئی ہوں۔'' اس نے گاؤں کا نام بتا کر جواب دیا۔ اور لمبے بالوں کی ایک لٹ نکال کر اسے انگلی پر لپیٹنے لگی۔

''باپ نے بیچا؟'' ضیا کی آواز میں تاسف ابھرا۔۔۔وہ چونکی پھر اس کی آنکھوں میں خفگی اتر آئی۔

''باپ بھی کبھی بیچا سکتا ہے۔''

''اس دنیا میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔'' وہ مسکرایا اور بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائی۔

''مثلاً۔۔۔''

''جیسے تم یہاں آ گئی ہو۔ ورنہ تم نے کبھی سوچا ہو گا بھلا۔۔۔؟'' اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔۔۔اس بار زمزمہ خاموش رہی۔

''اور جیسے میں۔۔۔ضیا علی خان۔۔۔صرف ایک رات کے تعلق کے لیے اتنے پیسے اڑا کر تمہارے پاس بیٹھا ہوں۔۔۔'' دونوں ہاتھ سر کے پیچھے رکھتے ہوئے وہ شرارت سے بولا تھا۔ نہ جانے کیوں سر چکرانے لگا تھا۔

''کم از کم میں نے تو کبھی نہیں سوچا تھا۔''

''کیا مطلب۔۔۔''زمزمہ کی آنکھوں میں حیرانی ابھری۔

''مطلب یہ کہ میں ایسے تعلقات پر یقین نہیں رکھتا۔''اس نے صاف گوئی سے کہا۔

''تو پھر تم نے اتنے پیسے کیوں ضائع کیے؟''اسے ضیا کے لیے اتنا افسوس ہو رہا تھا کہ وہ خود بھی حیران تھی۔کیوں کہ وہ اب جس جگہ سے تعلق رکھتی تھی وہاں صرف پیسہ اہمیت رکھتا تھا۔احساسات اور جزبات یہاں کبھی سانس نہ لیتے تھے۔تو اسے ضیا کے اس نقصان پر افسوس ہونا۔۔۔واقعی اچھنبے کی بات تھی۔

''تمہارے لبوں کی وجہ سے۔''ضیا کی بات پر وہ قہقہہ لگا کر ہنس دی تھی۔

''سچ کہہ رہا ہوں۔''اسے برا لگا۔

''مطلب تم جس سے محبت کرتے ہو اس کے ہونٹ میرے لبوں سے ملتے ہیں۔''

''محبت۔۔۔''وہ چونک کر سیدھا ہوا۔

''ہاں۔۔۔اتنی تڑپ سے تو یہی ظاہر ہے۔''زمزمہ نے کندھے اچکائے۔

''نہیں''ضیا نے نفی میں سر ہلایا۔

''ایسی کوئی بات نہیں۔۔۔بلکہ میں تو یاد بھی نہیں کر پا رہا کہ ایسے ہی لب میں نے دیکھے کہاں ہیں؟''

''تم پاگل ہو۔''زمزمہ کو وہ پاگل ہی لگا۔

''شاید۔۔۔''اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔لہجہ بھی لڑکھڑانے لگا تھا۔

''اگر ایسی جگہ پہ نہیں آتے تو ڈرنک بھی نہ کرتے۔''وہ کمرے میں رکھے فریج سے اس کے لیے لیمن جوس نکالتے ہوئے بات بدل گئی۔

''مجھے یقین تھا،یہ مجھے نشہ نہیں دے پائے گی۔''وہ پھر سے ٹیک لگا گیا۔زمزمہ نے گلاس اس کی طرف بڑھایا۔

''کچھ شرابیں اور حسن بہت خاص ہوتے ہیں،مدہوش کر ہی دیتے ہیں۔''ضیا نے دھیرے سے گلاس تھام لیا تھا۔وہ مرنے لگی کہ ضیا نے ہاتھ تھام لیا۔

''یہاں بیٹھو۔۔۔میں تمہیں یونہی کچھ دیر اپنے قریب محسوس کرنا چاہتا ہوں۔''وہ چپ چاپ بیٹھ گئی ضیا جوس پینے لگا۔

''جس کی ایک جھلک نے تمہیں اس قدر دیوانہ بنا دیا ہے خان!اس کی قربت تو تمہیں مار ہی دے گی۔''اسے پھر سے اپنے لبوں کو تکتا دیکھ کر وہ دھیرے سے مسکرائی تھی۔

''ضیا علی خان مٹنے کے لیے نہیں مٹانے کے لیے پیدا ہوا ہے۔'' اس نے زمزمہ کی نازک کلائی اس قدر مضبوطی سے پکڑی کے وہ کراہ اٹھی۔

''خان، چھوڑو۔۔۔'' اس کی موٹی کالی آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں۔ ضیا نے فوراً ہی اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔ اور اسکے بیڈ کو چھوتے کالے ریشمی بال ہاتھوں میں لے لیے تھے۔

''مجھے لگا تم لوگوں کو درد سہنے کی عادت ہوگی۔''

وہ پہلی مرتبہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بات کر رہا تھا۔ زمزمہ نے آنکھوں میں بھر آنے والے آنسوؤں کو بہہ جانے دیا تھا۔

''ہمیں درد محسوس ہی نہیں ہوتا۔۔۔ لیکن آج نہ جانے کیوں پھر لگا کسی اپنے نے درد دیا ہو جیسے۔'' ضیا کی آنکھوں میں دیکھتی وہ بکھر سی گئی۔ بلا ارادہ ہی ضیا نے اس کے گالوں پر لڑھکتا وہ موتی اپنی پوروں پر چن لیا تھا۔ اور پھر فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں چلوں گا۔'' اٹھتے ہوئے وہ ذرا سا لڑکھڑایا۔ زمزمہ نے تیزی سے اسے بازوؤں سے پکڑ کر سنبھالا دیا تھا۔

''ابھی مت جاؤ خان۔۔۔ طبعیت سنبھل جائے تو۔۔۔'' ضیا نے ہاتھ اٹھا کر جیسے اسے مزید بولنے سے منع کیا تھا۔ پھر جیب سے والٹ نکال کر چند نیلے نوٹ زمزمہ کے قدموں میں اڑائے تھے۔ اور مڑ کر باہر نکل گیا تھا۔

''خان۔۔۔!'' اس کی آواز گلے میں ہی دم توڑ گئی۔

☆......☆......☆

شاہ ویز کے گھر سے نکلتے، نکلتے اسے واقعی دیر ہو گئی تھی۔ رات کے بارہ سے بھی اوپر کا ٹائم ہو چلا تھا۔ اسے یقین تھا دیدے اس کے انتظار میں ابھی تک جاگ رہی ہوں گی۔ تبھی اس کی بائیک ہوا سے باتیں کر رہی تھی۔ مین سڑک سے ذیلی سڑک پر موڑ کاٹتے ہوئے بھی اس نے بائیک کی رفتار کم نہ کی تھی اور اگلے ہی لمحے اسے اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوا تھا۔ صرف چند قدم کے فاصلے پر پڑا بے حس وحرکت وجود دیکھ کر اس نے تیزی سے بریک لگائی تھی۔ جس قدر تیزی سے بریک لگی تھی اسی قدر شدت سے اس کی بائیک ہوا میں اچھلی تھی۔ اس نے ہینڈل چھوڑ دیے تھے۔ ذرا دیر ہوا میں رہنے کے بعد وہ زور سے سڑک کے کنارے اگی خودرو جھاڑیوں میں جا گرا تھا۔ موٹر سائیکل بھی کچھ فاصلے پر جھاڑ جھنکار سے الجھ کر سڑک کے نیچے جانے سے بچ گئی تھی۔ درد کی تیز لہر نے اس کے وجود کو اپنے حصار میں لیا تھا۔ ایک درخت کا سہارا لے کر کپڑے جھاڑتے ہوئے وہ اٹھا اور پھر اچانک یاد آتے ہی وہ تیزی سے اس بے جان وجود کے پاس آیا تھا۔

تیئس، چوبیس کی عمر کا وہ لڑکا ہوش وخرد سے مکمل طور پر بیگانہ تھا۔ اس کے چہرے اور بازوؤں پر ہلکی چوٹوں کے نشان تھے۔ آج کل شہر میں لوٹ مار کی وارداتیں بڑھ گئی تھیں۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں وہ سمجھ گیا تھا کہ مین روڈ پر ضرور اس کی کسی بدمعاش گروپ سے جھڑپ ہوئی ہوگی۔ وہ اسے لوٹنا چاہ رہے ہوں گے اور اس کی مزاحمت پہ وہ اسے مار پیٹ کے یہاں پھینک گئے ہوں گے۔

لڑکا کسی اچھے خاندان سے لگ رہا تھا۔ چاند کی روشنی میں اس کا قیمتی لباس اور اس کا بھرا بھرا چہرہ اور صحت مند وجود اسے کسی امیر فیملی کا سپوت ظاہر کر رہا تھا۔ باریال نے چند پل اس کا چہرہ تھپتھپایا، وہ ذرا کسمسایا پھر آنکھیں موند گیا۔ باریال نے دیکھا اسے کوئی سیریس چوٹ نہیں لگی تھی۔ پھر بھی نہ جانے کیوں وہ اٹھ نہیں پا رہا تھا۔ باریال نے اسے ذرا سائیڈ پر کیا۔ پھر اپنی بائیک کھڑی کی اور سڑک سے ذرا نیچے کنارے پر بنی چھوٹی سی نالی جو شاید قریبی کھیتوں میں پانی پہنچانے کے کام آتی تھی میں سے پانی ہاتھ کی مٹھی میں بھر کر اس نوجوان کے چہرے پر ڈالنے لگا۔ ذرا سی کوشش کے بعد اس لڑکے نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

''امیر طبقے کی بگڑی ہوئی اولاد۔۔۔'' ایک پل میں باریال کی سوچ اس کے متعلق بدل چکی تھی۔

''اگر تمہارا گھر یہیں قریب ہے تو میں تمہیں چھوڑ سکتا ہوں وہاں تک۔'' اس کے لہجے میں اب متوقع نرمی مفقود تھی۔

''یہیں قریب ہی فارم ہاؤس ہے میرا۔'' اس نے لڑکھڑاتے لہجے میں جواب دیا۔

''اتنی زیادہ پی رکھی تھی تو گھر سے باہر نہ نکلتے۔''

''وہ اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے جھوٹ بول گیا۔۔۔ کیوں؟ خود بھی نہیں جانتا تھا۔

''حیرت ہے حالت تو انہی جیسی ہی ہے۔''

باریال اس کی مدد کرنے لگا۔

''ٹیکسی سے آ رہا تھا نہ جانے انہوں نے کیا کھلا دیا، لگتا ہے سب لوٹ کر لے گئے۔'' اب وہ اپنی جینز کی پاکٹیں ٹٹول رہا تھا۔ حسبِ توقع سب جیبیں خالی تھیں۔

''چلو تمہیں فارم ہاؤس تک چھوڑ دوں۔'' باریال بائیک پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''شکریہ۔۔۔'' وہ بے جھجک اس کے پیچھے بیٹھ گیا۔ بائیک درست حالت میں تھی بس کئی جگہوں سے رگڑ کھائی تھی۔

''ویسے تمہاری قسمت اچھی تھی ورنہ میں یہ شارٹ کٹ کبھی نہیں لیتا۔ ہمیشہ مین روڈ سے جاتا ہوں۔'' بائیک اسٹارٹ کرتے ہوئے باریال مسکرایا۔

''قسمت تو آج خراب تھی میری، ورنہ میں بھی کبھی اس طرح ٹیکسیوں میں سفر نہیں کرتا۔'' اس کے سر میں شدید درد ہو رہا تھا اس نے سر باریال کے کندھے پر رکھ دیا۔

''خیال سے بیٹھو، اب نیچے گر گئے تو میں نہیں سنبھال پاؤں گا۔'' باریال کندھے پر اس کے سر کا بوجھ محسوس کرتے ہوئے دوستانہ لہجے میں بولا۔

''بس یہ لیفٹ والی پکی سڑک۔۔۔'' مین روڈ سے کافی آگے جا کر اس نے باریال کو مخاطب کیا تھا۔ اس نے بائیک موڑ دی تھی۔

''آج رات یہاں رک جاؤ اس طرف راستہ ویسے بھی سنسان ہے۔ کہیں تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔'' بڑے پھاٹک کے سامنے بائیک رکتے ہی اس نے اتر کر باریال کو آفر کی تھی۔

''نہیں، میری ماں میرا انتظار کر رہی ہوگی۔'' مسکرا کر کہتے اس نے بائیک واپس موڑ لی تھی۔

نہ کوئی تعارف ہوا نہ کوئی اہم بات۔۔۔ پھر بھی نہ جانے کیوں وہ شخص ضیا علی خان کو بے حد اپنا سا لگا تھا۔۔۔ وہ دیر تک اس کی بائیک کی گرد کو تکتا رہا تھا۔

☆......☆......☆

ہمیشہ جس بات سے ان کو ڈر لگتا تھا وہی ہو جاتی تھی۔ آج بھی بالکل ویسا ہوا تھا۔ جیسا ہونے کا ان کو ڈر تھا۔ دادی نے لالہ کے رشتے کے لیے جس فیملی کو مدعو کیا تھا۔ ان میں سے ایک عورت ان کے پرانے گھر کی ہمسائی نکلی۔۔۔ اور سب کے سامنے اس نے سبین اور ارتضی کی ڈرامائی شادی کے متعلق سب کچھ بیان کر دیا۔ ان کی ذو معنی باتیں سن کر دادی انہیں خود ہی منع کر کے جانے کا کہنے والی تھیں لیکن کیا کیجئے کرموں کا کہ اسی وقت لالہ بھی اس دن جلدی چھٹی لے کر گھر آ گئی۔ اور بالکل اتفاقیہ طور پر نہ صرف گھر آئے مہمانوں کی زیارت ہوگئی بلکہ دادی اور ان کے کڑوے کسیلے جملوں کا تبادلہ بھی۔۔۔ اور اب ان سب کے جانے کے بعد اس نے ایک طوفان مچا رکھا تھا۔ میز پر دھرا کھانے کا سارا سامان زمین بوس ہو چکا تھا۔ کراکری کے نئے سیٹ شور مچاتے کرچیوں کی صورت یہاں وہاں بکھرے پڑے تھے۔ دادی چپ کا دامن تھامے کمرے میں جا گھسی تھیں۔ اور اب لالہ کے غصے کی توپ کا رخ براہ راست ماں کی طرف تھا۔

''جب تک آپ اپنا یا میرا مذاق نہ بنوا لیں، آپ کو چین کیوں نہیں پڑتا امی۔۔۔'' اس کا بس نہیں چل رہا تھا کے ماں کو بازوؤں سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالے۔

''اس میں میری کیا غلطی لالہ؟'' وہ بے بسی سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔

''غلطی۔۔۔ کیا غلطی ہے آپ کی۔۔۔ ابھی آپ یہ بھی مجھ سے پوچھ رہی ہیں؟'' اسے اور غصہ آیا۔

''لالہ بچے اتنا غصہ کیوں کرتی ہو تم؟'' وہ اس کے قریب آ کے اس کے ہاتھ تھام گئیں لالہ نے ایک جھٹکے سے ان کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھ چھڑا لیے تھے۔

''کیوں کہ صرف یہ غصہ ہی میرے اختیار میں ہے۔ خودکشی حلال ہوتی تو شاید وہی کر لیتی۔'' اس نے ہاتھ کی پشت سے سختی سے گالوں پر لڑھکتے آنسو رگڑ کر مٹا ڈالے، سبین ساکت سی اسے دیکھے گئیں۔

یہ ان کی لالہ تو نہ تھی، ان کی لالہ میں تو ان کی جان تھی، کم گو، بے حد نفیس اور ہنس مکھ سی لالہ۔۔۔ لیکن ارتضی کی موت کے بعد جیسے زرینہ اور خاندان والوں نے نظریں پھیری تھیں۔ لفظوں کے تیروں سے ان کے وجود کو چھلنی کیا تھا، تب سے ان کی لالہ بھی کہیں کھو گئی تھی، حد تو

یہ تھی کے اسے ماں کہ آنسو نظر نہ آتے تھے۔صرف لوگوں کے طعنے اور رویے وہ محسوس کر لیتی تھی۔اور رفتہ رفتہ ان سے کتنی دور ہوتی جا رہی تھی۔

''میں آپ کے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں امی۔۔۔یوں لوگوں کو گھر میں بلا کر میری انسلٹ نہ کروایا کریں۔'' وہ رو دی۔

''ان کی زبانی مجھے بار بار یہ باور نہ کرایا کریں کہ میں ایک گھر سے بھاگی ہوئی عورت کی بیٹی ہوں۔'' اس کی ہچکیاں بندھنے لگیں۔سبین کو لگا ان کی ٹانگیں ان کا ساتھ چھوڑ گئیں۔وہ وہی پاس رکھی کرسی پر ڈھے سی گئیں۔

''اگر آپ کو میری طرف سے کوئی فکر ہے ناں!'' وہ ایک دم تیز لہجے میں کہتی ہوئی ان کے قریب آئی۔

''کہ میں بھی کہیں آپ کی طرح کوئی ایسا ویسا قدم نہ اٹھالوں۔'' سبین کا دل کٹنے لگا۔

''تو بے فکر رہیے۔۔۔لیکن پلیز آئندہ کسی بھی ایسے ڈرامے کا اہتمام ہوا ناں اس گھر میں۔۔۔تو میں قسم کھاتی ہوں میں خود کو ختم کر لوں گی۔'' چلا کر کہتے ہوئے وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

سبین کے دل میں اٹھنے والی درد کی تیز لہر کس قدر شدید تھی۔۔۔لیکن وہ ہاتھ سے سینہ مسلتے ہوئے دوبارہ خاموشی سے کام میں لگ گئی تھیں۔کھڑکی سے جھانکتی دادی کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

☆......☆......☆

''تم نے مجھے اتنی ایمرجنسی میں کیوں بلایا؟'' اقرا کے بائیک پر بیٹھتے ہی اس نے سوال کیا۔

''کالج کے پیچھے نہر پر چلو پھر سب بتاتی ہوں۔'' وہ بے فکری سے چیونگم چباتے ہوئے بولی۔آغا نے موٹر سائیکل آگے بڑھا دی۔کچھ دیر بعد ہی وہ پانچے اوپر کیے نہر کے ٹھنڈے پانی میں پاؤں ڈبوئے بیٹھی تھی۔جامن کے قد آور درخت سے ٹیک لگائے آغا نے کچھ دیر سینے پر ہاتھ باندھے خاموشی سے اس کے بولنے کا انتظار کیا تھا پھر خود ہی بول پڑا۔

''اب کچھ بولو گی بھی۔۔۔یا پکنک منانے آئی ہو۔'' اس کے لہجے میں بیزاری تھی۔

''بتاتی ہوں اتنا چڑ کیوں رہے ہو؟'' اقرا نے چیونگم چباتے ہوئے اسے گھورا تھا۔

''ہاں تو چڑ چڑا نہ ہوں تو اور کیا کروں۔۔۔'' وہ آستین چڑھاتا اس کے قریب ہی ہری گھاس پر بیٹھ گیا۔

''سارا دن نوکری کی تلاش میں ادھر ادھر دھکے کھاؤ اور پھر میڈم کا فون آئے تو بھاگتے آؤ ورنہ پھر ان کے مزاج ہی نہیں ملتے۔'' وہ اب اسے چڑا رہا تھا۔

''تم جانتے ہو ہمیشہ تمہی بلاتے ہو، میں نے پہلی بار بلایا ہے۔'' وہ بھلا کہاں ہارنے والی تھی فوراً منہ بناتے ہوئے جواب دیا۔

''اب بات بھی کر لو میں نے پھر ضروری کام سے جانا ہے۔''

''توبہ ہے آغا۔۔۔ہوا کے گھوڑے پر سوار رہتے ہو۔'' وہ خفا ہوئی۔

''اچھا، خفا تو نہ ہو'' آغا نے اس کا مرمریں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

''اماں ناں میرے اور شاہ ویز بھائی کے متعلق سوچنے لگی ہیں۔'' آغا کے تھامے ہاتھ میں پہنے بریسلٹ سے کھیلتے ہوئے اس نے کہا۔

''کیا سوچنے لگی ہیں۔'' وہ ناسمجھی سے بولا۔

''ان کے اور میرے رشتے کے بارے میں۔۔۔اور کیا؟'' آغا کے ہاتھ سے ایک دم ہی اس کا ہاتھ چھوٹ گیا۔

''تم نے کیا کہا؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''میں نے ابھی تو کچھ نہیں کہا لیکن تم جانتے ہو میرا جواب کیا ہوگا'' وہ دلکشی سے مسکرائی۔

''اور اگر وہ نہ مانیں تو۔۔۔؟'' اس کا دل نہ جانے کیوں دھڑک سا اٹھا تھا۔

''تو تم جانتے ہو میں نے صرف دو کام کرنے ہیں۔''

''وہ کیا۔۔۔؟'' اس نے پوچھا

''یا تیرے ساتھ بھاگ جاؤں گی یا۔۔۔''

وہ اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''یا زہر کھا لوں گی۔'' اس کے لہجے میں سچائی تھی۔ وہ تم سے تو پر آ گئی

''میری خاطر اتنا سب چھوڑ دے گی۔'' وہ حیرانی سے مسکرایا

''تمہیں پا بھی تو لوں گی ناں۔۔۔''

''اچھا زیادہ ہیروئن نہ بن۔ تیری اماں، بھائی کو پتا چل گیا ناں تو لگ پتا جائے گا، اس ٹائم پوچھوں گا۔'' آغا نے مذاق اڑایا۔

''تو کیا پوچھے گا۔ میں خود بتا دوں گی۔'' اس نے بھی دونوں ہاتھ جھاڑے۔

''آغا تو اپنی ماں کو بھیج ناں۔۔۔'' اقرا کو اچانک ہی خیال آیا۔

''کوئی فائدہ نہیں یار۔۔۔خالہ نے فوراً انکار کر دینا ہے۔ دعا کر کوئی اچھی نوکری مل جائے تب شاید بات بن جائے۔''

"آمین۔۔۔ میری تو یہی دعا ہے کہ کم از کم شاویز بھائی سے پہلے تجھے نوکری مل جائے کیونکہ پھر اماں ضرور کوئی نہ کوئی مسئلہ کھڑا کر دے گی میرے لیے'' وہ پریشان سی ہو گئی۔

"اچھا تو پریشان نہ ہو۔۔۔ اب چل تجھے کالج کے گیٹ تک چھوڑ دوں۔ تیرا بھائی پہلے آ گیا ناں تو بہت مسئلہ ہو جائے گا۔

''ہاں صحیح ہے۔'' اقرا نے بھی تائید کی اور دونوں بائیک کی طرف بڑھ گئے۔

☆......☆......☆

"میں سوچ رہی تھی تمہیں اب آفس کی طرف سے گاڑی مل جانی چاہیے۔" وہ سائٹ سے آفس واپس آئے تو اسے اپنی بائیک کی طرف واپس جاتا دیکھ کر اس نے کہا۔

"میرے خیال میں تو ابھی بائیک ہی صحیح ہے۔" وہ مسکرایا

"ہاں لیکن پھر بھی۔۔۔سائٹ وغیرہ پر جانے کے لیے کافی مسئلہ ہو جاتا ہے ناں۔۔۔"

"آفس کی اتنی گاڑیاں ہیں، کہیں بھی کام پہ جانے کے لیے ہر وقت تیار ہوتی ہیں، ایسا بھی کوئی ایشو نہیں۔" سفید شرٹ اور بلیک پینٹ میں اس کی ملائی سی رنگت کچھ مزید نکھر گئی تھی۔

"اگر کوئی شخصیت سحر کر سکتی ہے پہلی ہی نظر میں ختم کر سکتی ہے تو وہ واقعی باریال ولی خان کی شخصیت ہے" باریال کی طرف دیکھتے ہوئے امن نے خود سے دل میں اعتراف کیا تھا۔

"میرے خیال میں مجھے چلنا چاہیے۔" اس کی طویل خاموشی پہ وہ ذرا اونچی آواز میں بولا۔ امن چونک گئی۔

"میں پھر بابا سے بات کرتی ہوں۔" امن کے کہنے پر وہ سر نفی میں ہلا گیا۔

"میں نے کہا ناں ضرورت نہیں ہے۔"

"اچھا ہے ناں۔۔۔گاڑی ہوگی تو کبھی کبھی مجھے بھی ڈراپ کر دو گے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی

"you can drive"

"پھر بھی کبھی کبھی دل کرتا ہے کوئی ایسا دوست بھی ہو ناں جو ڈرائیو کرے اور ہم مزے سے گانے سنیں۔۔۔" اس کی بات پہ باریال نے قہقہہ لگایا۔

"یہ کام تو پھر میری بائیک بھی کر سکتی ہے گاڑی کی کیا ضرورت ہے۔" اس نے آفر کی۔

"مطلب تم آج اپنی بائیک پہ مجھے گھر چھوڑنے کے لئے تیار ہو۔" وہ اچھلی

"بالکل!" وہ بائیک پر بیٹھتے ہوئے بولا

"لیکن آہستہ چلاؤ گے۔" وہ بے حد خوش تھی۔

"وعدہ۔۔۔"

امن اس کے پیچھے بیٹھ گئی۔ اس نے ایک ہاتھ باریال کے کندھے پر رکھ دیا۔

"چلیں۔" باریال نے پوچھا۔

"یس۔۔۔" اس نے سرخوشی سے جواب دیا۔ اور اس دن امن کو احساس ہوا تھا کہ ہواؤں میں اڑنا دراصل کسے کہتے ہیں۔ وہ

بے حد خوش تھی۔۔۔بے انتہا خوش۔۔۔

☆......☆......☆

''خان، آج ساتھ والے قبیلے کے لوگوں کے کچھ ڈنگر (جانور) ہمارے کھیتوں میں آ گئے گھسے تھے۔'' بید کی چھڑی گھماتے سہراب علی خان کے ہاتھ ایک دم رک سے گئے تھے۔

''نقصان ہوا؟'' بھاری لہجے میں پوچھا گیا۔

''جی خان۔۔۔خاصی فصل خراب کر دیا ہے۔لیکن ساتھ والے گاؤں کے لوگ جرمانہ بھرنے کا کہہ رہے ہیں۔'' منشی علمدار نے بتایا۔

''انہیں کہہ دو۔۔۔ہمیں جرمانہ نہیں چاہیے۔''

''جی خان۔۔۔'' منشی حکم ملتے ہی سلام کرتا چلا گیا۔

''شاہ سوار۔۔۔'' وہی بھاری آواز گونجی

"جی حضور۔۔۔'' ایک تو تنومند سا آدمی فوراً آگے کو جھکا۔

''جانتے ہوناں حویلی کے اصول۔۔۔؟''

''جی خان۔۔۔'' وہ مودب لہجے میں بولا۔

''کان کے بدلے کان عزت کے بدلے عزت۔۔۔'' خان نے چھڑی گھمائی۔

''فصل کے بدلے فصل، خان۔۔۔'' شاہ سوار کے چہرے پر خبیث سی مسکراہٹ رینگ گئی۔

''آگ لگا دو کھڑی فصلوں کو۔۔۔اور خیال رہے کوئی بندہ نظر میں نہ آئے۔'' انہوں نے ہدایت کی۔

''جی خان۔۔۔'' وہ سر ہلا گیا تھا۔

☆......☆......☆

وہ تھا ہی اتنا پر وقار اور ساحر شخصیت کا مالک کے جو دیکھتا مڑ کر ایک بار ضرور دوبارہ دیکھتا۔۔۔اس کی چال میں شیر جیسا دبدبہ تھا۔جیسے دنیا کو فتح کرنے نکلا ہو۔سفید شلوار قمیض پر کندھوں پر ڈالی کریم کلر کی بڑی سی مردانہ شال اس کی شخصیت کو چار چاند لگا رہی تھی۔
فزکس ڈیپارٹمنٹ کے لان میں بیٹھا ہر فرد اگر اس وقت کسی طرف متوجہ تھا تو وہ صرف ضیا علی خان کی ہی ذات تھی لوگوں کو مسلسل اپنی طرف تکتا پا کر خود بخود تو اس کے لبوں پر مسکراہٹ مچلی تھی۔اور اس کے دائیں گال میں ذرا اوپر بننے والا ڈمپل بے حد گہرا اور اس قدر خوبصورت تھا کہ کتنے دلوں کو اپنی دھڑکنیں اس ڈمپل میں دھڑکتیں محسوس ہوئی تھیں۔
انہی میں سے ایک گل لالہ بھی تھی۔۔۔برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھی لالہ کی نگاہ یونہی بھٹکی تھی۔اور جیسے ضیا علی خان کے اس

خوبصورت روپ میں کھو کر رہ گئی تھی اس کے یاقوتی لب حیرانی سے ذرا سے وا ہوئے تھے۔اور تبھی بالکل اتفاقیہ طور پر ضیا علی خان کی نگاہ ان لبوں پر پڑی تھی۔

ملائی جیسی رنگت میں دہکتے انگاروں کے جیسے یاقوتی ہونٹ اور ان کے بالکل اوپر لبوں پر کالا تل۔۔۔وہ بے اختیار سا ہوا تھا۔ اور پھر سب لوگوں نے کی دیکھا تھا بے اختیار ضیا علی خان ایک شان سے لالہ کی طرف بڑھتا چلا گیا تھا۔اسے اپنی طرف آتا دیکھ کر لالہ بھی چونک کر گئی تھی۔پرس اور دیگر چیزیں سنبھالتی وہ تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔وہ اس کے قریب آنے سے پہلے وہاں سے ہٹ جانا چاہتی تھی ۔۔۔لیکن عین اسی وقت اس کا پین نیچے گرا تھا۔وہ جھکی۔۔۔ضیا کے پشاوری چپل میں مقید پاؤں اس کی نظروں کے سامنے تھے۔جھٹ سے پین اٹھا کر وہ سیدھی ہوئی۔ضیا اس کے قریب بے حد قریب کھڑا تھا۔اس کی نظریں اب بھی اس کے ہونٹوں پر جمی تھیں۔

''کوئی بات کرو'' وہ کسی روبوٹ کے سے انداز میں بولا تھا۔وہاں موجود لڑکے لڑکیاں سرگوشیاں کرنے لگے تھے۔

are you mad لالہ کو ایک دم سے غصہ آنے لگا اور ان لبوں کو ہلتا دیکھ کر ضیا علی خان کے ہونٹ پھر سے مسکرا دیے تھے۔

''کمال ہو تم۔۔۔''

اس کی بات سن کر لالہ جھٹ سے وہاں سے مڑی تھی۔

''میری پہلی وش پوری کرنے کے لیے شکریہ مس لالہ۔۔۔'' اور قدم بڑھاتی لالہ کے قدم پتھر کے ہوئے تھے۔

''وہ اس کا نام جانتا تھا۔لیکن کیسے۔۔۔؟ جب کہ اس نے اس سے پہلے کبھی اسے دیکھا نہیں تھا۔نہ ہی وہ اسے جانتی تھی۔پھر وہ کون تھا۔۔۔؟'' مسکراتا وہ اس کے قریب سے گزرا تھا اور وہ کتنے ہی پل اس کی خوشبو کو اپنے اردگرد محسوس کرتی رہی تھی۔۔۔دھڑکتے دل کے ساتھ۔۔۔

☆......☆......☆

''لالہ رکو۔۔۔'' گر وہ اپنی ہی سوچوں میں مگن گم سم کلاس کی طرف جا رہیں تھی۔جب نمرہ کی آواز نے اسے رک جانے پر مجبور کیا نمرہ کلاس کی وہ واحد لڑکی تھی جو لالہ سے دوستی بڑھانے میں کامیاب ہوئی۔

لالہ کسی سے بھی زیادہ بات کرنے کی روادار نہ تھی لیکن نہ جانے نمرہ کی شخصیت کی معصومیت تھی یا اس کا خلوص کے وہ اس کے قریب آتی گئی۔

''یہ کزن ہے تمہارا۔۔۔؟'' نمرہ نے کلاس روم کی گلاس ونڈو سے ٹیک لگائے ضیا علی خان کی طرف اشارہ کیا جو دوستوں کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھا

لالہ نے اس سمت الجھی نگاہ ڈالی اور پھر سے پھیر لی۔

''میں اسے نہیں جانتی۔''لالہ نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے صاف انکار کیا۔نمرہ کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔

''کیا مطلب نہیں جانتی؟'' وہ حیران تھی۔

''نہیں جانتی ۔۔۔مطلب نہیں جانتی۔۔۔اس شکل کے کسی بھی شخص سے میری کوئی واقفیت نہیں ہے نمرہ۔۔۔''اس نے وضاحت دی۔

''پھر یہ تمہارا نام کیسے جانتا ہے لالہ''نمرہ اب بھی حیران تھی۔

''جبکہ آج اس کا یہاں پہلا دن ہے۔''اور نمرہ کی بات سن کر وہ مزید الجھ گئی تھی۔

''مجھے کیا پتا۔۔۔''وہ چڑ کر کہتی آگے بڑھ گئی۔

''مجھے تو دال میں کچھ کالا لگتا ہے۔''نمرہ اس ہم قدم ہوئی۔

''بیٹا یونیورسٹی مت جاؤ۔۔۔میں نہیں چاہتی لالہ۔۔۔میرے ماضی کا کالا سایہ یہ تمہارا حال یا مستقبل گہنا دے۔''سین کی آواز نے اس کی روح کے کواڑ بجا دیے تھے وہ سر جھٹک گئی۔

''دال کالی ہو یا پیلی، مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں نمرہ۔۔۔میری چاہ صرف میرے خواب ہیں۔''اس نے اندر ہی اندر خود کو مضبوط کیا اور آئندہ ضیا علی خان کو مکمل نظر انداز کرنے کا تہیہ کیا۔اس نے خود سے عہد کر رکھا تھا کہ وہ ماں کے دامن پر لگے چھینٹے نہ صرف اپنی محنت اور کردار سے مٹائے گی۔۔۔بلکہ خود کو بھی ثابت کرے گی۔

☆......☆......☆

گاؤں پر اترنے والی صبح بے حد چمکدار تھی سنہری کرنوں نے ہر چیز کو عجیب سنہری رنگ بخشا تھا۔ہر چیز جھلملا اٹھی تھی۔سردیوں میں ایسی دھوپ ان، انگ میں عجیب ہی سرشاری بھر دیتی ہے۔

ڈیرے کے وسیع احاطے میں دھوپ میں ہی چارپائی پر بیٹھے سہراب علی خان لوگوں کے مسائل بڑی توجہ سے سن رہے تھے۔جو نیچے زمین پر بچھی چوڑی چٹائی پر دائرے کی صورت بیٹھے تھے۔تبھی ڈیرے کی ننھی سی چار دیواری کے پار کچی سڑک پہ دھول اڑاتی پولیس کی گاڑی پر ان کی نظر پڑی۔گھنی مونچھوں تلے دبے ہونٹ دھیمے سے مسکرا دیے تھے۔

"خان، پولیس۔ایک آدمی تیزی سے اطلاع دینے لگا۔خان نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش رہنے کا حکم دیا تھا۔گاڑی ڈیرے کے چوبدار دروازے کے باہر ہی رک گئی۔ایس ایچ او، دو سپاہیوں کے ساتھ ان کی طرف آیا۔

''السلام علیکم خان جی۔۔۔''آگے کو نکلی ہوئی توند سے پھسلتے بیلٹ کو بار بار جھٹکے سے اونچا کرتا ایس ایچ او ادب سے مخاطب ہوا۔

''کیسے ہیں ایس ایچ او صاحب۔''سہراب خان نے سلام کا جواب دیتے ہوئے ان کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''خیریت تو تھی، آج اتنی صبح۔۔۔ہسہراب خان نے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے پوچھا۔

''وہ خان۔۔۔'' وہ ذرا آگے کی طرف جھکا۔

''خبر تو آپ تک پہنچ ہی گئی ہوگی۔۔۔'' سرگوشی کی۔

''کون سی خبر ایس ایچ او صاحب۔۔۔کھل کر بات کریں اپنا ڈیرا ہے۔'' وہ ویسے ہی پر اعتماد لہجے میں بولے تو۔۔۔وہ کھسیانا سا سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''خان۔۔۔شہباز خان کے کھیتوں میں رات آگ بھڑک اٹھی تھی۔'' اب کی بار اس کی آواز بھی دم دار تھی۔سہراب خان سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

''نقصان تو نہیں ہوا ناں۔۔۔؟'' وہ فکر مند تھے۔

''کافی نقصان ہو گیا ہے، کھڑی فصل تباہ ہو گئی ہے۔'' وہ بغور سہراب علی خان کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ہمیں ہمدردی ہے ان سے۔۔۔جاؤں گا شام تک افسوس کرنے۔۔۔اور جو بھی مدد ہو سکی کروں گا۔'' ان کے چہرے پر سادہ سا تاثر تھا۔

''خان لیکن میں آپ کو یہ بتاتے نہیں آیا۔'' وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بولا۔

''صاف بات کرو ایس ایچ او۔۔۔'' وہ اب چڑنے لگے تھے۔

''گاؤں کے کچھ لوگوں نے آپ کے آدمی شاہ سوار کو دیکھا تھا موقع پر۔۔۔ان کو آپ کے آدمیوں پر شک ہے خان۔۔۔'' پہلی بار سہراب خان کے ابرو تن گئے تھے لیکن چہرے پر سکون سا تھا۔

''میرے ہی اس قدر ذلیل کام کیوں کرنے لگے جب کہ ہمارے ان سے اچھے تعلقات ہیں رہی بات شاہ سوار کی تو وہ کسی کام سے گی شہرا ہوا ہے۔اس کے اس کام میں ملوث ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' ان کی آواز میں یقین تھا، ایس ایچ او اور الجھنے لگا تھا۔

''جو بھی ہے خان ہمیں تفتیش تو کرنی پڑے گی، شاہ سوار اور آپ کے دوسرے آدمیوں سے بات، پوچھ گچھ۔۔۔'' وہ جیسے اجازت لے رہا تھا۔

"لاکھ بسم اللہ۔۔۔ ہماری طرف سے آپ کو مکمل اجازت ہے۔'' سہراب خان نے جیسے مونچھوں کو تاؤ دیتے انہیں خدا حافظ کہا تھا۔وہ سر ہلاتا مڑ گیا۔سراب خان کی پیشانی پہ سلوٹیں نمودار ہوئی تھیں۔

☆......☆......☆

''مے آئی کم ان میم؟'' بھاری مردانہ آواز پر سبھی کی نظریں دروازے کی سمت اٹھی۔آنکھوں میں ایک دم سے ہی ستائش سی ابھری تھی۔بلیو جینز پہ بلیک شرٹ پہنے،آستینیں فولڈ کیے ضیا علی خان دروازے میں استادہ تھا۔

''ضیا بچے۔۔۔'' میڈم تبسم کے لب اسے دیکھ کر خود بخود مسکرا اٹھے تھے۔صبح جب ان کی گاڑی راستے میں خراب ہو گئی تھی۔تب اتفاقاً ان کی ملاقات ضیا سے ہوئی تھی اور اس کی گاڑی میں بیٹھ کر صرف بیس منٹ کی ڈرائیو میں وہ اس کی خوش مزاجی سے کافی امپریس ہو چکی تھیں۔

''آ جاؤ۔۔۔'' انہوں نے اجازت دی۔ایک ہاتھ میں ایک دو کتابیں تھامے وہ ایک شان سے چلتا اندر آیا تھا۔

''شہزادہ لگتا ہے قسمے۔۔۔'' نمرہ نے کتاب میں گم بیٹھی لالہ کو کہنی مار کر متوجہ کیا۔۔۔وہ چونک کر سامنے دیکھنے لگی ٹھیک اسی وقت ضیا کی نگاہ بھی اس کی طرف اٹھی تھی اور وہ رک گیا تھا۔

''یہ ہیں آپ کے نئے ساتھی ضیا علی خان۔۔۔'' میڈم تبسم تعارف دینے لگیں۔

''کچھ ذاتی وجوہات کی بنا پر انہوں نے ہمیں لیٹ جوائن کیا لیکن خیر دیر آید درست آید۔۔۔'' ان کے کہنے پر سبھی مسکرا دیے تھے۔ضیا البتہ ابھی تک اسے ہی دیکھے جا رہا تھا۔اس کی سرمئی سی لو دیتی آنکھوں میں نا جانے کیا سحر تھا۔وہ زیادہ دیر اس کی طرف دیکھ نہ پائی تھی نظریں جھکا گئی تھی۔

"have a seat Zia" میڈم نے اسے اجازت دی۔لالہ نے جھکی نگاہوں سے دیکھا تھا۔سیاہ بوٹوں میں مقید قدم دھیرے سے آگے بڑھے دانستہ یا نادانستہ جب وہ بالکل اس کے قریب سے گزرنے لگا تھا اس کا پین لالہ کے قدموں میں گر پڑا تھا وہ رک گیا تھا لالہ کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا وہ جھکا مہکتی خوشبو نے لالہ کو اپنے حصار میں لیا تھا۔اس نے جھٹکے سے پاؤں پیچھے کیے تھے۔ضیا نے چپ چاپ پین اٹھایا اور پھر آگے بڑھ گیا۔۔۔لالہ البتہ دیر تک دل کو نہ سنبھال پائی تھی۔

☆......☆......☆

''باری۔۔۔'' وہ آفس میں لیپ ٹاپ پر مصروف تھا۔جب خوشی سے چہکتی وہ اس کمرے میں داخل ہوئی۔باری متوجہ نہیں ہوا تھا۔وہ اپنے کام میں بری طرح محو تھا۔اس نے مسکراتے ہوئے انگلی سے ٹیبل بجائی وہ چونکا اور سیدھا ہو کے بیٹھ گیا۔

''کچھ لائی ہوں تمہارے لیے۔۔۔'' اس نے دو پیکٹ اٹھا کر ٹیبل پر رکھے۔

''میرے لیے'' وہ حیران ہوا۔

''ہاں'' وہ مسکراتے ہوئے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''جانتے ہو ناں۔۔۔ پاپا کچھ دنوں تک تمہاری پروموشن ڈکلیئر کرنے والے ہیں۔'' دونوں ہاتھوں کا پیالہ بنا کر ان پر ٹھوڑی ٹکاتے ہوئے وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئی بولی۔

''تو۔'' وہ ذرا سا پیچھے ہو کے ٹیک لگاتے ہوئے بولا۔

''تو سمپل اب ہر وقت تم اس سادہ سے لباس میں نظر نہیں آ وٴ گے۔''

''کیوں اس لباس میں کیا برائی ہے؟'' اس نے مزید حیران ہوتے ہوئے اپنی سفید کاٹن کی شرٹ کے کالر چھوتے ہوئے پوچھا۔وہ کھل کر مسکرادی۔

''منیجر بن جاوٴ گے اب تم۔۔۔مطلب سبھی کچھ اب تم ہینڈ کرو گے۔۔۔اور میں چاہتی ہوں تم دور سے پہچانے جاوٴ۔۔۔وہ دیکھو سکندر انٹر پرائزز والا باریال ولی خان جارہا ہے۔'' اس کی آنکھوں میں عجیب سی لو جھلکنے لگی تھی۔

اس دفعہ مسکرانے کی باری باریال کی تھی۔

''میڈم، انسان لباس سے نہیں، اپنی قابلیت سے پہچانا جاتا ہے۔اور مجھے یقین ہے کہ اپنی قابلیت سے میں ضرور ایک دن پہچانا جاوٴں گا۔'' اس کی آواز میں یقین تھا۔

''کچھ بھی ہو باری۔۔۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کل سے تم انہی کپڑوں میں آفس آوٴ گے کوئی بہانہ نہیں۔'' وہ بائیں ہاتھ کی انگلی ہونٹوں پہ سجائے گم سا بیٹھا رہا، وہ جاتے جاتے مڑی۔

''میری بات مانو گے۔۔۔'' ہمیشہ کی طرح حکم دے کر وہ ایک مرتبہ پھر ملتجی انداز میں اس سے پوچھ رہی تھی جیسے اسے یقین نہ تھا باریال اس کی بات مانے گا۔باریال کھلکھلا دیا تھا۔

''شیور میم۔۔۔'' اس کے مودب انداز پر وہ سکون سی ہو کر ہاتھ ہلاتی باہر چلی گئی۔اور وہ پریشان سا اس کے دیے گفٹس چیک کرنے لگا۔

☆......☆......☆

''امی۔۔۔'' آفس کے لیے نکلتے وقت اسے کچھ خیال آیا تو واپس کچن کی کھڑکی میں آ کر پکارا۔۔۔برتن دھوتی زرینہ کے ہاتھ ایک دم رکے تھے۔

''نانو کی طبیعت خراب تھی، میں جلدی آ جاوٴں گا؟ آپ تیار رہے گا پھر چلیں گے۔'' حمزہ کی بات پر ان کا منہ بن گیا تھا۔دوپٹے سے ہاتھ پونچھتی وہ باہر آئیں۔

''تمہیں بڑی خبر ہوتی ہے نانو کے گھر والوں کی۔'' انہوں نے گھر والوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔شک بھری نگاہ حمزہ کو گھور رہی تھی۔

''شاہ ویز کا فون آیا تھا رات کو۔۔۔اسی نے بتایا۔'' بامشکل خود پر ضبط کرتے ہوئے اس نے نرمی سے جواب دیا تھا۔

"اور ہاں امی پلیز ادھر کوئی ایسی بات مت کیجیئے گا جس سے نانو خفا ہو جائیں۔'' اس نے ہمیشہ کی طرح ماں کو ہدایت دی۔وہ تو

بھڑک ہی اٹھیں۔

''نانو خفا ہو جائیں یا تمہاری رانی۔۔۔''تلخی سے کہا گیا۔

''امی پلیز۔۔۔!''وہ انہیں روکتا بائیک کی طرف بڑھ گیا۔

''اولاد ہو تم میری، ہر ایک رنگ سے واقف ہوں تمہارے۔۔۔''وہ تیزی سے کہتی اس کے پیچھے آئیں۔

''اور کسی غلط فہمی میں مت رہنا کہ وہ لالہ بی بی تم پر تھوکے گی بھی۔''حمزہ کے بڑھتے قدم ایک دم رکے تھے۔

''ارے کوئی اوباش امیر زادہ نہ پھنسالیا ناں تو میرا نام بدل دینا۔''وہ ایک ایک لفظ چباتے ہوئے بولیں۔

حمزہ بائیک کھڑی کر کے ان کے قریب آ کھڑا ہوا۔

''کسی کی بیٹی کے بارے میں بات کرتے ہوئے آپ کو ذرا بھی خوف نہیں آتا کہ آپ کی بھی ایک بیٹی ہے۔''وہ ان کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

''یہی تو فرق ہے۔''انہوں نے لب کاٹتے ہوئے کہا۔

''وہ میری بیٹی ہے سبین کی طرح کسی آوارہ عورت کی نہیں۔۔۔''حمزہ کے لیے وہاں مزید رکنا دشوار تھا مٹھیاں بھینچتا صحن میں پڑی پلاسٹک کی بالٹی کو زوردار لات رسید کرتا وہ بائیک کے پاس آیا تھا۔

"میرا انتظار مت کیجئے گا، میں کھانا باہر ہی کھا لوں گا۔ مجھے دیر ہو جائے گی۔''وہ بائیک لیے غصے سے کہتا باہر کی طرف بڑھا۔

''ہاں، ہاں ان منحوسوں کے بارے میں کچھ کہو تو غصہ تو تمہیں آئے گا ناں۔۔۔کالا جادو جو کیا ہے ان کلموہی نے۔''وہ اس کے پیچھے آتے ہوئے بولیں۔ وہ بنا پلٹے تیزی سے گھر سے نکل گیا تھا۔

''رات کا کھانا بھی باہر ہی کھا کے آنا۔۔۔''دروازے کی اوٹ سے انہوں نے تلخ لہجے میں کہا تھا۔

''بلکہ ان چہیتوں کے گھر ہی کھانا۔''ایک اور طنز میں بجھا تیر۔۔۔اس نے غصے سے مکا بائیک کو جڑ دیا تھا۔

☆......☆......☆

کلاس ختم ہوتے ہی وہ نمرہ کے ساتھ کینٹین جانے کے بجائے ڈیپارٹمنٹ کے پچھلے لان کی طرف آ گئی۔ ایگزامز سر پر تھے اور وہ جلد از جلد اپنے نوٹس مکمل کر لینا چاہتی تھی۔ اس طرف بہت کم لوگ آتے تھے سو فارغ وقت میں وہ کافی سارا کام نمٹا سکتی تھی۔ سنبل کے پیڑ کے نیچے سب سے بے خبر وہ کتابوں میں غرق تھی اور نمرہ ائرفون لگائے کانوں پر سر دھنتی چیونگم چباتی اردگرد کا جائزہ لینے میں مصروف تھی۔ وہ اس طرف پہلی بار آئی تھی اور وہ دل ہی دل میں اس بات پر افسوس کر رہی تھی۔ زیادہ لوگ نہ ہونے کی وجہ سے اس طرف نہ صرف سکون تھا بلکہ سبزہ بھی کافی تروتازہ تھا۔ یہاں اگلے لان کی نسبت پھولدار درختوں کی تعداد بھی کافی زیادہ تھی۔ اور سب پورے خزاں کی آمد پر بے

حسین منظر پیش کر رہے تھے۔

''لالہ۔۔۔'' اسے اچانک ہی خیال آیا۔میوزک آف کرتے ہوئے اس نے کتاب میں گم لالہ کو مخاطب کیا جو ساتھ ساتھ تیزی سے صاف اوراق کو رنگین بھی کیئے جا رہی تھی۔

''ہم۔۔۔''اس نے ویسے مصروف انداز میں جواب دیا۔بنا اس کی طرف دیکھے۔

'تم نے ایک بات نوٹ کی۔" ائیر فون گھاس پر اچھالتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''نہیں۔'' ویسے ہی مصروف انداز میں صاف جواب آیا۔

''لیکن میں نے نوٹ کی ہے ناں۔۔۔'' وہ چڑ کر کہتے ہوئے اس کا شانہ ہلا گئی۔

''کیا ہے نمرہ۔۔۔؟'' لالہ ناراض ہوئی۔

'' لکھنے دو جلدی ورنہ اہم پوائنٹس دماغ سے مس ہو جائیں گے۔۔۔''اس کا ہاتھ اسی قدر تیزی سے چلتا رہا۔

''لالہ۔۔۔''اس نے پین لالہ کے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔وہ بے بس نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔نمرہ کے چہرے پر ناراضگی تھی لالہ مسکرائی۔

''اچھا بتاؤ'' وہ کتابیں سائیڈ پر رکھتے ہوئے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

" کیا نوٹ کر لیا تم نے۔۔۔'' بند مٹھی پر ٹھوڑی جمائے وہ اسے پوچھنے لگی۔

''مجھے لگتا ہے ضیا علی خان تمہیں پسند کرنے لگا ہے۔''اس نے اپنا قیاس بتایا اور لالہ کا تو منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''تمہیں بھی لگتا ہے ناں؟'' کمال اعتماد سے پوچھا گیا۔

''اس بے ہودہ بات کے لیے تم نے میرے کتنے اہم پوائنٹس مس کر دیئے۔'' لالہ اس کی بات کو بالکل نظر انداز کرتے ہوئے تاسف سے بولی۔

''یہ بے ہودہ بات نہیں ہے۔'' وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولی۔

''نمرہ۔۔۔'' شہادت کی انگلی دکھاتی لالہ تلملائی۔

''میں نے اکثر دیکھا ہے لالہ۔تم جہاں ہوتی ہو وہ وہیں پہنچ جاتا ہے۔کلاس کے دوران بھی میں نے دیکھا ہے اکثر وہ تمہیں دیکھتا رہتا ہے۔''

''اس کا مطلب تم اس کی طرف دیکھتی رہتی ہو۔'' لالہ نے دائیں آنکھ دباتے ہوئے اسے چڑایا تھا۔واقعی یا صرف بات بدلنے کی کوشش کی تھی۔نمرہ بھی نہ سمجھ سکی تھی۔

''شاید۔۔۔مگر میں نے ہمیشہ نہ جانے کیوں؟ اسے تمہیں ہی کھوجتا ہوا محسوس کیا ہے۔'' نمرہ نے اس کی بات آرام سے ہوا میں اڑا دی تھی۔اس بار لالہ خاموش رہی تھی کیوں کہ واقعی یہ سچ تھا۔وہ بالکل میں جانتی تھی کہ ضیا علی خان کون تھا۔۔۔لیکن وہ اتنا سمجھ سکتی تھی کہ وہ واقعی اس کی طرف متوجہ رہتا تھا۔

دانستہ یا نادانستہ کوئی نہ کوئی ایسی حرکت ضرور کر جاتا کہ خود لالہ کو اپنا کردار مشکوک لگنے لگتا۔وہ ہمیشہ اس سے کتراتی تھی۔پہلو بچا کے نکل جاتی۔۔۔اسے یقین تھا اس طرح سوائے اسے ضیا کی اس پیش رفت کا اندازہ اور کسی کو نہیں ہوگا۔لیکن آج نمرہ کے منہ سے سن کر اسے حقیقی معنوں میں پریشانی ہوئی تھی۔اس کا مطلب تھا یہ صرف اس کا اپنا وہم نہیں تھا۔ضیا کو باقی لوگ بھی نوٹ کرنے لگے تھے۔

"ویسے کہوں تو مجھے کافی اچھا لگتا ہے۔تم دونوں کی جوڑی لگے گی شاندار۔۔۔''نمرہ کے شرارتی قہقہے پر وہ چونکی تھی۔

''شٹ اپ نمرہ۔۔۔''غصے سے کہتی وہ کتابیں اٹھانے لگی۔

''اس میں شٹ اپ والی کیا بات ہے؟'' وہ منہ بنا گئی۔

''اگر آئندہ تم نے ایسی کوئی بھی بات کی جس میں، میں اور ضیا ایک ساتھ شامل ہوں تو ہماری دوستی ختم سمجھنا نمرہ۔۔۔'' وہ بیگ اٹھاتی کھڑی ہوئی۔

''پاگل ہو تم۔۔۔''حیران سی نمرہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اتنی چھوٹی سی بات پہ دوستی ختم کرو گی۔۔۔؟''اس کے لہجے میں خفگی تھی۔

''چھوٹی سی بات تمہارے لیے ہے۔۔۔۔میں نہیں چاہتی میرے حوالے سے اس طرح کی باتیں پوری یونیورسٹی کی زبان پر آ جائیں۔ایک پل لگتا ہے ایسی باتوں کو پھیلنے میں نمرہ۔۔۔اور میرے خواب بہت اونچے ہیں اور ان خوابوں کے راستے میں کوئی ضیا علی خان نہیں آئے گا، نہ میں آنے دوں گی۔۔۔'' سخت لہجے میں کہتی وہ آگے بڑھ گئی۔

''اچھا سوری۔۔۔''نمرہ نے فوراً معذرت کی تھی۔اور اگلے ہی پل خود سے آگے جاتی لالہ اچانک رکی تھی۔تبھی وہ اس سے ٹکرا گئی تھی اس نے حیرت سے سر اٹھایا تھا اور اگلے ہی پل لالہ کی طرح اس کے قدم بھی ساکت ہوئے تھے۔بلیک کلر کی شلوار میں ملبوس وہ بلاشبہ ضیا علی خان ہی تھا۔وہ بلاشبہ ساحر شخصیت کا مالک تھا۔اس کی آنکھوں میں جس قدر غرور تھا۔عنابی لبوں پر اسی قدر دوستانہ مسکراہٹ رقص کرتی رہتی تھی۔تنے کالر کی بلیک قمیض شلوار میں ملبوس، آستین فولڈ کیے، سنہری رووٗں والی کلائی پہ ڈارک براؤن کلر کے دھاگے میں محفوظ تعویذ باندھے بڑی شان سے اس نے وہی بایاں ہاتھ اسے دیکھ کر ہلایا تھا جیسے وہ اس کا پرانا شناسا تھا۔

"میں نے کہا تھا ناں۔۔۔''نمرہ نے لالہ کے مزید قریب ہوتے ہوئے اس کے کان میں سرگوشی کی۔لالہ تیز قدموں سے آگے بڑھی۔وہ سیڑھیوں کے قریب آئی۔

''لالہ۔۔۔'' بالکل اچانک سامنے آ کر پکارا گیا تھا۔لالہ نے نظریں اٹھائیں۔ وہ اب بھی مسکرا رہا تھا۔اسی وقت شاہد اور ابراہیم بھی وہاں آ گئے تھے۔

''اس بدتمیزی کا مطلب''لالہ نے غصے سے پوچھا۔

''میرے ساتھ مل کر ایک کپ کافی پیو گی۔''اتنی دلیرانہ آفر پر لالہ کا چہرہ جہاں لال ہو گیا نمرہ کا نہ جانے کیوں پورا منہ کھل گیا تھا۔

''جہنم میں جاؤ تم۔۔۔''وہ سائیڈ سے نکلتے ہوئے بھڑکتے ہوئے لہجے میں بولی۔

''تمہیں وہاں کافی پینی ہے تو جہنم ہی سہی۔۔۔ضرور چلوں گا''اس کے ویسے ہی سادہ لہجے پہ شاہد اور ابراہیم کو ہنسی آ گئی نمرہ نے بمشکل اپنے قہقہے کا گلا دبا دیا تھا۔لالہ نے البتہ اس دفعہ مڑ کر بھی نہ دیکھا تھا۔

''پاگل ہے ناں۔''لالہ کے ہم قدم ہوتے ہوئے اس نے جیسے تائید چاہی تھی۔

''بالکل بھی نہیں۔۔۔''لالہ کے جواب پر اسے حیرت ہوئی۔

''بگڑے ہوئے ماں باپ کی بگڑی ہوئی اولاد ہے۔''لالہ کے اگلے الفاظ پر اس نے تائید میں سر ضرور ہلا دیا تھا۔

☆......☆......☆

شاہ سواران کا سب سے قابل آدمی تھا۔۔۔اس نے سہراب علی خان کے لیے بڑے، بڑے کام کیے تھے لیکن کبھی کسی کی نگاہوں میں نہیں آیا تھا۔لیکن اس بار بازی بالکل الٹ گئی تھی۔گاؤں کے کئی لوگوں نے اسے وہاں دیکھا تھا جہاں آگ لگی تھی۔اپنے قبیلے کے لوگوں کو سنبھالنا زیادہ مشکل نہ تھا۔لیکن مخالف قبیلے کا نقصان ہوا۔اوران کے لوگوں کو خریدنا ان کے بس میں نہیں تھا۔تبھی انہوں نے فی الفور شاہ سوار کو شہر کے قریب ایک قدرے سنسان علاقے میں رہنے کی ہدایت کی تھی۔اور ٹھیک دو دن بعد آج وہ خود بھی اس کچے پرانے کھنڈر نما مکان میں موجود تھے۔شاہ سوار سر جھکائے شرمندہ سا کھڑا تھا۔

''اس واقعے سے میں کیا سمجھوں شاہ سوار۔۔۔؟''مونچھوں کو تاؤ دیتے انہوں نے دائیں ہاتھ پکڑی چھڑی گھمائی۔

''یہی کہ تم ناکارہ ہو گئے ہو؟''ان کا لہجہ تلخ ہوا۔

''نہ خان۔۔۔''وہ ان کے قدموں پر گر پڑا۔

''ساری عمر آپ کی خدمت کی آئندہ بھی کرتا رہوں گا۔آپ حکم کریں خان آپ کو میری ضرورت نہیں رہی میں اپنے ہاتھوں سے اپنی جان لے لوں گا۔''بھاری قد و قامت والا مرد بچوں کی طرح ہاتھ باندھے رو رہا تھا۔وہ ان کا وفادار آدمی تھا۔انہیں کوئی شک نہیں تھا۔وہ اگر اسے کہہ دیتے تو واقعی اپنی جان بھی لے لیتا۔

''تمہارا گناہ اتنا بھی بڑا نہیں کہ اس کی سزا میں، میں اپنا اتنا قیمتی آدمی کھو دوں۔لیکن تم جانتے ہو الیکشن قریب ہیں ذرا سی بات

سے کس قدر نقصان پہنچ سکتا ہے۔''

''اپنی غلطی مانتا ہوں خان ۔۔۔شرمندہ ہوں میں ۔۔۔'' وہ ہاتھ باندھے جھکا رہا۔

''یہ تو شکر ہے ایس ایچ او بکا ؤ نکلا ۔۔۔ورنہ اس بار واقعی مجھے تمہیں کھونا پڑتا۔'' ان کی آواز میں تاسف سا ابھرا سرد سی لہر شاہ سوار کی ریڑھ کی ہڈی سنسنا گئی۔۔سہراب علی خان اٹھ کھڑے ہوئے۔

''آئندہ خیال رکھوں گا خان ۔۔۔'' وہ مزید جھکا۔

''خیال ہی رکھو تو اچھا ہے شاہ سوار۔۔۔آئندہ ایسی غلطی ہو تو میرے سامنے آنے کی غلطی نہ کرنا۔'' انہوں نے تیز لہجے میں کہا۔

''حکم خان ۔۔۔'' وہ ہاتھ باندھے بولا۔سہراب علی خان باہر کی طرف مڑے تھے۔شاہ سوار کی اٹکی سانسیں پھر سے جیسے بحال ہوئی تھیں۔

 

ناول ''محبت لفظ ہے لیکن'' ابھی جاری ہے۔اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی 10 تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

قسط نمبر 3

''ماں باپ کے سامنے بہت سوچ سمجھ کر بولا کرو کیوں کہ کبھی کبھی ان کے سامنے بولا گیا کوئی بھی برا یا اچھا کلام ہماری پوری قسمت پہ حاوی ہو جاتا ہے۔''

اس نے دھیرے سے کھڑکی کا پردہ ذرا سا اٹھا کر نیچے باہر گلی میں جھانکا۔اس کی توقع کے عین مطابق دوراں خان جیپ سے ٹیک لگائے موبائل فون پر مصروف تھا۔۔۔کچھ دیر بات کرنے کے بعد اس نے ڈرائیور کو اشارہ کرتے ہوئے خود بھی سیٹ سنبھالی اور جیپ روانہ ہو گئی۔

''یہ کون لوگ ہیں خان۔۔۔جو روز آپ کا پیچھا کرتے ہیں؟'' زمزمہ نے لیمن جوس کا گلاس اسے تھماتے ہوئے پوچھا۔

''میرے بابا کے آدمی۔۔۔'' وہ گلاس تھام کر کونے میں پڑے سنگل صوفے پر جا کر بیٹھ گیا۔

''مطلب آپ کے باپ۔۔۔'' وہ حیران تھی۔

اس نے جوس کا سپ لیتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

''لیکن اس طرح آپ کے پیچھے۔۔۔کیوں؟'' وہ خاموشی سے جوس پیتا رہا۔

''کیا ان کو آپ پر اعتبار نہیں؟'' وہ مزید بولی۔

''نہیں۔۔۔ایسی بات نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔زمزمہ اس کے سامنے ہی بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''بابس تسلی کرتے ہیں کہ واقعی میں ویسا بن رہا ہوں کہ نہیں جیسا وہ چاہتے ہیں۔'' اس نے گلاس میز پر رکھ دیا۔

''کیا مطلب۔۔۔؟ آپ کے بابا چاہتے ہیں کہ آپ ایسے بنیں؟'' اس کی کالی آنکھوں میں حیرت جاگی۔۔۔دونوں ہاتھوں سے اس جگہ کا اشارہ دیتے ہوئے بولی۔

''ہاں۔۔۔بالکل۔۔۔'' اس کی حیرانی پہ وہ مسکرایا تھا۔

''اتنے خوبصورت اور قابل بیٹے کو بھلا کون باپ بگاڑنا چاہے گا۔'' وہ تاسف سے سر ہلا گئی۔

''جب اپنوں سے دکھ ملتے ہیں ناں۔۔۔تو آدمی کچھ بھی کرنا چاہتا ہے۔۔۔کر سکتا ہے۔'' وہ دونوں ہاتھ گھٹنے پر رکھے ذرا سا جھکا۔

''پھر بھی۔۔۔ایسی بھی کیا وجہ کہ انسان اپنی اولاد کو خود ہی برباد کر دے۔'' وہ قطعی طور پر نفی کرتے ہوئے بولی۔

''میں برباد ہوا ہوں؟'' اس نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں۔۔۔'' وہ فوراً نفی میں سر ہلا گئی۔

''لیکن ٹھوکر لگتے دیر نہیں لگتی خان۔۔۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی سیاہ آبشار سا اس کی کمر پر بکھر گیا تھا۔

''اب میں اپنے ساتھ آپ کے لیے بھی دعا کیا کروں گی کہ میرا رب آپ کو کسی بھی طرح کی ٹھوکر سے بچائے رکھے۔'' اس نے گویا دعا دی۔

''تم دعا پہ یقین رکھتی ہو؟'' وہ اشتیاق سے پوچھنے لگا۔

''بہت زیادہ۔۔۔'' وہ مڑی۔

''حیرت ہے۔۔۔'' ہاتھ سر کے پیچھے رکھتے ہوئے اس نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائی۔

''حیرت تو مجھے ہے۔''

'''وہ کس بات کی۔'' اس بار حیران ہونے کی باری ضیا کی تھی۔

''یہی کہ کوئی کسی سے اتنی محبت بھی کر سکتا ہے کہ صرف اس کے وجود کی ننھی سی تشبیہ کے لیے بھی اتنا پیسہ، اتنا وقت ضائع کرتا ہے۔'' اس کا اشارہ اپنے لبوں پر موجود تل کی طرف تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا۔

''تمہیں مزید بھی حیرت ہوگی جب تم یہ جانو گی کہ مجھے اس وجود سے کس قدر نفرت ہے۔'' دائیں ہاتھ کی مٹھی بھینچتے ہوئے وہ ضبط سے ہونٹ کاٹنے لگا تھا۔

''کتنے حساب ہیں میرے اس جان پر اسے تو شاید خبر ہی نہیں۔'' اس کی خوبصورت آنکھوں میں ایک دم ہی انتقام کی آگ شعلے دینے لگی تھی۔

"میری بے اختیاری میری توجہ، میرا التفات یہ سب تو صرف دانے ہیں جو اسے پھنسانے کے لیے میں استعمال کرتا ہوں۔ ورنہ جو زخم انہوں نے میرے خاندان کو دیے ہیں۔۔۔ وہ تو میری نفرت کے بھی لائق نہیں اور محبت۔۔۔''

''مجھے بھی حیرت ہے خان۔۔۔ وہ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس کے قدموں میں آ کے بیٹھ گئی۔ اس کی بات پر ضیا کی نظریں اس عنابی دہانے پر جم سی گئیں۔

''کیونکہ محبت کھیل نہیں ہے، بازی ہے۔ کھیل میں دوبارہ چانس مل جاتا ہے۔ بازی الٹ جائے تو کبھی نہیں پلٹتی۔ سوچ سمجھ کر کھیلنا اس میں تو بندہ جیت کے بھی ہار جاتا ہے اور آپ کو خود ہارنے کی تیاریوں میں لگے ہو۔

''مطلب۔'' اس کی بات پر وہ الجھ گیا۔

''مطلب بے حد صاف ہے خان۔۔۔'' وہ مسکرائی۔ اور پھر دھیرے سے گنگنانے لگی تھی۔

''یہ لفظوں کی شرارت ہے۔۔۔

سمجھ کر کچھ بھی لکھنا تم۔۔۔

محبت لفظ ہے لیکن۔۔۔

یہ اکثر ہو بھی جاتی ہے۔۔۔''

اور ضیا علی خان نے دیکھا تھا ہر منتظر سمٹ گیا تھا۔۔۔لالہ مسکراتے ہوئے گنگنا رہی تھی بس۔۔۔۔۔۔

☆......☆......☆

''لالہ چائے بنا دوں۔۔۔''

سرِ شام ہی وہ کتابیں لے کر بیٹھی تھی۔ لیکن ضیا علی خان ان کے حواسوں پر چھایا رہا تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھا اس کا آتے ہی پہلے دن سے تی الالم کی طرف مائل ہونا اسے بری طرح کھٹک رہا تھا۔

''دل لاکھ اس کی ساحر شخصیت کے حق میں دلائل دیتا، اس کی خوبیاں گنواتا، اس کی بے قراری، بے اختیاری پر مچل مچل دھڑکتا۔۔۔لیکن حقیقت تھی کہ لالہ مرتضیٰ ان لڑکیوں میں سے نہیں تھی۔۔۔جو دل کی صدا پر لبیک کہہ کر فیصلہ لے لیتی ہیں۔۔۔وہ ہمیشہ دماغ سے سوچتی تھی۔ دماغ کی مانتی تھی۔۔۔اور دماغ ضیا علی خان کو دیکھ کر ہی نہ جانے کیوں کچھ ایسے سگنلز دے دیتا تھا کہ لالہ جیسی پر اعتماد لڑکی گھبرا جاتی۔۔۔خوف سا بھر جاتا تھا اس کے دل میں جاتا تھا اس کے دل میں۔۔۔۔۔۔وہ لڑکا کون تھا۔۔۔کیوں اس کے پیچھے پڑ گیا تھا۔ وہ سوچ سوچ کر پریشان رہنے لگی تھی۔ گھر میں بھی کسی سے ذکر کرنا اسے مناسب نہیں لگا تھا کچھ۔۔۔لیکن اب وہ خود تھکنے لگی تھی۔

آج بھی شام سے رات ہو گئی تھی۔ لیکن وہ صرف ضیا کے متعلق ہی سوچتی رہی تھی۔ کھلی کتابیں میز پر اس کی منتظر ہی پڑی رہیں۔ نہ جانے کون سا پہر تھا جب سبین اس کے کمرے کی لائٹ جلتی دیکھ کر اندر چلی آئیں۔ اسے کتابوں میں گم دیکھ کر انہوں نے چائے کا پوچھا تو وہ بری طرح چونک گئی۔ پین بھی ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے جا گرا۔

''کیا ہوا لالہ۔۔۔'' سبین اسے یوں گھبراتا دیکھ کر دہل گئیں۔

''کچھ نہیں امی۔۔۔'' اس نے فوراً خود کو سنبھالا تھا۔

''کچھ تو ہے لالہ۔ تم مجھے کچھ پریشان لگ رہی ہو'' وہ اس کا سر سہلانے لگی۔ نہ جانے کیوں لالہ کی آنکھیں جلنے لگیں۔ اندر کوئی لاوا سا تھا جو پھر تپش سی دینے لگا تھا۔ وہ آج تک اپنی ماں کو نہیں سمجھ سکی تھی۔ نہ جانے کیوں ہو کبھی کبھی اس طرح کی جعلی محبت نچھاور کرتی تھیں اس پر۔۔۔جب کہ وہ جانتی تھی کہ انہوں نے ہمیشہ اس سے زیادہ شاہ ویز کو اپنا مانا تھا۔ اس کے قریب رہی تھیں۔۔۔اور سب سے بڑھ کر اس کی زندگی کو یہ تلخ حوالہ انہوں نے ہی تو دیا تھا۔ اس نے نامحسوس طریقے سے ان کا ہاتھ اپنے سر سے ہٹا دیا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں، آپ جائیں سو جائیں مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔'' وہ بد دلی سے کہتی بیڈ پر آ گئی تھی۔ سبین اس کا ایک دم سے پھر بدلتا روپ دیکھ کر ساکت رہ گئی تھیں۔

''امی لائٹ بھی آف کرتی جائیے گا''، کمبل میں چہرہ چھپاتے ہوئے اس نے آواز دی تھی۔ انہونی نے خاموشی سے لائٹ آف کی اور دروازہ بند کر کے چلی گئیں۔

''اگر آپ نے یہ ایک غلط قدم نہ اٹھایا ہوتا۔ نانا جان کی عزت رکھ لی ہوتی تو آج یوں قدم قدم پر مجھے خوف نہ گھیرتا۔۔۔ میں بھی دوسری لڑکیوں کی طرح ایک پر اعتماد زندگی جیتی۔۔۔ قدم قدم پہ ٹھوکر کا ڈر میرے دل سے یوں نہ چمٹ جاتا جیسے کوئی آسیب کسی پرانے برگد کے پیڑ سے آپ نے سب کچھ پا کے میرا سب کچھ کھو دیا۔۔۔ عزت، اعتماد اور اس دنیا کو فیس کرنے کا حوصلہ۔۔۔ کاش، کاش میں بھی دوسری لڑکیوں کی طرح آج اس خوف، اس بے عزتی کے احساس سے آزاد ہوتی۔۔۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی سبین زیدی۔۔۔''

باقی ساری رات وہ یونہی روتی تکیہ بھگوتی رہی تھی۔

☆......☆......☆

کلاس ختم ہوتے ہی سب لڑکے لڑکیاں باہر چلے گئے تھے۔ نمرہ بھی کتابیں اٹھا کر نکلے گی لیکن پھر اسے ایک طرح بیٹھا دیکھ کر واپس پلٹی۔

''کیا ہوا"

''میں یہیں رہوں گی کچھ دیر۔۔۔''

''تم ضیا علی خان سے چھپ رہی ہو لالہ؟ نمرہ نے اسے گھورا۔

''مجھے نہیں پتا۔۔۔'' وہ بے بسی سے لب کاٹنے لگی۔

''حیرت ہے اس طرح تو اس سے اور شے ملے گی" نمرہ کو حقیقتاً اس کی کمزوری پر غصہ آ رہا تھا۔

''جب تمہارے دل میں کوئی بات نہیں ہے تو تم کیوں چھپو۔'' وہ اس کے قریب بیٹھ گئی۔

''میں نے ہمیشہ ماں کے حوالے سے بہت طعنے سنے ہیں نمرہ۔۔۔ جانتی ہو؟'' وہ نمرہ کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔ اس کی کالی سیاہ آنکھیں ڈبڈبانے لگیں۔

''میری ماں نے گھر سے بھاگ کر شادی کی۔ میرے نانا میرے ماموں بہت بڑے رئیس تھے۔ پھر بھی امی نے میرے ابو کی محبت کی خاطر سب کی محبت داؤ پر لگا دی۔'' اس کے گال بھیگنے لگے اور نمرہ۔۔۔ وہ تو بت سی بن گئی تھی۔

"یہ بھی نہ سوچا کہ عورت کی زندگی میں ایک شخص کی محبت کے علاوہ کتنے لوگوں کی عزت بھی تو اہم ہوتی ہے ناں۔۔۔'' اس کے

یاقوتی لب کپکپانے لگے تھے۔

بند کھڑکی کے شیشے کے اس پار کھڑے وجود نے کچھ نہیں سنا تھا لیکن نہ جانے کیوں اس گلابی دبانے کی لرزش اسے ساکت کر گئی تھی۔اس نے یونہی باہر کی تلاش سے مایوس ہو کر کھڑکی کے شیشے سے ناک لگا کے اندر دیکھنے کی کوشش کی تھی کہ شاید وہ ابھی اندر ہو اور وہ وہاں موجود بھی تھی مگر یوں تر چہرہ اور لرزتے ہونٹ۔۔۔

''لالہ۔۔۔''نمرہ اسے تسلی کے دو لفظ بھی نہ بول سکی۔

''اور ان کو تو پروا بھی نہیں نمرہ۔۔۔کسی کے زہر میں بجھے تیر ان کی بیٹی کو کتنی اذیت دیتے ہیں۔۔۔وہ ماں ہو کر بھی نہیں سمجھتیں، میں ان سے نفرت کرتی ہوں نمرہ۔۔۔بے حد نفرت۔۔۔'' وہ رونے لگی تھی۔نمرہ نے بہت آہستگی سے اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو صاف کیے تھے۔اور بت بنے ضیا علی خان نے نہ جانے کیوں ایک پل کے ہزارویں حصے میں اسے آئندہ کبھی یوں روتے ہوئے نہ دیکھنے کی دعا کی تھی۔

☆......☆......☆

سہراب علی خان حویلی کے وسیع وعریض لان میں بیٹھے زمینوں کے حساب کتاب چیک کر رہے تھے۔جب حویلی کے ن خاص ملازم نے گاؤں کے دو تین معززین کے آنے کی اطلاع دی تھی۔انہوں نے اسے اجازت دے کر رجسٹر بند کر دیے اور انتظار کرنے لگے۔ نظریں البتہ حویلی کے بڑے سے آہنی گیٹ پر جمی رہیں۔کچھ دیر بعد ہی انہوں نے دو تین ادھیڑ عمر آدمیوں کو اندر آتے دیکھا تھا۔وہ مونچھوں کو تاؤ دینے لگے پیشانی پہ فوراً سلوٹیں نمودار ہو گئیں۔

''سلام خان جی۔۔۔''انہوں نے آتے ہی مودبانہ انداز میں کہا۔۔۔سہراب علی خان مسکرا دیے۔

''وعلیکم السلام۔۔۔وعلیکم السلام۔''انہوں نے بھی گرم جوشی سے جواب دیتے ہوئے ان کو بیٹھنے کے لیے کہا۔

''کیسے ہیں آپ سب؟ اور ماسٹر ہدایت آپ سنائیں۔''سب کو مخاطب کرتے ہوئے انہوں نے آخری جملہ ماسٹر ہدایت کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اللہ کا کرم ہے خان۔۔۔آپ جیسے مہربان ہیں ہمارے ساتھ۔۔۔سب اچھا ہی ہوگا۔'' وہ شکر گزار ہوئے۔

"ہم تو ہمیشہ ہی آپ سب کے ساتھ رہے ہیں۔مگر لگتا ہے اب آپ لوگوں کو ہمارا آپ کا خیال رکھنا اچھا نہیں لگ رہا۔'' دونوں ہاتھوں کی انگلیاں پھنساتے وہ ذرا آگے کو جھکے تھے۔

''نہیں نہیں، سردار۔۔۔''وہ تینوں فوراً ہاتھ جوڑنے لگے۔

''جس طرح آپ نے اس گاؤں کی خدمت کی ہے۔بھلا اور کون کر سکتا تھا۔'' ماسٹر ہدایت نے ماتھے پر نمودار ہوتے پسینے کے

قطرے صاف کیے۔

"اچھا۔۔۔" وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ تیز نظریں اب بھی ماسٹر ہدایت کو ہی دیکھ رہی تھیں۔

"سنا ہے، آج کل کسی اہم مشن پر ہے ماسٹر ہدایت" مونچھوں کو ایک بار پھر سختی سے مروڑتے ہوئے پوچھا گیا تھا۔ دونوں دیگر افراد ماسٹر ہدایت کو دیکھنے لگے تھے جن کے چہرے پر طاری ہوتی گھبراہٹ بہت واضح تھی۔

"وہ۔۔۔ خان۔۔۔ در۔۔۔ اصل۔۔۔" وہ بول نہ سکا۔

"خان۔۔۔ آپ تو جانتے ہیں کہ گاؤں کے بچوں کی تعلیم و تربیت میں ماسٹر ہدایت کا کتنا ہاتھ ہے۔ کتنے عرصے سے یہ ضلعی انتظامیہ سے رابطے میں تھے کہ کسی طرح گاؤں کی بچیوں کو ریگولر نہیں تو کم از کم پرائیویٹ طور پر بڑی کلاسز کے امتحانات میں بیٹھنے کی اجازت اور انتظام کیا جائے۔ آپ تو جانتے ہیں ناں خان گاؤں سے شہر جا کر پرچے دینا پھر رہائش اور سفری اخراجات۔۔۔" ماسٹر ہدایت کے بجائے ماسٹر علم دین تفصیل بتاتے ہوئے بولے۔

"بس اسی لیے ماسٹر ہدایت نے شہر جا کر یونیورسٹی کی انتظامیہ سے بھی ملاقات کی۔ انہوں نے یہ راستہ دکھایا کہ اگر ماسٹر ہدایت ایک درخواست پر تقریباً سو، ڈیڑھ سو افراد کے دستخط لے کر آ جائیں۔ جس میں وہ اس چیز کی خواہش ظاہر کریں کہ وہ واقعی بچوں کو آگے پڑھانے کے حق میں ہیں تو یونیورسٹی انہیں پرائیویٹ طور پر امتحان دینے کے لیے ہال، اساتذہ اور دیگر سہولیات کا انتظام کر دے گی۔ بس اسی لیے کئی دن سے ماسٹر ہدایت اسی چیز پر کام کر رہے تھے۔" وہ تفصیل بتا کر خاموش ہوئے۔۔۔ سہراب علی خان کے لبوں پر مسکراہٹ آٹھہری۔

"تو یہی تو ہم کہہ رہے ہیں کہ ماسٹر صاحب۔۔۔ اتنے بڑے کام کے لیے آپ نے مجھ سے مشورہ کرنا بھی مناسب نہیں سمجھا۔۔۔ واہ بھئی۔۔۔" مسکراہٹ میں تلخی سی گھلنے لگی۔

"نہیں خان ہم تو بس۔۔۔" اس مرتبہ ان سے بھی بات نہیں بن پائی تھی۔

"خیر۔۔۔ میں خود بھی سوچ رہا تھا کہ بہت جلد ہی گاؤں میں اپنی بچیوں کے لیے بڑے اسکول اور کالج کے لیے آواز اٹھاؤں گا لیکن کیا کریں ایک تو یہ مسئلے مسائل اوپر سے زمینوں بکھیڑے سو کام ہوتے ہیں۔ پھر آنے والے الیکشن کے کام۔۔۔ اچھا کیا آپ لوگوں نے۔۔۔ اب مجھے کم از کم اس طرف کی پریشانی سے تو نجات مل جائے گی۔" ملازم چائے کی ٹرے میز پر رکھ کر چلا گیا۔ انہوں نے اشارے سے سب کو چائے پینے کی دعوت دی۔

"نہیں، نہیں خان۔۔۔ ہم کیا ہماری اوقات کیا۔۔۔ آپ سے زیادہ ہمارا بھلا کون سوچ سکتا ہے۔" ماسٹر علم دین نے ماسٹر ہدایت کو آنکھوں ہی آنکھوں اشارہ کیا۔

"بالکل خان۔۔۔" ماسٹر ہدایت نے جیب سے ایک سفید کاغذ نکالتے ہوئے کہا۔

''مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوئی خان جی۔۔۔'' انہوں نے کاغذ کے پرزے کرتے ہوئے شرمندہ لہجے میں کہا۔

''اب ہمارے بچے بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کریں گے۔'' ماسٹر علم دین خوشی سے چہکے۔

"مجھے بس کچھ وقت دیں۔الیکشن کی مصروفیات ختم ہوتے ہی میں انشاءاللہ سب سے پہلے اسی بات کو آگے بڑھاؤں گا۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے ان کو یقین دلا دیا۔

''شکریہ خان۔۔۔'' وہ مشکور تھے کچھ دیر انہوں نے یونہی خان سہراب سے کئی دیگر مسائل بھی ڈسکس کیے۔ان کے جاتے ہی شاہ سواران کے پاس آیا تھا۔

''ان لوگوں کی جرأت بڑھنے لگی ہے خان۔۔۔''

''چیونٹی کے پر نکل آئیں تو کچھ کر نہیں پاتی۔۔۔شاہ سوار بس مر جاتی ہے۔تم بھی بس تماشا دیکھو۔۔۔'' گھنی مونچھوں تلے بھرے بھرے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ مچلی ''تو کیا آپ واقعی۔۔۔'' وہ بولنے لگا تھا جب خان نے ہاتھ اٹھا کر اس کی بات کاٹ دی تھی۔

''اگلے سال کا وعدہ کیا ہے ان سب سے اور اگلا سال کس نے دیکھا ہے۔'' مغرور لہجے میں کہتے وہ قہقہہ لگا گئے تھے۔شاہ سوار سر ہلاتے ہوئے ہنس دیا تھا۔

''بابا جی۔۔۔'' دور اندرونی برآمدے سے گل مینہ نے انہیں پکارا تھا۔شاہ سوار دیوار کی طرف رخ پھیر گیا تھا۔حویلی کی عورتوں میں صرف گل مینہ ہی تھی جس میں ان کی جان بستی تھی۔اور وہ بلا روک ٹوک کہیں بھی آتی جاتی تھی۔اس وقت بھی اسے طرف دیکھ کر جہاں عورتوں کا آنا بالکل منع تھا۔انہیں غصہ آنے کے بجائے ان کے چہرے پر شفیق سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

"۔جی۔۔۔بابا کی جان۔۔۔۔'' انہوں نے فوراً بانہیں پھیلا دی تھیں۔گل مینہ ان کے قدموں میں ہی بیٹھ گئی۔

''بابا جی مجھے بھی بھائی کے پاس شہر جانا ہے۔کالج میں داخلہ لینا ہے۔'' وہ فرمائش کرنے لگی۔

''کہا ہے میں نے ضیا سے۔شہر میں نیا گھر ملتے ہی تمہیں بھی بھجوا دوں گا۔'' وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے

''سچ بابا۔۔۔'' وہ چہکی۔

''بالکل سچ۔۔۔ بابا کی جان'' انہوں نے جھک کر بیٹی کے سر پر بوسہ دیا تھا۔بچیوں کی آزادی و تعلیم کے سخت خلاف سراب علی خان کے اصول اگر کبھی کوئی توڑ سکتا تھا تو صرف گل مینہ تھی سہراب علی خان اس بیٹی کے لیے ہر اصول، ہر ضد توڑ سکتے تھے۔بھول سکتے تھے۔اور وہ ہمیشہ ہی بھول جاتے تھے۔انسان اپنے پیاروں کے ذریعے ہی آزمایا جاتا ہے۔اور اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ ابھی ان کی رسی کافی لمبی چھوڑی گئی تھی۔جہاں کوئی بھی ڈرا سا کھچاؤ نہیں تھا۔۔۔ ان کے ہاتھ میں طاقت تھی اور سب ان کو اپنے اختیار میں لگنے لگا تھا۔

☆......☆......☆

زندگی میں واقعی کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ بالکل اجنبی لوگ آپ کو اپنے دل کے بے حد قریب محسوس ہوتے ہیں۔کوئی رشتہ نہ ہونے کے باوجود وہ بے حد اپنے اپنے محسوس ہوتے ہیں۔ان کی شخصیت،ان کی مسکراہٹ ذہن کے پردے سے جیسے چمٹ کے رہ جاتی ہے۔لاکھ جھٹکو،اترتے ہی نہیں۔بلا وجہ ہی یاد آتے ہیں اور آتے چلے جاتے ہیں۔ان کی دوپلیکی ووری برداشت سے باہر ہو جاتی ہے۔ساتھ ہو تو ساری کائنات کہیں بہت پیچھے رہ جاتی ہے اور ساتھ نہ ہو تو تب بھی ساری کائنات ویرزن لگنے لگتی ہے۔

وہ بھی بالکل نہیں سمجھ پارہی تھی۔

چند دن پہلے وہ جس شخص کے وجود سے بھی بالکل انجان تھی نہ جانے کیوں ملتے ہی دل کی دھڑکنوں کا باسی ہو چلا تھا۔یہ بھی نہیں تھا کہ وہ اس کی زندگی میں آنے والا پہلا مرد تھا۔وہ ایک بزنس ٹائیکون کی بیٹی تھی۔ایک بڑے لینڈ لارڈ کی اکلوتی اولاد۔۔۔ امیر زادے اس کی فرینڈ لسٹ میں رہتے۔۔۔وہ چند دن ان کے ساتھ ہنستے کھیلتے گزارتی اور جیسے ہی اس کے اور اپنے رشتے کو لے کر سنجیدگی سے سوچنے لگتے وہ خاموشی سے راہ بدل دیتی۔اسے لوگوں کو توڑنا اور چھوڑنا ہمیشہ سے ہی پسند رہا تھا۔

لیکن۔۔۔اس بار اسے لگا تھا۔۔۔پہلی بار اسے بھی کسی سے سچی محبت ہوئی تھی۔کوئی تھا جو اس کی سانسوں میں بسنے لگا تھا۔اور وہ ہی تھا باریال ولی خان۔۔۔

اس کے ہوتے ہوئے سارے منظر پس منتظر ہو جایا کرتے تھے۔۔۔اور اس کے نہ ہوتے ہوئے سارے منظر خزاں رنگ۔۔۔

اب بھی گاڑی کے بونٹ پر بیٹھی تھی وہ اور ورکرز سے بات کرتا وہ اس کے سامنے کھڑا تھا تیز دھوپ میں اس کا اجلا شفاف عکس امن کے بلیک گلاسز کی اسکرین پر لو دے رہا تھا۔نہ جانے وہ کب سے کام میں بزی تھا۔اور وہ صرف اسے دیکھنے میں اس کی آنکھوں کی چمک اس کی ذہانت کی گواہی دیتی تھی۔آنکھوں میں چھل دیتی ہلکی سی نمی اس کے ہمدرد ہونے کا پتا دیتی۔

اس کی چال ڈھال میں غضب کی تمکنت تھی کسی دیو مالائی کردار کی طرح وجیہہ پر سحر شخصیت تھی اس کی جو دیکھتے ہی اگلے کو اپنے حصار میں جکڑ لیتی تھا۔اس پر ایک بار پڑنے والی بلا ارادہ نگاہ ایک بار واپس ضرور پلٹتی تھی۔

وہ بات کرتے کرتے ہمیشہ نہ جانے کیوں دونوں ہاتھوں کی پوائنٹنگ فنگرز کو ملا کے لبوں پر رکھ دیتا۔اور یہ ادا اس پر جچتی بھی خوب تھی۔

اور سب سے اہم خوبی اس کا مضبوط کردار تھا۔امن نے دیکھا تھا۔وہ اس کے ساتھ رہ کر اس کی ہر طرح کی عنایات کو سمیٹتے ہوئے بھی ہمیشہ دونوں کے درمیان ایک فاصلہ رکھتا تھا۔اس نے تعلقات کی ایک حد متعین کر رکھی تھی۔اور نہ کبھی اس حد سے خود گزرتا اور نہ امن کو کراس کرنے دیتا تھا۔۔۔امن کا ماتحت ہونے کے باوجود ان دونوں میں کافی دوستی ہو چکی تھی۔۔۔اس کے باوجود وہ بے حد کامیابی سے ایک مناسب فاصلہ رکھے ہوئے تھا اور امن چاہ کر بھی تا حال یہ فاصلہ مٹا نہیں پائی تھی۔وہ اس کے قریب جانا چاہتی تھی اسے اپنے اندر پلنے والے تمام احساسات بتانا چاہتی تھی۔لیکن فی الحال باریال ولی خان اسے کوئی موقع نہیں دے رہا تھا۔

''کچھ بھی ہو باریال ولی خان۔۔۔'' دو ورکرز کے درمیان کھڑا بلڈنگ میٹریل چیک کرتا باریال اس سے قطعی بے خبر کھڑا تھا۔ جب وہ خود سے کلام کرتے ہوئے بولی تھی۔

''تمھارا ہر راستہ میری طرف ہی نکلنے والا ہے۔ میں تمہیں کسی اور منزل کا راہی نہیں ہونے دوں گی۔۔۔کبھی نہیں۔'' وہ مسکرائی تھی۔۔۔دور کھڑے باریال نے نہ جانے کیوں اسی پل بالکل اچانک اس کی طرف دیکھا تھا اور فوراً نگاہیں پھیر لی تھیں۔

☆......☆......☆

آج صبح سے زرینہ آئی ہوئی تھیں۔ سبین صبح سے کچن میں بزی تھیں۔ انہیں زرینہ کی خاطر داری کرنا ہمیشہ سے اچھا لگتا تھا۔ وہ ان کے شریک حیات کی بہت لاڈلی بہن تھیں۔ اور اسی لیے سبین کو بھی ان کی کاطرداری کر کے بہت اچھا لگتا تھا۔

اماں کا البتہ منہ بنا ہوا تھا۔ جس وقت سے زرینہ آئی تھیں وہ دل ہی دل میں لالہ کے آنے سے پہلے اس کے جانے کی دعا کرتی رہی تھیں تسبیح کے دانے مسلسل گراتے دل ہی دل میں وہ جل تو جلال تو کا ورد جاری کیے ہوئے تھیں لیکن زرینہ کے انداز سے صاف ظاہر تھا کہ آج بھی وہ کھانا کھائے بغیر نہیں جانے والی تھیں۔

''بھابی ذرا حمزہ کو فون کر کے کہہ دیں کہ اقرا کو کالج سے لے کر سیدھا ادھر ہی آجائے۔'' سبین نے تازہ جوس کا گلاس ان کو تھمایا تو فوراً نیا حکم صادر ہوا۔ اماں کا منہ مزید برا ہوا۔

''ویسے اماں یہ لالہ کیسے آتی جاتی ہے۔ شاہ ویز جاتا ہے کیا؟'' اچانک ہی انہیں خیال آیا تھا اور اماں نے دل ہی دل میں ان کے شیطانی دماغ کو سو گالیاں نوازی تھیں۔

''بس سے آتی جاتی ہے۔ شاہ ویز بیچارہ تو خود سارا دن ادھر ادھر نوکری کی تلاش میں پھرتا رہتا ہے۔'' سبین نے بتایا۔ اماں کا ماتھا ٹھنکا۔

''لو۔۔۔اب ہمارے خاندان کی لڑکیاں بسوں میں مردوں کے کندھوں کے ساتھ لٹک کر سفر کریں گی۔'' تیز طرار لہجے پر اماں کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

''خبردار۔۔۔'' ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو ہی گیا۔ فوراً ٹوکا گیا۔

''اتنے برسوں بعد پہلی بار میں نے اپنی بچی کو دوبارہ خوش دیکھنا شروع کیا ہے۔ خبردار جو اس کے سامنے کوئی ایسی ویسی بات بھی کی ہو۔'' انہوں نے بیٹی کو آنکھیں دکھائیں۔

''ہاں، ہاں میں تو کچھ نہ بولوں گی۔ لیکن کل کو اپنی ماں کی طرح کوئی گل کھلا کے آئے گی ناں۔۔۔تو۔۔۔''

''زرینہ۔۔۔'' اماں کی تیز آواز نے انہیں جملہ پورا کرنے سے روک دیا۔

''آگے کچھ بھی سوچ سمجھ کر بولنا تیرا گھر نہیں ہے یہ۔۔۔'' صاف جتلایا گیا۔

''میرے باپ بھائی کا تو ہے ناں اماں۔۔۔'' وہ بھی تیز لہجے میں بولیں۔

''ان دونوں کو مرے سال گزر گئے۔اب یہ گھر میری سبین کا ہے جتنی جلدی مان لے اچھا ہے۔۔۔'' وہ اماں تھیں ان کی سگی ماں۔۔۔سبین نہیں کے ان کے آگے دب جاتیں۔

''کر دیا ناں پرایا اماں۔۔۔'' وہ فوراً منہ بسورنے لگیں سبین پریشانی سی ان کی طرف بڑھیں۔

''جتلا دیا ناں کہ اب یہ گھر میرا نہیں۔۔۔'' آنکھوں سے ٹپ ٹپ موٹے آنسو نکلنے لگے۔

''آپ ناراض نہ ہوں، اماں تو بس ایسے ہی۔۔۔'' سبین نے نظروں ہی نظروں میں اماں سے التجا کی اور زرینہ کو منانے لگی۔ زرینہ چادر سنبھالنے لگیں۔

''بس کر دو، میں تمہارے ان چونچلوں میں آنے والی نہیں۔اور ہاں۔۔۔'' سبین کو سناتی وہ اماں کی طرف مڑیں۔

''اب دیکھنا اماں مر جاؤں گی پر اس گھر میں قدم نہیں رکھوں گی۔'' انہوں نے دھمکی دی۔

''جاؤ جاؤ بی بی۔۔۔تیسرے دن نہ آ جانا تو اماں نہ کہنا۔بے شک ابا کہہ دینا۔بے نیازی سے جیسے مکھی اڑائی گئی۔

''میں بھی واپس آ جاؤں تو آپ بھی میرا نام بدل دینا۔'' چادر لپیٹتی غصے سے تن فن کرتی وہ باہر نکل گئیں سبین بیچاری روکتی رہ گئیں۔اماں نے البتہ شکر کی تسبیح کے دانے گرانے شروع کر دیے تھے۔

☆......☆......☆

نامانوس سی آواز نے ان کی گہری نیند کی لگا میں کھینچی تھیں۔کچھ دیر یونہی آنکھیں موندے ہی اس آواز کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ پھر دھیرے دھیرے آنکھیں کھول دیں۔اگلے ہی پل وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھا تھا۔یہ اس کا اپنا کمرہ نہیں تھا اس نے اردگرد کا جائزہ لیا۔وہ زمزمہ کے کمرے میں موجود تھا۔تو کیا اسے نیند آ گئی تھی۔

''اسے یاد تھا کہ وہ آج سارا دن سے ہلکے سر درد میں مبتلا رہا تھا۔اس نے اپنے سب دوستوں کے ساتھ شکار پر جانے کا پروگرام بنا رکھا تھا۔لیکن پھر اس سر درد کی وجہ سے وہ ان کو چھوڑ کر کچھ دیر کے لیے سکون تلاشنے نہ جانے کیوں زمزمہ کے پاس چلا آیا تھا۔

زمزمہ نے اسے کڑک دودھ کے ساتھ سر درد کی دوا بھی دی تھی۔وہ بس چند لمحوں کے لیے ستانے لیٹا تھا۔اور شاید باقی وقت آرام سے سوتا رہا تھا۔

نامانوس سی آواز اب واضح تھی۔وہ سسکیاں تھیں، کوئی روتے وقت اپنی آواز دبانے کی کوشش کر رہا تھا۔اس نے کمرے میں زمزمہ کی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔وہ وہاں نہیں تھی۔وہ بیڈ سے اتر کر سلیپر پہنتا اٹھ کھڑا ہوا۔آواز کمرے کے سامنے بنے کھلے چبوترے سے آ رہی تھی۔وہ خاکی چادر میں خود کو لپٹتا وہاں چلا آیا۔کمرے اور چبوترے کے درمیان لگی چق کو ہٹاتے ہی جو منظر اس نے دیکھا اس کے ہوش اڑانے کے لیے کافی تھا۔

☆......☆......☆

اس قدر شدید سردی میں رات کے اس سردترین پہر میں ٹوٹے پھوٹے اس بوسیدہ سے چبوترے کے فرش پر سفید چادر میں سفید کپڑوں میں ملبوس دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے زمزمہ سسکیوں سے رو رہی تھی۔

اس نے چبوترے پر لگا بلب آف کر رکھا تھا لیکن آس پاس کے سبھی جھروکوں پر لگی ٹیوب لائٹس کی تیز روشنی میں اس کا وجود عجیب سا نور لیے ہوئے تھا۔

اس سے عجیب تر منظر اس نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔ایک کوٹھے پر ایک حسن پری، کمائی کے عروج کے وقت جب سب جھروکوں میں روشنیاں مچل مچل جاتی تھیں،،روشنی بجھائے اندھیرے میں گم نہ جانے یخ فرش پر یوں دوزانو بیٹھ کر کیا کر رہی تھی۔

''کیا یہ بھی نماز۔۔۔؟'' اسکے دل نے سوال کیا۔

"ہاں گناہوں کا بوجھ ہلکا کرنے کی ایک ناکام کوشش شاید۔۔'' وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھے اسے دیکھنے لگا۔اس کی دعا کافی طویل تھی۔اور اس پورے عرصے میں اس کی بند پلکوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری تھا۔

اس کے چہرے پر اس قدر معصومیت اور نور طاری تھا کہ وہ ٹکٹکی باندھے اسے دیکھے چلا گیا تھا۔

اب وہ سجدے میں پڑی تھی۔۔۔

شاید ضبط چھوڑنے لگی تھی۔۔۔ہارنے لگی تھی۔

حوصلے کی طنابیں چھوٹنے کو تھیں۔۔۔اس کا نازک سراپا رات کی دھیمی روشنی میں دھیرے دھیرے لرز رہا تھا۔

وہ منتظر تھا۔وہ اٹھے اور وہ سوال کرے۔۔۔کیونکہ سوال کرنا ہی فرض بنتا تھا۔۔۔اس پلید مقام پر اس قدر پاک کام کیوں۔۔۔ وہ دل کو دو،دو کام کرنے پر آمادہ کیوں کر رکھے ہوئے تھی۔

وہ گناہ اور توبہ کو ساتھ ساتھ لے کر کیسے چل رہی تھی۔جس جھروکے میں بن سنور کر اس کی بوسیدہ لکڑی کے بنگلے سے لٹک لٹک کر گاہک تلاشتی،اس کے خستہ فرش پر یوں سجدہ ریز وہ کیونکر ہو سکتی تھی۔۔۔ہو پا رہی تھی۔

سوال امڈتے چلے آ رہے تھے۔۔۔سجدہ طویل تر ہوتا جا رہا تھا۔

اور اسے حیرت تھی اس قدر سردی میں وہ بھی اس کے انتظار سے بیزار نہیں ہو رہا تھا۔

☆......☆......☆

سبین زرینہ بیگم کی اس دن کی حرکت سے کافی پریشان تھیں۔بار بار ان کو فون بھی ملاتی رہیں لیکن انہوں نے فون اٹھایا نہ وہ آئیں۔

''خواہ مخواہ ہی اس کی فکر میں گھل رہی ہو۔آج نہیں تو کل ضرور آ جائے گی۔دیکھ لینا۔۔۔'' اماں نے بہو کی پریشانی ہمیشہ کی طرح بھانپ لی تھی۔

''آپ کو بھی کیا ضرورت تھی اماں، زرینہ بی کو تو بولنے کی عادت ہے۔ جب میں برا نہیں مانتی تو آپ کیوں ان کو اس طرح ناراض کر دیتی ہیں۔''انہوں نے اماں سے پیار بھرا شکوہ کیا۔

"تو بھلے نہ مان لالہ تو مانتی ہے ناں۔''اماں کو تاسف نے آ گھیرا۔

''کیا سمجھتی ہو تم ان لوگوں کی باتوں کی وجہ سے تمہارے اور لالہ کے درمیان جو فاصلے در آئے ہیں میں ان سے بے خبر ہوں؟'' انہوں نے جھریوں زدہ ہاتھوں میں سبین کا نرم ہاتھ تھاما تو نہ جانے کیوں سبین کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

''اس زرین کی وجہ سے اور لوگوں نے بھی شہ پکڑی ہے۔ اور میں نہیں چاہتی کہ میرے مرتضیٰ کی نشانیاں، روح پر زخم لیے کرلاتی رہیں۔ میں زرینہ کی خفگی برداشت کر سکتی ہوں مگر تیرے اور لالہ کے آنسو نہیں۔''انہوں نے سبین کو خود میں سمولیا تھا۔ ضعیف آنکھوں نے دو آنسو ان کے کرب پر وار دیے تھے۔

اسی وقت باہر حمزہ کی بائیک چنگھاڑی تھی۔

''لو گی تمہاری زرینہ۔۔۔''اماں نے مسکراتے ہوئے ان کو خود سے الگ کیا۔

''حمزہ ہو گا۔۔۔''وہ بے یقین تھیں۔

''وہی ہے۔''اماں نے شرارت سے بائیں آنکھ دبائی۔ اسی وقت دروازہ کھلا اور حمزہ اور اقرا کی ہمراہی میں زرینہ اندر چلی آئیں۔ سبین نے سب کو مسکرا کر خوش آمدید کہا۔

''السلام علیکم اماں۔۔۔''زرینہ کمال اعتماد سے ماں کے گلے لگی۔

''وعلیکم السلام''اماں نے بھی بانہیں پھیلا دیں۔

''کیسی ہے ثمینہ۔۔۔''ان کی اگلی بات پر سب حیرت سے انہیں دیکھنے لگے تھے۔

''کون ثمینہ اماں۔۔۔''انہوں نے حیرت سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اقرا اور حمزہ کی آنکھوں میں بھی حیرت کا تاثر تھا۔ البتہ سبین کے ہونٹ اماں کی شرارت سمجھ کے مسکرا دیے تھے۔۔۔

''لے۔۔۔ بھول گئی۔۔۔ تو نے ہی تو کہا تھا کہ آئندہ اس گھر میں قدم رکھوں تو نام بدل دینا۔۔۔ بس میں نے تیرا نام بدل دیا۔۔۔ اقرا اور حمزہ کا قہقہہ بے ساختہ تھا جو ماں کی گھوری دیکھ کر اگلے ہی پل دم توڑ گیا تھا۔

☆......☆......☆

''ایسی بری جگہ پہ کوئی یوں سجدے میں گڑگڑا سکتا ہے۔۔۔ تم نے تو آج مجھے شاکڈ کر دیا ہے۔''وہ شاید رات بھر یونہی روتی رہتی سجدے میں گر کر۔۔۔ اگر ضیا کی موجودگی کے احساس نے اسے چونکا نہ دیا ہوتا۔ ربط میں توجہ نہ رہی تو رابطہ بھی ٹوٹ گیا۔ وہ چہرہ صاف کر کے اندر آئی تو وہ بھی اس کے پیچھے چلا آیا۔

اس کے صوفے پر بیٹھتے ہی اس نے زمزمہ سے پوچھا تھا۔

''جدہ کوئی اچھی یا بری نہیں ہوتی خان۔۔۔اچھا یا برا اسے ہمارا عمل بناتا ہے۔'' سفید چادر کو کھول کر اپنے ارد گرد لپیٹتی وہ کوئی اپسرا لگ رہی تھی۔ضیا کو نظروں کا رخ پھیرنا پڑا۔

''مطلب۔۔۔'' وہ ناسمجھی سے دور پڑے گلاس باؤل کو دیکھنے لگا جس میں دو رنگ برنگی ننھی مچھلیاں تیر رہی تھیں۔

''مطلب یہ کہ اگر کوئی اس جگہ اپنا گھر بنانا تو اس جگہ کا استعمال اچھا ہوتا۔مسجد بناتا تو اور زیادہ اچھا ہوتا۔لیکن دنیا والوں نے یہاں پر مجرا خانہ آباد کر لیا اس میں اس جگہ کا بھلا کیا قصور۔۔۔؟''

''میں پھر بھی نہیں سمجھا؟'' وہ واقعی نہیں سمجھ پایا تھا۔

''بس پھر چھوڑو آپ۔۔۔کچھ باتیں کو نا سمجھ ہی رہنے دو خان۔'' وہ تھکے تھکے انداز میں بولی۔

''تم بیڈ پر چلی جاؤ۔'' وہ اس کے قریب آ ٹھہرا۔تھکن اس قدر زیادہ تھی کہ وہ انکار نہ کر سکی اور گرم بستر میں آ گئی۔ضیا وہیں صوفے پر بیٹھ گیا۔

''ایک بات پوچھوں۔۔۔؟'' ضیا نے اجازت چاہی۔

''جی۔۔۔'' زمزمہ مسکرا دی۔

''پہلی دفعہ جب میں تمہارے کمرے میں آیا تھا تو تم نے مجھے تم کہہ کر مخاطب کیا تھا۔اور اس کے بعد ہر ملاقات میں آپ اس کی وجہ جان سکتا ہوا؟'' ہاتھوں کی مٹھیاں بنائے ٹھوڑی اس کے اوپر رکھے اس نے سوال کیا۔

''کیونکہ۔۔۔'' زمزمہ تکیے کا سہارا لے کر اٹھ کر بیٹھ گئی۔کمبل اپنے اوپر کھینچ لیا۔

''اس دن مجھے لگا تھا میری دعا رد ہو گئی۔اور آپ میرے پہلے گاہک ہیں۔لیکن اسی دن آپ کے چلے جانے کے بعد مجھے احساس ہوا تھا کہ دعا رد ہوئی تھی نہ قبول۔۔۔بلکہ آپ کی صورت مجھے ایک امید دکھا دی گئی تھا۔اور شاید یہ روشنی بھی کہ دعا مانگنا نہ چھوڑوں۔

''اب اس بات کا مطلب؟'' وہ اٹھ کر اس سے کافی فاصلے پر بیڈ کے سرے پر بیٹھ گیا۔

''میں جب سے یہاں آئی ہوں،کوئی بھی ایسا آدمی نہیں تھا جو میری طلب کرتا۔۔۔لیکن پھر بھی مجھے ہمیشہ ہی یہ خوف کھائے جاتا کہ کون ہوگا جو مجھے رد نہیں کر پائے گا۔مجھے خریدے گا اور پھر میں بھی اس سیلن زدہ جگہ کی بدبودار کائی کی طرح گلنے سڑنے لگوں گی۔'' وہ کمبل ہٹا کر نیچے اتر آئی اور آہستہ آہستہ چلتی اس چک کے قریب آ گئی۔ضیا بھی اس کے پیچھے آ گیا تھا۔

''مطلب تمہیں لگتا ہے کہ میں تمہاری کسی دعا کے طفیل یہاں بھیجا گیا ہوں اور میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔'' وہ اس کی بات پر طنزاً ہنسا۔

''ہاں خان ایسا ہی ہے۔'' وہ پر یقین لہجے میں بولی۔اس کے لہجے میں اس قدر یقین تھا ضیا گنگ رہ گیا تھا۔

"پتا ہے خان، رات کے اس پہر جب اس محلے ہر جھروکے پہ روشنیاں، بجلیاں اور نسوانی حسن چمکتا ہے تو میرے جھروکے پرا ندھیرا کیوں رہتا ہے۔'' وہ مڑ کر چلتے ہوئے اس کے قریب آرکی۔ضیا نے ایک ٹرانس کی کیفیت میں نفی میں سر ہلایا تھا۔

''کیونکہ یہاں میں کسی انسان کو نہ یاد کرتی ہوں نہ کسی انسان سے مدد مانگتی ہوں۔یہاں صرف میں اور میرا خدا ہوتے ہیں، میں روتی ہوں، اسے پکارتی ہوں توبہ کرتی ہوں معافی مانتی ہوں۔اور اگلی شام پھر ناچ ناچ کر، کسی امیرزادے کے سامنے لگی لائن میں کھڑی ہو جاتی ہوں۔اور وہ آرام سے مجھے دھتکار کر مجھ سے شکل وصورت میں کہیں کم لڑکی کو چن سب کو حیران چھوڑ جاتا ہے۔اب تو خانم بھی مجھ سے عاجز آنے لگی تھی۔ ۔۔۔اور تب آپ نے مجھے چن لیا اور اس دن مجھے یقین ہو چلا تھا کہ

کہ میرے خدا نے میری دعائیں، میرے آنسو رد کر دیے ہیں۔۔۔لیکن پھر آپ کی ذات نے تو مجھے باور کرایا کہ میرا کرلانا اس نے سن لیا، میں نے غلطی کی تھی، گناہ کی دلدل میں آ پھنسی تھی لیکن مجھے بہر حال گناہ سے نفرت تھی۔۔۔۔میں نے غلطی کی بھی توبہ کی اور گناہ سے پناہ مانگی۔۔۔ اور جس نے پناہ دینے کا وعدہ کیا تھا۔۔۔اس نے مجھے پناہ دی۔۔۔میری دعا بظاہر قبول نہیں ہوئی۔مجھے یہاں سے چھٹکارا نہ ملا لیکن میری دعا رد بھی تو نہیں ہوئی ناں۔۔۔میں گناہ میں رہ کر بھی پناہ میں رہی۔'' اس کی آواز اس کا چہرہ بھیگنے لگا تھا۔

"میں نے اسی لیے توبہ، معافی، گریہ کے اوقات بڑھا دیے۔۔۔اور پھر کیا ہے جو میرے رب کے لیے ناممکن ہے۔صرف وہی ذات پاک ہے جو سب کر سکتا ہے۔آپ کے آنے کے بعد میرا یہ یقین اور پختہ ہو گیا ہے اور امید بڑھ گیا ہے۔وہ ضرور مجھے معاف کر دے گا۔'' وہ ٹھنڈے فرش پر ڈھے سی گئی اور دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔اور ضیا علی خان نے اس رات جان لیا تھا۔کوئی عورت طوائف نہیں ہوتی، بس حالات کے ہاتھوں ہار جاتی ہے۔اس نے شکر کیا تھا کہ زمزمہ نہیں ہاری تھی۔

☆......☆......☆

''لڑکیاں نہ جانے کیوں اپنے دل کو شیشے کی طرح رکھتی ہیں یا شاید ان کے دل بنے ہی شیشے کی طرح ہوتے ہیں، کسی کا بھی عکس جھلملا جائے ایک بار اس آئینے میں بار بار اسی کو تلاشتی ہیں۔ایک بت گتراش لیتی ہیں، خود ہی سوچ لیتی ہیں کہ وہ کردار واخلاق اور زبان کا کس قدر بلند ہوگا۔

''میں کہتی ہوں عورت کو مات دینی ہو تو اس سے محبت کرلو۔۔۔چاروں شانے چت کرتی ہے محبت میں یہ''۔۔۔

رات بھیگتے بھیگتے اپنے آخری سفر پر روانہ ہو چلی تھی۔سردی کی رات کو خدا حافظ کہنے اور صبح کو خوش آمدید کرنے والی ٹھنڈی ہوا میں تیزی آئی تھی۔جھروکے کے آغاز پہ لگی چق ہلنے لگی تھی۔ہاتھوں کی بند مٹھی پر ٹھوڑی جمائے ضیا علی خان کی نظریں اس کے روتے، بولتے وجود پر آ پڑی تھیں۔

"میری شادی میرے کزن سے ہوئی تھی، چچازاد تھا میرا۔۔۔" وہ مزید بتانے لگی۔ جب ضیا نے اچانک اس کی بات کاٹی۔

"اوہ تو مطلب تمہیں تمہارے شوہر نے بیچا۔" اس کی آواز میں تاسف تھا۔

"کسی بھی بات کے متعلق عجلت میں اندازے نہیں لگایا کرتے خان ورنہ صرف خسارے ہاتھ آتے ہیں۔" وہ تلخی سے مسکرائی تھی۔

"انہی اندازوں نے تو میری زندگی تباہ کردی۔" اس نے گیلے گال رگڑ کے صاف کیے۔ ضیا علی ان اب کی بار خاموش رہا تھا۔

"وہ مجھے بے حد چاہتا تھا۔۔۔ حد سے زیادہ۔۔۔ اور اس کی چاہ میرے سارے سسرال والوں کی آنکھوں میں کھٹکنے لگی تھی۔ میرا نام لے کر وہ جیسے سانسیں لیتا تھا۔۔۔ میں دکھائی نہ دیتی تو اس کی جان پر بن آتی۔۔۔ میرے گھر والوں نے اس کو مجھ سے بدظن کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی لیکن وہ میرا تھا۔۔۔ اسے بس میری چاہ تھی وہ کسی کی بات پر کان نہ دھرتا۔۔۔ حتی کہ میرے سسرال والوں نے مجھ پر گھٹیا ترین الزام تک لگائے لیکن وہ ان سنی کرگیا۔ لیکن میں نہ کرسکی خان۔" وہ سسکی

"اس کی ایک کزن ہمارے گھر رہنے آئی تھی۔ اس کی ماں، میری چاچی کے خاندان سے تھی۔ چاچی کے دور پرے کے رشتے داروں کی بیٹی۔۔۔ نہ جانے کیوں پہلے ہی مجھے اس کا آنا کھٹکا تھا۔ پھر بھی میں نے کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔ لیکن کچھ دن بعد ہی مجھے پتا چلا کہ میرے شوہر عبدل خان کی شادی پہلے اسی سے ہونے والی تھی۔ لیکن اس نے ضد کر کے مجھ سے شادی کی تھی۔ میری دیورانی، میری ساس بہانے بہانے سے ان دونوں کو قریب کرتیں۔۔۔ اور مجھے باتوں باتوں میں بھی سنا دیتیں کہ پہلے تو ان کی ایک دوسرے میں دلچسپی تھی۔ پھر ایک دن مجھے دیورانی نے بتایا کہ اس نے رات عبدل اور مینا کو چھت پر دیکھا تھا۔ مجھے یاد آیا کہ واقعی رات جب میری آنکھ کھلی تھی تو عبدل کمرے میں نہیں تھا۔ اور میں نے اس کی بات پر بھروسا کرلیا۔" زمزمہ کی آنکھیں برسنا شروع ہوگئی تھیں۔ وہ رونے لگی تھی۔ بہت دیر تک وہ یونہی ساکت بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔۔۔ پھر دھیرے سے اپنی چادر اور کوٹ سنبھالے اور کمرے سے باہر نکل گیا۔۔۔ وہ روتی رہی تھی۔۔۔

☆......☆......☆

"نمرہ کے اصرار پر وہ اس کے ساتھ بازار آتو گئی تھی مگر اب بری طرح پچھتا رہی تھی۔ بازار میں کافی رش تھا۔ کندھے سے کندھا مس ہوئے جاتا تھا۔ اسے بے انتہا کوفت ہو رہی تھی۔

"پتا نہیں لوگ کیسے روز روز بازار کے چکر لگا لیتے ہیں میرا تو دل گھبرا جاتا ہے۔"

آن بازار میں رش واقعی کچھ زیادہ ہی تھا کہ خود نمرہ کو گھٹن سی محسوس ہو رہی تھی۔

"چل آئس کریم کھاتے ہیں۔" سامنے ہی آئس کریم والے کو آتا دیکھ کر اس کا دل للچایا۔ لالہ کا ہاتھ کھینچے وہ زبردستی اسے وہاں لے آئی۔ لالہ نے بمشکل ہاتھ میں پکڑے شاپرز سنبھالتے ہوئے اپنی فیورٹ آئس کریم تھامی۔

''چل واپس شو اسٹور پر ملتے ہیں۔بس دو تین شوز اور۔۔۔'' لالہ اسے گھور کے رہ گئی۔اور پھر وہ سامنے سے رش سے بچتے بچاتے آتے موٹر سائیکل سوار سے خود کو ٹکرانے سے بچانے کے لیے تیزی سے پیچھے کی طرف مڑی تھی۔اور پیچھے بالکل قریب اس شخص کے چوڑے سینے سے بہت بری طرح ٹکرائی تھی۔ہاتھ میں پکڑی آئس کریم اب مقابل کے خوب صورت بلیک کورٹ پر لگی اس کا منہ چڑا رہی تھی۔اس نے نظریں اٹھا کر سوری کرنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ اپنے سامنے ضیا علی خان کو دیکھتے ہی سارا لحاظ ایک پل میں ہوا ہوا تھا۔

''دیکھ کر نہیں چل سکتے،اندھے ہو کیا؟'' بدتمیزی سے کالی سیاہ آنکھوں سے گھورتے ہوئے پوچھا گیا۔

رنگ بدلتی خوب صورت نگاہیں اس پر جم سی گئی تھیں۔

''اوہ بی بی۔۔۔خان تو۔۔۔'' گن مین فوراً آگے آیا تھا کہ ضیا نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

''دوراں غلطی میری ہی ہے۔'' لالہ نے دیکھا تھا وہ جمسکراتا تو اس کے دائیں گال پر پڑنے والی لکیر کافی گہری ہو جاتی اور رنگ بدلتی آنکھیں بھی مسکرا دیتیں۔وہ نظریں ہٹا نہیں پائی تھی۔

''مجھے ان کے مڑنے کی خبر رکھنی چاہیے تھی ناں۔۔۔'' اس کی سادگی پر نمرہ دل ہی دل میں سو جان سے فدا ہوئی۔

''جیسے کہ ہمیشہ رکھتا ہوں۔۔۔'' وہی دوستانہ قاتل مسکراہٹ نمرہ نے بت بنی کھڑی لالہ کو کہنی ماری۔لالہ چونکی پھر آئس کریم سے لتھڑے دونوں ہاتھ بھی اس کے کوٹ پر رگڑ ڈالے تھے۔

''لالہ۔۔۔'' نمرہ چیخی۔

''آئندہ مجھ سے ٹکرانے کی کوشش کی ناں تو آج تو کپڑے خراب کیے ہیں اگلی بار شکل خراب کر دوں گی۔'' اس نے شہادت کی انگلی دکھا کے وارن کیا۔

''آپ کے لیے کچھ بھی۔'' وہ کارنش بجا لایا تھا سینے پر ہاتھ دھرے۔

وہ غصے سے پلٹی تھی اور نمرہ اسے صلواتیں سناتی ہوئی۔

☆......☆......☆

''پاگل ہو تم۔۔۔'' نمرہ کو اس کی ذہنی حالت پر شک ہو رہا تھا۔

''اتنا ہینڈسم بندہ ٹکرا جائے تو بندہ آرام سے سوری ہی کر دیتا ہے۔کیا پتا بات ہی بن جائے۔'' وہ شرارت سے کھلکھلائی۔۔۔

لالہ نے اسے غصیلی نگاہوں سے دیکھا۔وہ کندھے''غلطی تمہاری ہی تھی نہ مانو وہ اور بات ہے۔'' لالہ خاموشی سے چلتی رہی۔

''واہ ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری۔۔۔'' وہ مزید بڑبڑائی۔

''ایک تو اس بیچارے کا اتنا پیارا کوٹ خراب ہو گیا۔ اوپر سے برس بھی شہزادی ہی رہی تھیں، سبحان اللہ۔۔۔'' مزید سنایا گیا۔

''تم دو منٹ کے لیے چپ نہیں رہ سکتیں۔'' وہ بھڑک اٹھی۔

''لالہ'' نمرہ کہاں اسے سن رہی تھی۔

''ادھر دیکھو۔۔۔'' لالہ نے ریسٹورنٹ کے اندر جانے سے پہلے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔ سفید شرٹ کی آستین فولڈ کیے ان کی طرف ہی دیکھ رہا تھا وہ خراب کوٹ اتار چکا تھا۔

"ہائے یہ تو میری طرف دیکھ رہا ہے۔ نمرہ نے پوری باچھیں کھول کے ضیا کی طرف دیکھتے ہوئے ہاتھ ہلایا۔ ضیا نے بھی جیسے ہاتھ کے اشارے سے جواب دیا تھا۔

''مروتم۔۔۔'' اسے کمر پر دھپ رسید کرتی وہ گلاس ڈور دھکیلتے اندر چلی گئی۔

ضیا کی ڈمپل زدہ مسکراہٹ کے جواب میں مسکراہٹ اچھالتی نمرہ نے بھی تیزی سے اس کی تقلید کی تھی۔

☆......☆......☆

''سنا تم نے۔۔۔'' وہ لیپ ٹاپ پر کام کر رہا تھا جب زرینہ بیگم غصے سے ہانپتی کانپتی اندر آئیں۔

''کیا ہو گیا امی۔۔۔'' نظریں ہٹائے بغیر اس نے پوچھا۔

''ابھی رضیہ کا فون آیا تھا۔'' لالہ کی پڑوسن کا نام سنتے ہی لالہ کا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا۔

''وہ لالہ بیگم اپنی یونیورسٹی کی کسی دوست ل کے ساتھ شاپنگ کرنے گئی ہے۔'' زرینہ بیگم نے ایک ایک لفظ چبا کر ادا کیا۔

''یہ رضیہ خالہ کو کوئی اور کام نہیں کہ سارا دن ادھر ادھر کی لگائی بجھائی کرتی رہتی ہیں۔'' وہ تلخ ہوا۔

''کہیں کچھ نہیں کرتی۔ صرف مجھے بتاتی رہتی ہے خوار ہے میری۔۔۔ ورنہ سبین اور اماں کہاں کچھ ظاہر کرتی ہیں۔'' زرینہ انتہا کی بدظن تھیں حمزہ کو افسوس ہوا۔

''اچھا مجھے کام ہے مجھے کم از کم ان بکھیڑوں سے دور رکھیں۔'' وہ تنگ آ کر بات ہی ختم کر گیا۔

''تمہارے بھلے کے لیے بتاتی ہوں تمہاری نظروں میں مجھے اس کی تصویر نظر آتا ہے، اب تم تو بچے ہو۔ میں ماں ہوں، میرا فرض ہے کہ تمہیں اس کی حقیقت سے آگاہ کروں۔'' وہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے فکر مندی سے بولیں۔

"مجھے بس آپ معاف کر دیں امی۔۔۔'' وہ تلملا کر کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''اقرا۔۔۔ اقرا۔۔۔'' کمرے سے باہر آ کر وہ پکارا تھا۔

''ارے بہن کو کیوں آواز دے رہے ہو اسے کیا پتا لالہ کے بارے میں۔'' زرینہ بدحواس ہوئیں۔

''توبہ ہے امی۔۔۔'' حمزہ مزید چڑ گیا۔

''مجھے بس اسے ایک کپ چائے کا کہنا تھا۔'' ضبط سے وہ لب کاٹنے لگا تھا۔

''وہ تو ایسے کہو ناں۔۔۔'' زرینہ کھسیانی ہنسی ہنس دیں۔

''میں بنا دیتی ہوں ناں چائے'' فوراً کچن کی طرف بڑھیں۔

''کیوں۔۔۔اقرا کہاں ہے۔۔۔'' حمزہ نے ویسے ہی پوچھ لیا۔

''آج سہیلی کے گھر گروپ اسٹڈی کرنی تھی۔بس وہیں ہوگی۔'' انہیں بتانا پڑا۔

''کس سہیلی کے گھر؟'' اسے غصہ آنے لگا۔

''یہ تو میں نے نہیں پوچھا؟''

''دوسروں کے بجائے اپنی بیٹی کی خبر رکھا کریں امی ہمارے لیے یہی اچھا ہوگا۔'' غصے سے کہتا وہ اندر چلا گیا زرینہ زیرلب پھر اسے کچھ سنانے لگی تھیں۔

☆......☆......☆

ریسٹورنٹ کے اندر چھوٹے چھوٹے لکڑی سے کیبن بنائے گئے تھے۔ یہ کیبن خالصتاً فیملی کے لیے استعمال ہوتے تھے تاکہ بنا کسی مشکل کے ایک فیملی آرام دہ اور پرسکون ماحول میں کھانا انجوائے کر سکے۔ایک طرف کھلی جگہ پر نوجوان لڑکوں کے لیے اور مردوں کے لیے علیحدہ انتظام تھا۔لالہ اسے لیے آگے کی طرف آگئی۔

''میری آئس کریم تو ضائع ہوگئی۔۔۔یہاں جوس پی لیں گے آرام سے۔'' اس قدرے کونے والے کیبن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔تبھی بالکل اچانک اس کے ہاتھ سے کلچ چھوٹا تھا اور سامنے والے کیبن کے پردے کے ذرا پیچھے اندر کی طرف گر پڑا۔ اس نے تیزی سے جھک کر اٹھایا اور سیدھی ہونے لگی کہ پردہ اس سے الجھ کر ایک طرف کھسک گیا۔سامنے نظر آنے والا منظر لالہ کے ہوش اڑانے کے لیے کافی تھا۔سامنے بینچ پر ایک لڑکے کا ہاتھ تھاسے بیٹھی بلاشبہ وہ اقرا ہی تھی اسے دیکھتے ہی وہ ایک جھٹکے سے اٹھی تھی۔ساتھ بیٹھے نوجوان کے چہرے پر بھی گھبراہٹ طاری ہوئی تھی۔

''لالہ تم۔۔۔تم یہاں؟ اقرا کی زبان لڑکھڑا گئی تھی۔



ناول ''محبت لفظ ہے لیکن'' ابھی جاری ہے۔اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی 10 تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

قسط نمبر 4

''ماں باپ کے سامنے بہت سوچ سمجھ کر بولا کرو کیوں کہ کبھی کبھی ان کے سامنے بولا گیا کوئی بھی برا یا اچھا کلام ہماری پوری قسمت پہ حاوی ہو جاتا ہے۔''

''یہ سوال تو مجھے تم سے پوچھنا چاہیے۔'' لالہ کے لہجے میں خود بخود تلخی اُمڈ آئی تھی۔ نمرہ ناسمجھی سے البتہ ان سب کو دیکھے جا رہی تھی۔ لالہ کی آنکھوں میں یکلخت لو دیتی شناسائی سے وہ اتنا تو سمجھ گئی تھی کہ وہ سب ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ لیکن اس وقت کی سچویشن اس کی سمجھ سے باہر تھی۔ تبھی وہ لالہ کے پیچھے خاموشی سے کھڑی تھی۔

''ایکسکیوزمی میم۔۔۔ آپ پلیز آگے کوئی سیٹ دیکھ لیں۔'' ویٹر ان کو یوں کھڑا دیکھ کر کچھ اور سمجھا تھا۔ تبھی فوراً پیشہ ورانہ لہجے میں کہتا ان کا جھگڑا نمٹانے چلا آیا تھا۔

''نہیں کوئی مسئلہ نہیں ہے ہم چاروں ساتھ ہیں۔'' لالہ نے سمجھداری سے فی الحال اس کو تو سر سے ٹالا۔ وہ سر ہلاتا تیزی سے مڑ گیا تھا۔

''اٹھو، چلو میرے ساتھ۔'' لالہ نے آگے بڑھ کر اقرا کا ہاتھ پکڑا۔

''میں خود چلی جاؤں گی۔'' وہ پیچھے ہوئی۔

''یہ ہے کون اقرا؟'' آغا کو غصہ آنے لگا۔

''اس کے آس پاس دوبارہ نظر آئے ناں تو بتاؤں گی کہ میں اس کی کون ہوں۔'' جھٹکے سے کھینچ کر اس کو اٹھاتی لالہ نے ساتھ آغا کو بھی وارن کیا تھا۔

''چلو اب۔'' اسے اپنے آگے کرتے ہوئے لالہ نے دھکا دیا تھا۔ اب کی بار اس نے کوئی مذاحمت نہیں کی۔ خاموشی سے آگے چلنے لگی تھی نمرہ بھی ان کے پیچھے تھی۔ آغا ساکت سا کھڑا رہا۔

کچھ دیر بعد ہی وہ ٹیکسی لے کر گھر جا رہے تھے نمرہ سارا راستہ خاموش رہی تھی اور اسی عادت کی وجہ سے وہ لالہ کو عزیز تھی۔ وہ خواہ مخواہ کسی کی بات میں مداخلت نہیں کرتی تھی معاملات کی نزاکت کو وہ فوری بھانپ لیتی تھی۔ لالہ نے پہلے نمرہ کو گھر چھوڑا پھر اقرا کو لیے گھر کے قریب ہی پارک میں آ گئی تھی۔ اقرا نے ابھی تک اس سے دوبارہ کوئی بات کرنے کی ہمت نہیں کی تھی۔ البتہ اس کے چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ وہ کس قدر گھبرائی ہوئی ہے۔ اور اسکے ذہن میں کوئی جھوٹ گھڑنے کے لیے کس قدر سوچ بچار جا رہی ہے۔

ٹھنڈی نرم گھاس پر بیٹھتے ہی اس نے سب سے پہلے حمزہ کو کال ملائی جو اس نے دوسری بیل پر پک کرلی تھی۔

''ہیلو حمزہ۔۔۔اقرا میرے ساتھ ہے تم اور پھپھو پریشان مت ہونا۔''اس کے کچھ بولنے سے پہلے ہی وہ تیز لہجے میں بولی تھی۔

وہ حیران ہوا۔

''لیکن وہ تو۔۔۔''

''ہاں۔۔۔پھر بتاؤں گی ابھی مجھے شاپنگ کرنی ہے بائے۔۔۔''وہ جانتی تھی اقرا نے کوئی نہ کوئی بہانہ گھڑا ہوگا گھر پر۔۔۔تبھی وہ زیادہ بات نہیں کرسکتی تھی حمزہ سے۔فون بند کرکے اب اس کی نظریں اقرا پر جمی تھیں۔جو گھاس پر نظریں گاڑے انگلیاں مروڑ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر شرمندگی تھی مطلب اس کے سدھرنے کے چانسز تھے۔وہ اسے سنبھال سکتی تھی۔

''اقرا کون تھا وہ لڑکا۔۔۔؟''اس نے براہ راست ہی بات کرنے کا سوچا۔گہری نظریں اقرا کے گھبرائے چہرے پر جمی تھیں۔

''مجھ سے جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں۔۔۔''کافی دیر اس کے بولنے کا انتظار کرنے کے بعد اس نے خود ہی دوبارہ بات شروع کی۔

''اگر اس لڑکے کو اچھی طرح جانتی ہو تو سب مجھے سچ سچ بتا دو۔۔۔میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ یہ ساری بات اور آج کا یہ واقعہ تمہارے اور میرے درمیان رہے گا۔''اس کی بات پر اقرا نے پہلی بار نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔لالہ نے صاف محسوس کیا تھا کہ اس کی بات پر اقرا کی آنکھوں میں چمک سی ابھری تھی۔

''امی آپ کو اور ممانی کو اتنا ہرٹ کرتی ہیں آپ پھر بھی یہ بات چھپالیں گی سچ میں۔۔۔؟''

اس کی بات سن کر لالہ نے ایک لمبی سانس کھینچی اس سے صاف ظاہر تھا کہ اقرا صرف آج کے واقعے سے ہی نہیں گھبرائی تھی بلکہ اسے یہ بھی ڈر تھا کہ اسے کسی اور نے نہیں بلکہ لالہ نے دیکھا تھا جو پھپھو کے نامناسب رویے کی وجہ سے ان کی ساری فیملی سے دور ہوتی گئی تھی۔اقرا کو یقیناً اس سے یہ خوف تھا کہ وہ اس کی ماں سے بدلہ لینے کے لیے اس موقع کا بخوبی فائدہ اٹھا سکتی تھی۔تبھی وہ شاید زیادہ خوفزدہ بھی لگ رہی تھی۔

''میں تمہاری ماں کی طرح تو ہرگز نہیں ہوں کہ سگے رشتوں کے دامن پر کیچڑ اچھالوں۔تم کھل کر بات کرسکتی ہو مجھ سے۔''نہ جانے کیوں خود بہ خود اسکے لہجے میں تلخی سی گھل گئی تھی۔اقرا کا سر مزید جھک گیا تھا۔

''اس کا نام دانیال ہے آغا کے نام سے جانتے ہیں سب۔''گھاس پہ شہادت کی انگلی پھیرتے وہ دھیمے لہجے میں بتانے لگی۔

''تم ایک دوسرے کو کب سے جانتے ہو؟''لالہ اہم بات کی طرف براہ راست آتے ہوئے بولی۔

''دو سال سے۔۔۔آغا ہماری گلی میں ہی رہتا ہے۔ایک دو گھر چھوڑ کر۔''اس نے بتایا لہجے میں سچائی تھی۔

''میں اور وہ ایک دوسرے کو بے حد چاہتے ہیں، آغا اچھا لڑکا ہے سب لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں، اچھا پڑھا لکھا ہے بس ابھی بے روزگار ہے۔''اس نے سب کچھ تفصیل سے بتایا۔

''پھپھو جانتی ہیں سب؟''لالہ کی گہری نظریں اقرا کے چہرے پر جمی تھیں۔

''جی۔۔۔اس کی فیملی کو اچھی طرح جانتی ہیں لیکن ہمارے بارے میں نہیں۔''اس نے ہاتھ روکتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے جھاڑ کر صاف کیا تھا۔

''ہاں وہ تو پتا ہے مجھے۔۔۔''لالہ نے سر ہلایا۔

''خیر۔۔۔میں یہ نہیں کہتی کہ آغا برا لڑکا ہے۔''وہ سیدھی ہو کے بیٹھ گئی۔اقرا کی نظریں اب اسے دیکھ رہی تھیں۔

''لیکن وہ تمہارے لیے ہے تو نامحرم۔۔۔اور میں نہیں چاہتی کہ تمہارا مان ،تمہارا یقین کبھی ٹوٹے۔اس لیے اب تم آغا سے کبھی یوں اکیلے ملنے نہیں جاؤ گی۔''اس نے دوٹوک فیصلہ سنایا۔

''لیکن۔۔۔''اقرا بری طرح مچلی۔۔۔لالہ نے ہاتھ کھڑا کر کے اسے کچھ بھی بولنے سے روک دیا۔

''تم ابھی نا سمجھ ہو اقرا۔۔۔پھر جس طرح پھپھو دوسروں کی بیٹیوں پہ کیچڑ اچھالتی پھرتی ہیں، میں نہیں چاہتی کہ کسی کی آہ تمہارے دامن سے آ لپٹے۔اسی لیے تمہیں میری اتنی سی بات تو ماننی پڑے گی۔۔۔''اس کے لہجے میں سختی در آئی اقرا انگلیاں مروڑنے لگی۔

''رہی بات آغا کی۔۔۔تو تم جانتی ہو حمزہ مجھ سے کس قدر فرینک ہے میں کوشش کروں گی کوئی مناسب موقع دیکھتے ہی اس کے متعلق حمزہ کی رائے جان سکوں۔''اقرا کا نرم و ملائم ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے اس نے جیسے اسے حفاظت کا احساس دلایا تھا۔اقرا کے مضطرب چہرے پر مطمئن سی مسکراہٹ چمکی تھی۔

''سچ میں۔۔۔آپ بات کریں گی بھیا سے۔۔۔میرے اور آغا کے لیے؟''پرامید نظروں سے خود کو گھورتی اقرا نہ جانے کیوں اس سمے اسے بے حد بدتمیز اور آوارہ سی لگی تھی۔

''کہہ دیا ناں۔۔۔لیکن اب تم اس سے کبھی بھی کہیں بھی نہیں ملو گی۔''سخت لہجے میں کہتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔اقرا نے بھی اس کی تقلید کی۔

''اور یہ بات بھی یاد رہے اقرا۔۔۔''ٹیکسی کو رکنے کا اشارہ کرتے ہوئے اس نے اچانک ہی اسے مخاطب کیا تھا اقرا چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''اگر حمزہ آغا کی شخصیت سے ذرا بھی مطمئن نہ ہوا تو تمہیں اس راہ سے پلٹنا ہوگا۔۔۔ورنہ میری امی کا حال تو تمہارے سامنے ہی ہے۔''تلخ لہجے میں کہتی وہ ٹیکسی میں سوار ہوئی تھی۔اقرا کو البتہ اپنی جگہ سے ہلنے میں وقت لگا تھا۔

☆......☆......☆

شام بہت اداس تھی۔۔۔سورج جاتے جاتے لہو رنگ بکھیرنے پر تلا ہوا تھا۔شہر سے دور نہر کے کنارے بے حد سکون تھا۔پھر بھی ہر سو اضطراب پر پھیلانے میں کامیاب ہوتا جا رہا تھا۔ہر طرف نارنجی شعاعیں آج کچھ زیادہ ہی شوخ ہو کر سرخ سی دہکنے لگی تھیں گہرے سبز فراک پر سفید رنگ کا بڑا سا دوپٹہ لیے جامن کے پیڑ کی موٹی جڑ پر بیٹھی زمزمہ اس وقت بالکل اسی اداس منظر کا حصہ لگ رہی تھی۔قریب ہی دو تین پکی اینٹوں کی سیٹ بنائے ضیا ننھے، ننھے کنکر اٹھائے نہ جانے کیوں بار بار نہر کے ساکت پانی میں ہلچل مچا دیتا۔

''اس دن کے بعد میں کبھی اس شخص پر اعتبار نہ کر سکی۔۔۔اور ضد میں آ کر میں ہر وقت بننے سنورنے لگی گھر کی چار دیواری سے باہر جھانکنے لگی۔کوئی تیسرا راستہ ڈھونڈنے لگی۔۔۔وہ مجھے چھوڑ سکتا ہے، میں اس سے بھی پہلے اسے چھوڑ سکتی ہوں۔تھی ناں بے وقوف عورت۔۔۔'' وہ تلخی سے مسکرائی ضیا نے پتھر نیچے گیلی مٹی پر اچھال دیے اور مورتی بنی زمزمہ کو دیکھنے لگا۔جو اس لہو رنگ شام میں بے حد زخمی ،زخمی لگ رہی تھی۔۔بے حد بکھری ہوئی۔

''دل کے راستے اتنے کچے کیوں ہوتے ہیں ضیا ایک بار کوئی پھسل جائے۔۔۔دل سے ہی نکل جاتا ہے۔''اس نے اچانک ہی ضیا کو مخاطب کیا۔۔۔ضیا خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔

''لیکن وہ تو نہیں پھسلا تھا پھسل تو میں گئی اس کا اعتبار نہ کر کے خود کو بھی اعتبار کے قابل نہیں رکھ سکی۔'' وہ دور آسمان پر چھاتے اندھیرے کو دیکھنے لگی۔جو دھیرے دھیرے اس کے وجود کے ساتھ ساری کائنات پر چھانے لگا تھا۔

''انہی دنوں مجھے اکبر ملا۔۔۔وہ سوات سے تھا۔ہمارے گھر کے سامنے والے ہوٹل میں کام کرتا تھا۔۔۔مجھے دیکھتے ہی میرا دیوانہ ہو گیا۔'' وہ ہنسی تھی اور ضیا کو یوں ہنستے وہ گویا ماتم کرتی محسوس ہوئی۔

''پہلے پہل اس نے پتھر میں لپٹے خط میرے لیے ٹیرس پر پھینکے۔۔۔میں نہ جانے کیوں نہ گھبرائی نہ غصہ ہوئی۔، وہیں کھڑے کھڑے بڑی ادا سے پڑھتی، مسکراتی تم نے سنا ہے ضیا۔۔۔ایک مرتبہ کسی نے کہا تھا کہ ہر عورت میں طوائف ہوتی ہے اور ہر طوائف میں ایک عورت۔۔۔موقع ملتے ہی باہر آ جاتی ہے۔بس میرے اندر کی بھی طوائف جاگ اٹھی تھی

بے جا غصے اور اندازوں کی وجہ سے۔۔۔اکبر نے ایک قدم آگے بڑھایا۔۔۔میں نے دس قدم۔۔۔اور پھر ہم دونوں کو ایک دوسرے کے سوا کچھ اور دکھائی نہیں دیتا تھا۔۔۔فیصلے کی گھڑی آئی۔۔۔اور پھر اکبر کی باتوں میں آ کر میں چار دیواری کا تقدس پامال کرتے ہوئے گرد آلود راہوں کی مسافر بننے نکل پڑی۔اکبر نے کہا تھا کے کسی محفوظ مقام پر پہنچتے ہی خلع کا مقدمہ کر کے طلاق لے لیں گے اور پھر ہماری اپنی دنیا ہو گی۔۔۔صرف میں اور وہ۔۔۔اس کی پلکیں بھیگنے لگی تھیں ضیا پھر پتھر چننے لگا۔

"کاش یہ مجھے انہی چھوٹے کنکروں سے سنگسار کر دے" زمزمہ نے اسے دیکھتے ہوئے سوچا۔

"محفوظ مقام آیا۔" ضیا نے دور نہر میں پتھر اچھالتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں" زمزمہ نے گرم شال کو اپنے گرد لپیٹتے ہوئے کہا۔سردی ایک دم ہی زیادہ لگنے لگی تھی۔

"خانم کا اڈہ۔" وہ قہقہہ مار کر ہنسی۔۔۔ضیا کو نہ جانے کیوں غصہ سا آیا۔۔۔ایک ساتھ کتنے ہی پتھر زور سے اچھال دیے۔پانی میں ایک دم شور سا اٹھا تھا۔

"اس نے مجھے ایک کنواری لڑکی بتا کر میرے زیادہ دام اینٹھنے چاہے۔میں پتھر بنی اپنا سودا ہوتا دیکھتی رہی۔۔۔پھر جیسے میں مر کر دوبارہ زندہ ہوئی تھی۔موت کے بعد حساب شروع ہوا تھا۔میں نے اپنے اعمال کی سزا بھگتنی تھی تو میں تیار تھی۔۔۔لیکن اس کا فائدہ کیوں ہوتا۔میں نے خود خانم کو ساری بات بتادی۔سچ،سچ وہ حیران رہ گئی۔پھر اس نے مجھے بتایا اکبر ایسے ہی دور دراز کے علاقوں کی بچیاں ورغلا کر لاتا تھا۔اور مہنگے داموں بیچ کے چلا جاتا تھا۔اکبر اس دوران قہقہے لگا کر ہنستا رہا۔اور پھر میں نے اس کی ہنسی کو مار دیا۔وہ آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھنے لگا تھا۔" وہ پھر ہنس رہی تھی۔

"تم نے کیا کیا؟" ضیا کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالے اس کی طرف مڑا تھا۔

"میں نے خانم کو کہا،میں خود تمہارے ساتھ کام کرنے کے لیے تیار ہوں،اسے پیسے دینے کی ضرورت نہیں اور آرام سے جا کر ایک کونے میں بیٹھ گئی۔خانم کی تو باچھیں کھیل گئیں،اکبر البتہ مجھے مارنے کے لیے آگے بڑھا۔خانم نے اپنے آدمیوں سے اس کی وہ درگت بنائی کہ ساری عمر وہ مجھے بھول نہیں سکے گا۔

"اور تمہارا شوہر۔۔۔" ضیا کے اچانک پوچھنے پر وہ جھٹکے سے اٹھی تھی۔کندھوں کے گرد لپٹی ہوئی چادر زمین گئی تھی۔

"میرے خط نے اسے سب سمجھا دیا ہوگا۔وہ تو ہمیشہ ہی میری بات مانتا تھا۔"

میں تو نہ جا سکی۔۔۔لیکن پتا کروایا تو پتا چلا تھا کہ وہ ملک ہی چھوڑ گیا ہے۔لیکن میرے ساتھ بے وفائی نہ کر سکا۔اس کے گھر والے خود کو قصوروار کہتے ہیں۔لیکن اب کیا فائدہ ضیا۔۔۔"

"تمہیں لوٹ جانا چاہیے زمزمہ۔۔۔" ضیا اس کے قریب آیا تھا۔

"اللہ نے آج تک تمہاری حفاظت کی ہے۔"اس کے لہجے میں امید تھی۔

"مجھے لگتا ہے ضیا میں سب سہہ لوں گی اب۔۔۔لیکن وہ جو پہلی نظر مجھ پر ڈالے گا ناں مجھ پر۔۔۔زخمی شکوہ زدہ،لہو رنگ وہ میں برداشت نہیں کر پاؤں گی۔" وہ دونوں ہاتھ منہ پر رکھے پھوٹ پھوٹ کے رو دی تھی۔ضیا نے آگے بڑھ کر اور چادر اٹھا کے اس کے سر پر ڈال دی تھی۔

☆......☆......☆

شام کے سائے گہرے ہونے لگے تھے اور اقرا ابھی تک گھر واپس نہیں لوٹی تھی۔زرینہ بیگم کی پریشانی بڑھنے لگی تھی تو مجبوراً حمزہ کے کمرے کا رخ کیا۔۔۔

وہ بے فکر سا لیپ ٹاپ پر مصروف تھا۔ وہ کچھ دیر تذبذب کے عالم میں دروازے میں کھڑی سوچتی رہیں۔ اس وقت حمزہ کو اقرا کے بارے میں بتائیں نہ بتائیں۔ وہ اس کے غصے سے واقف تھیں۔ نہ صرف ان سے خفا ہوتا بلکہ اقرا کو بھی خوب سناتا۔ انہیں اقرا پہ بھی غصہ آرہا تھا۔ انہوں نے بار بار تاکید بھی کی تھی کہ عصر کے بعد گھر آجائے لازمی۔۔۔۔ لیکن اب کافی دیر ہو چکی تھی۔ انہیں لگا مزید دیر نہیں کرنی چاہیے۔ وہ اندر آگئیں۔

"حمزہ۔۔۔" پریشان لہجے میں انہوں نے پکارا تو حمزہ چونک گیا۔

"امی۔۔۔" وہ فوراً اٹھتے ہوئے ان کے پاس آیا تھا۔

"کیا ہوا امی خیریت۔۔۔؟" ماں کے پریشان چہرے نے اسے سچ میں پریشان کر دیا تھا۔

"اقرا ابھی تک گھر نہیں آئی۔" انہوں نے ڈرتے ڈرتے کہا تھا۔

"اف۔۔۔" حمزہ نے گہری سانس کھینچی تھی۔

"آپ نے تو میرا دم نکال لیا تھا۔۔۔" وہ مطمئن سا مسکرایا تو زرینہ اسے اچنبھے سے دیکھنے لگیں۔

"کیا مطلب صبح کی گئی ہے شام ہو رہی ہے، اس میں کوئی پریشانی والی بات نہیں؟" انہیں غصہ آگیا۔

"بالکل۔۔۔" اس نے مسکراتے ہوئے ہیں ماں کو اپنے ساتھ لگایا اور دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کیونکہ وہ کسی غیر کے ساتھ نہیں گئی۔ لالہ کے ساتھ ہے وہ۔" لیپ ٹاپ پر نظریں جماتے ہوئے اس نے سادہ لہجے میں بتایا تھا اور زرینہ بیگم کے چہرے پر ابھرنے والے غصے اور نفرت کے تاثر کو تو نہ دیکھ پایا تھا۔

ٹھیک اسی وقت دروازہ بجا تھا۔

"لیں۔۔۔ وہ آبھی گئیں۔" کہہ کر وہ اٹھ کر چھلاوے کی طرح باہر کی طرف بڑھ گیا تھا۔ اور زرینہ غصے سے لب کچلتی دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی اس کے پیچھے باہر چلی آئیں۔

"مجھے پتا تھا کہ تم دونوں ہی ہو گی۔" چہرے پر مسکراہٹ اڈی چلی آرہی تھی۔

زرینہ بیگم نے حیرت سے بیٹے کے چہرے پر بولتے جذبات دیکھے تھے خوشی امی کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔

"سوری دیر ہوگی۔ السلام علیکم پھپھو۔۔۔" مختصر جواب دے کر لالہ زرینہ کی طرف بڑھی تھی۔ اور زرینہ اقرا کی طرف جو نہ جانے کیوں خود کو کسی مجرم کی طرح لالہ کے سائے میں چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"تو اب تم بھی لالہ کی طرح شام تک آوارہ گردیاں کرو گی۔۔۔" سخت لہجے میں کہتی انہوں نے اقرا کی نازک کلائی اس قدر سختی سے پکڑی تھی کہ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے تھے۔ لالہ البتہ ان کی بات پر بے بسی سے لب کچل گئی۔

"کیا کر رہی ہیں امی چھوڑیں۔" حمزہ تیزی سے ماں کی طرف آیا تھا۔

"یہ تم مجھ سے پوچھ رہے ہو حمزہ بجائے بہن سے باز پرس کرنے کے۔" وہ الٹا حمزہ پہ برسنے لگیں۔

لالہ کی آنکھیں جلنے لگیں وہ اچھی طرح سمجھتی تھی کہ یہ سب صرف اس وجہ سے تھا کہ اقراء لالہ کے ساتھ آئی تھی۔ اگر اس وقت وہ کسی اور دوست کے ساتھ آئی ہوتی بھلے اس لڑکے کے ساتھ تو زرینہ بیگم کا رویہ بالکل الٹ ہوتا۔ وہ صرف اقرا کی بات کا پردہ رکھتیں بلکہ حمزہ اگر کچھ کہنے کی بھی جرات کرتا تو اس سے بھی بھڑ جاتیں۔ اسے وقتی تاسف گھیرنے لگا تھا۔۔۔ کاش وہ اقرا کو اس آوارہ لڑکے کے ساتھ دیکھ کر مکمل اگنور کر دیتی۔۔۔ کوئی داغ تو زرینہ بیگم کے دامن کو بھی چھو گزرتا۔۔۔ لیکن وہ جانتی تھی وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی۔ زرینہ بیگم سے نفرت اپنی جگہ لیکن اقرا اسے سگی بہنوں کی طرح ہی عزیز تھی۔

وہ معصوم تھی اور لالہ ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ اپنی ماں کا کیا کبھی بھی پتھر بن کر اس کی راہ میں آئے۔

"خدا کی پناہ، سب کچھ جانتے ہوئے تم دونوں آنکھیں بند کیسے کر سکتے ہو۔۔۔ کل کلاں کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو میں۔۔۔"

"امی پلیز۔۔۔" حمزہ نے غصے سے ماں کو ٹوکا۔

"امی وہ تو دیر ہو گئی تو میں لالہ آپی کی طرف چلی گئی۔" اقرا نے بات بتائی۔ اسے ڈر تا تھا کہ کہیں امی کی باتوں کے ردعمل میں لالہ سچ ہی نہیں اگل دے۔

"کیوں دیر ہو گئی تھی تو گھر نہیں آ سکتی تھی۔" زرینہ اور تپ گئیں۔

"امی ہو کیا گیا ہے آپ کو۔۔۔ لالہ کے ساتھ آ گئی تو اچھی بات ہے ناں۔۔۔" حمزہ نے دوبارہ ماں کو ٹوکا۔

"میں تم لوگوں کی طرح آنکھیں بند نہیں کر سکتی۔۔۔ تم لوگ تو بچے ہو۔۔۔ تمہیں ابھی لوگوں کو سمجھنا کہاں آتا ہے۔" تیز نظروں سے لالہ کو گھورا۔ وہ اقرا کی دیکھنے لگی۔ لبوں پہ طنزیہ مسکراہٹ سی مچلی۔۔۔ اقرا کا دل ڈوب سا گیا۔

"امی۔۔۔ پلیز۔۔۔" حمزہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کیسے ماں کو چپ کراتا۔۔۔ چپ سی کھڑی لالہ اسے خود سے صدیوں کی دوری پر دکھائی دینے لگی۔

"میں چلتی ہوں۔۔۔" ہاتھ لانگ کوٹ کی جیب میں ڈالے اس نے مسکراتے ہوئے اقرا سے کہا تھا۔

کوئی اسے رکھنے کے لیے نہیں کہہ سکا تھا کہہ بھی نہیں سکتا تھا۔

"میں چھوڑ دیتا ہوں" حمزہ آگے ہوا۔۔۔ لالہ نے ایک طنزیہ نگاہ اس کے وجود پر ڈالی تھی۔

"تمہیں شرم تو نہیں آتی ناں حمزہ۔۔۔" آنکھوں کے ساتھ ساتھ لبوں نے بھی زہر سا اگلا تھا حمزہ ساکت سا وہیں جم گیا۔

"دیکھا۔۔۔ دیکھی اس کی بے شرمی؟" زرینہ کے منہ سے جھاگ اڑنے لگا اقرا ان سے لپٹ گئی۔

"آئندہ خیال رکھنا اقرا۔۔۔" جاتے جاتے اس نے مڑ کر اقرا کو جن نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ اقرا اندر تک کانپ گئی تھی اور حمزہ چونک گیا تھا۔ کوئی بات تو تھی جو لالہ نے اقرا کو نظروں کی زبانی سمجھائی تھی۔ اور شاید وہ سمجھ بھی گئی تھی۔ تبھی اس نے اقرا کے چہرے کا رنگ بدلتے دیکھا تھا۔

اس نے کھلے دروازے کی طرف دیکھا۔۔۔ چوکھٹ خالی تھی۔۔۔ لالہ کب کی جا چکی تھی۔ زرینہ کی آواز اب بھی اس کے کانوں کے پردے چٹخا رہی تھی۔ مگر اب وہ بے حس سا کھڑا تھا۔

☆......☆......☆

سردی بڑھ رہی تھی۔۔۔ راستے دھند میں غائب ہونے لگے تھے۔۔۔ دونوں طرف سے رواں دواں ٹریفک کی روشنیاں بھی اس دھند میں کہیں غائب ہوتی جا رہی تھیں۔ اندھیرے کو مٹانے میں ناکام۔۔۔ لانگ کوٹ کی جیب میں ہاتھ، اونی شال اوڑھے وہ اندھیرے اور دھند سے بے پرواہ فٹ پاتھ پر چلی ت جا رہی تھی۔ گرم نمکین پانی ہر منظر مزید دھندلانے لگا تھا۔

وہ زرینہ کی اکلوتی بھتیجی تھی۔۔۔ ان کے اکلوتے بھائی کی واحد اولاد۔۔۔ پھر بھی جس حقارت سے وہ اسے دیکھتی تھیں۔۔۔ لالہ کا دل کرتا وہ اسی وقت زمین میں زندہ درگور ہو جاتی۔۔۔ زرینہ پھپھو کی باتیں ان کے طعنے جس قدر اسے ان سے بدظن کرتے۔۔۔ اسی قدر وہ اسے ٹھیک بھی لگتی تھیں۔

ایسا اس لیے تھا کہ اس نے کئی بار پھپھو کو امی کے سامنے ان کے منہ پر بے غیرتی اور بے حیائی کے طعنے دیتے سنا تھا انہوں نے تو لالہ کو بھی بے شرم کہا تھا۔ لیکن اس کی ماں کی نظریں ہی ہمیشہ جھکی تھیں۔۔۔ وہ خود کے لیے تو کیا لالہ کے لیے بھی کبھی ایک لفظ نہ بول سکی تھیں۔ اور یہ بات ایک بار نہیں لالہ نے ہمیشہ نوٹ کی تھی۔۔۔ اور اسے پتا چلا کہ پھپھو کی آنکھوں میں عزت کا فخر تھا اور امی کی آنکھوں میں محبت کا داغ۔۔۔ جو انہیں ہی نہیں لالہ کو بھی نظریں جھکانے پر مجبور کر دیتا تھا۔

"میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی امی۔۔۔ کبھی نہیں۔۔۔" سختی سے آنکھیں رگڑتے ہوئے اس نے ایک مرتبہ پھر جیسے خود کو باور کرایا تھا۔۔۔

"کیا ہوں میں۔۔۔" راستے ویران ہونے لگے تھے۔ وہ یونہی بے پرواہ سمت کا تعین کیے بنا چلتی رہی۔

"گل لالہ۔۔۔ بدکردار ماں کی بدنصیب بیٹی" کھمبے پہ لگے بلب کی روشنی میں اسے فٹ پاتھ پر پتھر نظر آیا تھا۔ زوردار ٹھوکر رسید کرتے ہوئے اس نے جیسے غصہ اس پتھر پر نکالا تھا۔

"اوئے۔" غصیلی بھاری مردانہ آواز پر اس نے چونک کر سامنے دیکھا تھا۔ وہ تین مرد تھے۔ بڑی بڑی مردانہ شالیں اوڑھے فٹ پاتھ کے کنارے بیٹھے شاید نشہ کرنے میں مصروف تھے۔ پتھر شاید سیدھا انہی کو پڑا تھا۔ تبھی انہی میں

سے ایک شخص تقریباً غرایا تھا۔ وہ تینوں کھڑے ہو رہے تھے۔ فاصلہ زیادہ نہیں تھا لیکن نہ جانے کیوں لالہ انہیں نہیں دیکھ پائی تھی۔ اسے آج یقین آیا تھا کہ غصہ واقعی حرام چیز ہے۔ انسان کو بڑی سے بڑی مشکل میں پھنسا سکتا ہے۔۔۔ ان تینوں کے چہروں پر پچھلے غصے پر اب شیطانیت غالب آنے لگی تھی ہونٹوں کے ساتھ آنکھوں میں بھی شیطانی مسکراہٹ چمکنے لگی تھی۔

"مجھے حوریں کیوں نظر آنے لگی ہیں اکبر۔۔۔" مکروہ چہرے والے اس شخص نے دانت نکالتے ہوئے لڑکھڑاتے لہجے میں کہا۔

"چھوڑو یار۔" دوسرے نے لالہ کی طرف پیش قدمی کی۔ لالہ بے اختیار دق قدم پیچھے ہوئی۔ سڑک ویران تھی۔ یہ ایک ذیلی سڑک تھی سو ٹریفک بالکل نہیں تھی۔۔۔ اس کا دل بے قابو ہونے لگا۔ حواس ساتھ چھوڑنے لگے۔

"زما جانان راغلے۔۔۔ زما جانان راغلے۔۔۔" وہی مکروہ چہرے والا زور زور سے گنگنانے لگا۔ لالہ کو لگا بس یہی ایک لمحہ تھا اس کے پاس۔۔۔ ورنہ وہ ساری عمر اس جگہ سے ہم نہیں پائے گی۔ اس نے ان قریب آتے سایوں کو خوفزدہ ہو کر دیکھا اور اس سے پہلے کہ وہ مکروہ چہرے والا اس کے بالکل قریب پہنچ کر اسے پکڑنے کی کوشش کرتا۔۔۔ اس نے پلٹ کر دوڑ لگا دی تھی۔ وہ جانتی تھی وہ تینوں نشے میں تھے دوڑ بھی لیتے تب بھی مین روڈ تک اس سے پہلے نہیں پہنچ سکتے تھے۔ تب تک وہ کسی سے مدد لے سکتی تھی۔ وہ پاگلوں کی طرح دوڑتی ہوئی مین روڈ پر آئی تھی۔ بلب کی زرد روشنی میں لڑکھڑاتے قدموں سے وہ ابھی تک اس کے پیچھے تھے۔ اس نے ذرا دیر ٹھہر کر سمت کا تعین کیا اور پھر ایک طرف دوڑنے لگی پتا نہیں اسے سڑک ناپتے کتنی دیر ہو چکی تھی۔

مین سڑک پر بھی اِکا دُکا ٹریفک تھی۔ اس کی اونی شال پھسلتے پھسلتے اس کے شانوں سے ہوتی فٹ پاتھ پر گر گئی وہ ذرا دیر رک کے اسے اٹھانے لگی تھی۔ جب گاڑی کی تیز ہیڈ لائٹس نے اس کی آنکھیں چندھیا دی تھیں۔ وہ چند پل کے لیے بے بس سی وہیں گر گئی۔ لینڈ کروزر اس کی سائیڈ پر رک چکی تھی۔ لائٹس ابھی تک اس کے وجود کا احاطہ کیے ہوئے تھیں۔

لینڈ کروزر کا دروازہ کھلا اور بھاری بوٹوں میں مقید قدم دھمک سی پیدا کرتے آہستہ آہستہ چلتے اس کے قریب آئے تھے۔ وہ بمشکل شال اٹھا کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ سامنے کھڑے شخص کو پہچاننے میں اسے ایک منٹ سے بھی کم لگا تھا۔ اس کا دل بے تحاشا دھڑک اٹھا تھا۔

"گاڑی میں بیٹھو۔" لالہ نے دیکھا اس کے گال کا گڑھا کافی گہرا ہو گیا تھا۔

"میں، میں خود چلی جاؤں گی۔" تیزی سے شال اپنے گرد لپیٹتی اس نے اپنا اعتماد بحال کرنا چاہا تھا۔

"گاڑی میں بیٹھو لالہ۔" ڈمپل ایک سیکنڈ میں غائب ہوا تھا۔ آواز میں بھی سختی در آئی تھی۔

"میں نے کہا ناں۔۔۔" اس نے کہنا چاہا کہ تبھی اس نے اسلحہ بردار آدمیوں کو تیزی سے اپنے دائیں بائیں جگہ سنبھالتے دیکھا تھا۔ وہ ساکت رہ گئی تھی۔

"فکر مت کرو یہ تمہیں ہاتھ نہیں لگائیں گے۔" وہ پھر مسکرا رہا تھا۔

لالہ کو اس کی مسکراہٹ زہر لگی۔

"اب خود بیٹھو گی یا میں۔۔۔" ذومعنی لہجے میں کہتا وہ لالہ کو مزید سلگا گیا۔

" کیوں کہ خیر سے میں ان کی طرح شریف تو بالکل بھی نہیں ہوں۔اگر تم خود نہ بیٹھیں تو میں ہاتھ بھی لگا سکتا ہوں۔" وہ دو قدم آگے آیا تھا۔لالہ تیزی سے اس کے پہلو سے ہوتی فرنٹ سیٹ پر جا بیٹھی تھی۔جس کا دروازہ ایک ملازم اسی کے لیے کھول چکا تھا۔

"تم سب ٹیکسی لے کر آ جانا فارم۔۔۔میں خود آ جاؤں گا۔" دروازہ خود بند کرتے ہوئے اس نے اپنے آدمی سے کہا تھا۔اس نے سر ہلاتے ہوئے فوراً چابی اسے پکڑا دی تھی۔وہ گھوم کر فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا تھا۔

گاڑی اسٹارٹ ہوتے ہی لالہ چونکی تھی۔

"ان سب کو تو بیٹھنے دیں۔" وہ پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے بولی۔

" کیوں۔۔۔؟" گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے اس نے معصومیت سے پوچھا تھا۔

" کیا مطلب کیوں؟ میں یوں اکیلے آپ کے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گی۔" وہ چلتی گاڑی کا دروازہ کھولنے کی کوشش کرنے لگی۔اسے ناکامی ہوئی تھی۔

"میں کسی کا ڈرائیور نہیں ہوں۔" مسکراتے ہوئے جواب آیا تھا۔لالہ کو لگا وہ اس کی بے بسی پہ مسکرا رہا تھا۔اسے غصہ آنے لگا۔

"ہاں،تو یہی تو میں کہہ رہی ہوں، میرا ڈرائیور بننے کی بھی آپ کو کوئی ضرورت نہیں ہے۔" وہ سخت لہجے میں بولی۔۔۔

"تمہارے لیے تو میں کچھ بھی۔۔۔بن سکتا ہوں۔" لکیر سا ڈمپل گہرا ہوا تھا۔لالہ کا دل کیا اپنے لمبے ناخن اس کے ڈمپل میں گھسیڑ دے۔

" کچھ بھی مطلب۔۔۔" لالہ نے پوچھا تھا۔اور اسی لمحے اس نے گاڑی روک دی اچانک۔۔۔گاڑی کے ٹائر زور سے چرچرائے تھے۔لال نے بمشکل خود کو سنبھالا تھا۔

" کچھ بھی مطلب۔۔۔"وہ پورے کا پورا اس کی طرف رخ پھر گیا تھا۔لالہ کی دھڑکنیں بند ہونے لگی تھیں۔

" کچھ بھی مطلب کچھ بھی۔۔۔"اس کی آنکھوں میں کتنے رنگ تھے۔وہ سمجھ نہیں سکتی تھی۔اس کے الفاظ اس قدر صاف تھے کہ لالہ بخوبی سب مطلب سمجھ سکتی تھی۔لیکن اس کی آنکھیں۔۔۔اسے بے ساختہ اس سے بے انتہا خوف آیا تھا۔وہ سمٹ کے بند کھڑکی سے جیسے چمٹ کے رہ گئی تھی۔

"ضیا۔۔۔دور ہٹو پلیز" اسے تکتے وہ زور سے چلائی تھی۔اور حیرت انگیز طور پر وہ فوراً مسکراتے ہوئے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا۔گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کر دی تھی۔لالہ نے تیزی سے موبائل نکالا۔بیٹری ختم ہو چکی تھی سیل آف تھا۔اس کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔وہ کسی

کو بھی انفارم نہیں کر سکتی تھی۔ نہ ہی کوئی اس سے رابطہ کر پا رہا ہوگا۔ سب کس قدر پریشان ہوں گئے اور ضیا۔۔۔ ضیا نہ جانے اسے کہاں لے کر جانے والا تھا۔ کیا کرنے والا تھا وہ اس وقت کو کوسنے لگی جب وہ اس سے خوفزدہ ہو کر اس کی گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔ اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔ لالہ نے ضیا کو دیکھا جو چیونگم چباتا آگے دیکھ رہا تھا بلیک کلر کی شلوار قمیض میں اس کی سفید رنگت مزید نکھر سی گئی تھی۔ اس کی شخصیت میں عجیب سا وقار تھا۔ وہ اپنی شخصیت کے بالکل الٹ تھا۔ شکل وصورت سے تو شریف ہی لگ رہا تھا۔ لالہ کے دل کو ڈھارس سی ہونے لگی تھی۔

"اکثر مکروہ چہرے انہی خوب صورت چہروں کے پیچھے چھپے ہوتے ہیں۔۔۔" نئی سوچ نے پھر سے اس کے رونگٹے کھڑے کر دیے۔ اسٹیئرنگ پر مضبوطی سے جمے وہ اس کے ہاتھ کو دیکھنے لگی۔ جس پر ڈارک براؤن کلر کا گندھا ہوا دھاگہ بے حد جچ رہا تھا۔

" کیا کروں میں۔۔۔" وہ بڑبڑائی۔

" نیچے اترو۔" مسکراتے ہوئے ضیا نے جواب دیا تھا۔ وہ چونکی گاڑی رک چکی تھی۔

" یہاں،، یہاں کیوں اتروں۔۔۔" وہ بدبدائی۔۔۔

" کیوں، یہاں نہیں اترو گی تو کیا میرے ساتھ میرے گھر چلنے کا ارادہ ہے۔" وہ اس کی طرف جھکتے ہوئے شرارت سے بولا تھا۔ لالہ نے حیرت سے سامنے دیکھا تھا۔ اور اگلے لمحے اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔ گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں گلی کا منظر بے حد واضح تھا گلی خاص طویل تھی جو اس وقت بالکل ویران تھی گلی کے بالکل آخری سرے پر ذرا سا ترچھا بنا ہوا گیٹ اس کے گھر کا تھا۔

"اترو گی یا گاڑی اسٹارٹ کر دوں؟" وہی دوستانہ بھاری مسکراتا لہجہ۔۔۔

"لیکن میں نے تو تمہیں ایڈریس نہیں بتایا۔" وہ سامنے دیکھتے ہوئے گم صم سی بولی۔

"تم نے تو شاید مجھے اپنا نام بھی نہیں بتایا تھا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا اور لالہ کی طرف دیکھا جو اب واقعی گھبرائی ہوئی لگ رہی تھی۔

" مجھے تمہارے ایک، ایک پل کی خبر ہے لالہ۔۔۔" اس کی طرف جھکتے ہوئے اس نے عجیب سے لہجے میں کہا تھا۔ لالہ کو اس کی آنکھوں سے خوف سا آ رہا تھا۔ اس نے دروازہ کھولنا چاہا لیکن نہ کھلا۔ ضیا نے ذرا سا آگے ہو کے اس کے قریب ہوتے ہوئے اس کے لیے دروازہ کھول دیا تھا۔ وہ تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔ گھر کا دروازہ کھلا تھا۔ تبھی وہ فوراً اندر غائب ہو گئی تھی۔ ضیا نے مسکراتے ہوئے گاڑی واپس موڑ لی تھی۔۔۔ اسے یقین تھا کہ آج رات تو اس نے لالہ کے خوابوں میں جگہ یقیناً پا لی تھی۔ وہ سیٹی بجانے لگا تھا۔ گاڑی کی اسپیڈ بھی بڑھا دی تھی۔

☆......☆......☆

طویل گلی کراس کر کے اس نے گیٹ کو ذرا سا دھکا دے کر دیکھا تھا۔ گیٹ کھلا تھا۔ وہ تیزی سے اندر آ گئی اور اتنی ہی تیزی سے گیٹ دوبارہ بند بھی کر دیا تھا۔ سامنے ہی برآمدے میں فون پر شاہ ویز کسی سے بات کرنے میں مصروف تھا۔ ٹیوب لائٹ کی تیز روشنی میں ا

س کے چہرے پر چھائی پریشانی واضح نظر آ رہی تھی۔اس سے کچھ فاصلے پہ ہی جائے نماز پر بیٹھی سبین آنسوؤں سے تر چہرہ لیے اس کے لیے ہی دعا گو تھی شاید۔۔۔ گیٹ کے کھٹکے پر دونوں چونکے تھے پھر لالہ نے ان دونوں کو ہی تیزی سے اپنی طرف آتے دیکھا تھا۔سبین تو قریب آتے ہی اس سے لپٹ گئیں۔

ان کی گرم آغوش میں نہ جانے کیوں اس کے اندر کی تپش مزید بڑھ گئی۔ضیا کے خوف پر زرینہ پھپھو کی کڑوی کسیلی باتیں اور طعنے غالب آنیلگے ۔اس کی پلکیں بھیگنے لگی تھیں۔وہ بے آواز رونے لگی تھی۔

"کہاں تھیں، اقرا کے ساتھ تھیں ناں تم۔۔۔ پھر حمزہ کے بغیر وہاں سے کیوں نکلیں۔۔۔وہ بھی رات کے وقت۔۔۔ مجھے فون کر کے بلا لیا ہوتا۔۔۔" شاہ ویز نے اس کا بازو دھیرے سے تھام کر اسے ماں سے الگ کیا تھا اور سوالوں کی بوچھاڑ کر دی تھی۔وہ سمجھ گئی تھی حسب عادت زرینہ پھپھوا سے بھی کوئی کہانی سنا چکی تھیں۔شاہ ویز بولتا جا رہا تھا اور وہ بت بنی سن رہی تھی۔اندر کا شور زیادہ تھا۔باہر کی آوازیں سنائی ہی نہیں دے رہی تھیں۔

"تھکی ہوئی آئی ہے شاہ ویز۔۔۔ابھی اسے کچھ آرام کرنے دو۔۔۔نہ جانے کیسے اس وقت گھر آئی ہے۔" سیب نے اسے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

"یہی تو میں پوچھنا چاہ رہا ہوں امی۔۔۔ کہ آخر اسے اس وقت اکیلے آنے کی ضرورت کیا تھی؟" وہ سخت غصے میں تھا۔اور اس کا غصہ بجا تھا۔شہر کے حالات جس قدر خراب تھے، مرد بھی زیادہ دیر رات کو گھر سے باہر نہیں رکتے تھے اور آج اتنی دیر اسے پاگلوں کی طرح ڈھونڈ ڈھونڈ کے وہ کس قدر خوار ہوا تھا وہ ہی جانتا تھا۔

"حمزہ چھوڑنا چاہ رہا تھا لیکن پھپھو نے منع کر دیا۔" نے صاف بتا دیا لہجہ اب بھی بھیگا ہوا تھا۔

"زرینہ پھپھو۔۔۔"شاویز کا تو منہ کھل گیا۔

"اُف میرے خدا۔۔۔"وہ سر پکڑ کر رہ گیا۔

"حمزہ نے بھی کچھ نہیں کہا۔۔۔" سبین جیسے گہرے صدمے سے بولیں۔

"بے غیرت لوگوں کے بچے بھی بے غیرت ہوتے ہیں امی۔"ایک ایک لفظ چبا کر کہتی وہ اپنی اصلی جون میں واپس آئی تھی۔

"اچھا چھوڑو تم اندر جا کر آرام کرو میں کچھ کھانے کے لیے لاتی ہوں۔"امی ہمیشہ کی طرح زرینہ پھپھو کی بات چھڑتے ہی بات بدل گئی تھیں۔اسے اندر ہی اندر تاسف گھیرنے لگا اور اس کی ماں ان کے خلاف دو لفظ کیوں نہیں بولتیں کے سن کر اس کی بھی کچھ روح شانت ہو۔

"نہیں، میں اب سوؤں گی۔آپ لوگ بھی آرام کریں۔"وہ صاف لہجے میں منع کرتی کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"سنو۔۔۔"شاہ ویز بھاگ کے اس کے قریب آیا تھا۔وہ رکی۔

"آئندہ زرینہ پھپھو کی طرف جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔۔۔اور جہاں بھی دیر ہو جائے مجھے بلا لیا کرو۔۔۔یوں اکیلے نہ نکل پڑا کرو واو کے۔۔۔"اس کے لہجے میں م بھائیوں کی دھونس تھی۔وہ اداسی سے مسکرا دی اور سر اثبات میں ہلاتے ہوئے کمرے میں چلی گئی۔

"امی،اب آپ بھی جا کر سو جائیں۔"اس کے جاتے ہی شاہ ویز نے ماں سے کہا۔

"لیکن اس نے کھانا تو کھایا نہیں۔"وہ اداس تھیں۔

"پتا ہے ناں آپ کو۔۔۔"وہ ماں کو شانوں سے تھامتا ان کے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

"کتنا چڑ جاتی ہے وہ زرینہ پھپھو کی باتوں سے۔۔۔ابھی کہاں ہو گی اسے بھوک۔۔۔لیکن آپ بالکل بے فکر رہیں بڑی ہو گئی ہے لالہ۔۔۔بھوک لگے گی تو اٹھ کر خود ہی کچھ بنا لے گی۔"اس کی آواز میں تسلی تھی سبین کو اس کی بات پر یقین کرنا ہی پڑا تھا۔

☆......☆......☆

حویلی کے پائیں باغ میں برآمدے سے کچھ دور جلتے الاؤ کے ارد گرد لکڑی کی چوکیوں پر بیٹھے سبھی نفوس خوش گپیوں میں مصروف تھے۔سب سے زیادہ گل مینہ بول رہی تھی اور اس کی باتوں پر سہراب علی خان کے بھاری قہقہے اور اوز گل کی دھیمی ہنسی کسی جھرنے کے گرنے کی سی آواز پیدا کر دیتی۔۔۔سرد خاموش ماحول میں چٹختی لکڑیوں اور ان سب کی دھیمی دھیمی گفتگو بے حد خوب صورت سماں باندھ رہی تھی۔

"با۔۔۔جی۔۔۔آپ نے کہا تھا اس ہفتے مجھے بھی بھائی کے پاس شہر بھیج دیں گے۔"

الاؤ پہ ہاتھ سینکتی گل مینہ کو اچانک ہی یاد آیا۔

"کہا تو تھا لیکن اب سوچ رہا ہوں کہ اپنے وعدے سے مکر جاؤں۔" گھنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔مینہ تو تڑپ اٹھی۔

"وہ کیوں با۔۔۔جی۔"وہ اٹھ کر ان کے پاس ہی زمین پر بیٹھ گئی۔چہرے پر ایک دم مایوسی لو دینے لگی۔انہوں نے دایاں بازو اس کے گرد لپیٹتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔

"وہ اس لیے کہ تمہارے بعد بھلا میرا کیا ہو گا؟"انہوں نے پیار سے کہتے ہوئے اس کی پیشانی چوم لی اوز گل نے رشک سے ننھی چھوٹی بہن کو دیکھا وہ جانتی تھی کہ اس کے بابا کی زندگی میں اگر کوئی انسان اہم تھا تو صرف گل مینہ ہی تھی۔

ضیا اور اس کی حیثیت ثانوی تھی۔سہراب کی کائنات کا محور گل مینہ تھی۔ضیا ان کا واحد سپوت تھا،ان کا وارث۔۔۔انہیں اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھا۔لیکن بہر حال ان کے کچھ اصول انہیں ضیا سے بھی زیادہ پیارے تھے لیکن اوز گل نے دیکھا تھا۔جہاں بات گل مینہ کی آتی تھی۔وہاں وہ اکثر اصول بھی توڑ دیتے تھے۔۔۔اور ایک دفعہ اس نے ہی مذاق میں کہا تھا

"با۔۔۔جی اپنے اصولوں پر مجھے اور ضیا کو قربان کر دیں لیکن مینہ۔۔۔وہ گل مینہ پر یہ سارے اصول ہی قربان کر دیں گے۔"

اسے یاد تھا اس کی بات پر با جی خوب دل کھول کر ہنسے تھے۔اور آخر میں مسکراتے ہوئے گود میں بیٹھی معصوم سی گل مینہ کی پیشانی چومتے ہوئے کہا تھا۔

"ایسا ہو بھی سکتا ہے گل مینہ میں تو میرا دل دھڑکتا ہے۔"

"با۔۔۔جی" گل مینہ کی تیز نروٹھی آواز پر وہ چونکی با۔۔۔جی اب بھی مسکرا دیئے تھے سرخ و سفید چہرے پر الاؤ میں جلتی آگ کا آتشی رنگ اسے مزید نکھار بخش رہا تھا۔اوزگل کو ان کی گھنی مونچھوں تلے شرارت سے مسکراتے ہوئے بے حد خوبصورت لگے تھے۔

"اچھا مذاق کر رہا تھا۔"انہوں نے پیار سے اسے ساتھ لگایا۔

"تم دونوں تیاری کرلو، میں نے ضیا سے کہہ دیا ہے۔جلد ہی تمہارا کسی اچھے پرائیویٹ کالج میں داخلہ ہو جائے گا۔"انہوں نے بالآخر خوشخبری سنادی گل مینہ تو اچھل پڑی۔

"سچ با۔۔۔جی"

"ہاں۔۔۔با۔۔۔جی کی جان۔۔۔لیکن یہ تو بتاؤ میں تو تمہارے بغیر رہ نہیں سکتا۔۔۔تم مجھ سے اتنی دور رہ کر کیسے گزارہ کرو گی۔"انہیں تشویش تھی۔

"یہ چار پانچ گھنٹوں کی تو مسافت ہے۔۔۔ با۔۔۔جی۔۔۔

پھر بیٹیاں کہاں ساری عمر ماں باپ کے گھر رہتی ہیں۔"اس نے شرارت سے کہیں پڑھا فلسفہ سنایا تھا۔لیکن اوزگل نہ جانے کیوں سہم سی گئی اس نے یکلخت با۔۔۔جی کے چہرے پر چھائی مسکراہٹ غائب ہوتے دیکھی تھی۔اسے لگا آگ کا الاؤ ابھی پھیل جائے گا۔سب بھسم کر جائے گا کیونکہ اس نے دیکھا تھا اس کے با جی کو بیٹیوں کی شادی کے نام سے بھی چڑ تھی۔وہ ان سے بے حد محبت کرتے تھے انہیں خود سے جدا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے لیکن یہ گل مینہ۔۔۔

اسے گل مینہ پر غصہ آنے لگا۔اسے لگا مسکراتے با جی اب خوامخواہ بگڑ جائیں گے۔۔۔سارا ماحول دہشت ناک ہو جائے گا۔محبت مسکراہٹ اور یہ فسوں۔۔۔سب ایک لمحے میں ختم ہونے والا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔"با۔۔۔جی کی دھیمی آواز پر اس نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔الاؤ کے دوسری طرف آگ کے لپکتے شعلوں میں با۔۔۔جی کے سرخ پڑتے چہرے پر اب بھی ہلکی سی سے مسکراہٹ تھی۔گہری مسکراہٹ سجائے گل مینہ ان سے خوشی سے لپٹتی جا رہی تھی۔اوزگل کی نظریں ان دونوں پر جم سی گئیں۔۔۔گل مینہ کی قسمت پر اسے رشک سا آنے لگا تھا۔گل مینہ کیا تھی ان کے لیے۔۔۔"اس نے ان دونوں کو تکتے ہوئے سوچا۔

" آزمائش ہے۔۔۔آزمائش ہے تو۔۔۔" قہقہے لگاتی اللہ لوک بالکل اچانک ہی گل مینہ کے قریب آ چلائی تھی۔ وہ اس قدر اچانک وہاں آئی تھی کے کوئی بھی اسے آتا نہ دیکھ سکا تھا نہ کچھ دیر تک حرکت کر سکا تھا۔

" پکڑ ہو گئی تیری۔۔۔پکڑ ہو گئی۔۔۔" وہ اب قہقہے لگا، لگا کر کہتی الاؤ کے قریب آ چکی تھی۔ اور اس سے پہلے کہ ان میں سے کوئی کچھ سمجھتا اس نے دونوں ہاتھوں میں جلتی لکڑیاں اٹھا لی تھیں۔ دونوں لکڑیوں کے سروں پر شعلے لپک رہے تھے۔

"مہلت ختم ہونے لگی ہے۔" وہ آگ سہراب علی خان کو دکھانے لگی۔ انہوں نے بنا خوفزدہ ہوئے خوف سے چلاتی گل مینہ کو حفاظت سے اپنے پیچھے کیا اور دھیرے دھیرے اللہ لوک کے قریب آنے لگے تھے۔ یہی حرکت اللہ لوک کے پیچھے کھڑی اوزگل نے بھی کی تھی۔ دھیرے دھیرے وہ بھی اللہ لوک کے قریب آنے لگی تھی۔

" تیری مہلت ختم۔۔۔تیری مہلت ختم۔۔۔" وہ چلا رہی تھی۔

" خالی ہاتھ رہ جائے گا تو۔۔۔پکڑ بڑی سخت ہے۔۔۔تیری پکڑ ہو گئی۔۔۔" وہ بھڑکتی لکڑی ان کی طرف بڑھاتے ہوئے دیوانہ وار کہتی اور وہ جھٹکے سے پیچھے ہو کر اپنا چہرہ جلنے سے بھی بچاتے اور اسی قدر تیزی سے مزید آگے بھی ہو جاتے پھر اس سے پہلے کہ سہراب علی خان ان تک پہنچتے اوزگل نے انہیں جا لیا تھا اور جھٹکے سے ان کے ہاتھ سے لکڑیاں لے کر الاؤ کی طرف اچھال دی تھیں۔

اللہ لوک بپھر سی گئی تھیں۔ مزید چلانے لگیں، اوزگل نے ان کا کمزور وجود بانہوں میں سمیٹ لیا تھا۔

" بی بی جانے۔۔۔بی بی جانے۔۔۔" وہ ان کو بچوں کی طرح پچکارنے لگی تھی۔

" آگ بھڑک رہی ہے بچے میں نے خود دیکھا۔۔۔آگ بھڑک رہی ہے، تندور گرم کر لیے گئے ہیں۔۔۔" وہ تیز تیز لہجے میں اوزگل کو بتانے لگیں۔

" پکڑ ہو گئی ہے۔۔۔پکڑ ہو گئی ہے۔۔۔" وہ اب سسکتی بڑبڑاتی اللہ لوک کے وجود کو تھامے اندر کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ڈری سہمی گل مینہ سہراب علی خان کے مضبوط وجود سے چمٹ گئی تھی اور وہ وہیں کھڑے ضبط سے مٹھیاں بھینچ رہے تھے۔ اللہ لوک کی چیختی آواز اب بھی ساری حویلی کا سناٹا چیرے دے رہی تھی۔ نجانے کیوں الاؤ کی آگ مزید بھڑکنے لگی تھی۔

" لگتا ہے زندہ قبروں میں ایک اور اضافے کا وقت آ گیا ہے۔" انہوں نے نخوت سے سوچا تھا۔

☆......☆......☆

"اس نے اپنے آپ کو بستر کے بجائے لق دق صحرا میں تپتی ریت پر پڑا پایا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا تھا۔ اور پھر اتنی ہی تیزی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس نے ایک گھبرائی ہوئی نگاہ چاروں طرف دوڑائی تھی۔ اس کے چاروں طرف ریت کا نہ ختم ہونے والا صحرا تھا۔ سخت تیز چمکدار دھوپ میں چمکتی ریت کو دیکھتے ہی اس کی نظریں بھی جلنے لگی تھیں۔

"یہ میں کہاں آ گیا۔" وہ ششدر سا دل میں سوچ رہا تھا۔

"اور اب میں یہاں سے نکلوں گا کیسے۔" وہ مزید پریشان ہوا اور پھر چند لمحے یونہی مایوس سا کھڑا ارد گرد دیکھتا وہ چلنے لگا تھا۔
اسے یقین تھا کچھ دیر گرم ریت پر چلنے کے بعد اس کے پیروں میں چھالے نکل آئیں گے کیونکہ اس کے پیر ننگے تھے اسے یہ بھی معلوم تھا کہ کچھ دیر بعد سخت دھوپ اور گرم ہوا اسے جھلسا دینے والی تھی۔اس پیاس سے مر جاتا تھا۔کیونکہ فی الحال اس کے پاس کچھ بھی ایسا نہیں تھا کہ ان سخت ترین عوامل کا مقابلا کر سکتا اور سمندر جیسے وسیع صحرا میں بھی ایسا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا کہ جو اس کے لیے مددگار ثابت ہوتا۔اسے اپنے لئے بے حد بے بسی سی محسوس ہوئی تھی۔

اس نے کچھ دیر لمبی سانسیں لیں اور پھر ایک طرف دوڑنا شروع کر دیا۔پورے پندرہ منٹ پاگلوں کی طرح دوڑتے ہوئے وہ اچانک ٹھٹک کر رکا تھا۔اسے اچانک ہی احساس ہوا تھا کہ اس قدر تیز دھوپ میں اور گرم ریت پر چلنے کے باوجود بھی اسے تپش محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

یہ سب صرف اس کا خیال تھا سر پر آگ برساتے سورج کو دیکھ کر اسے پہلا احساس یہی ہوا تھا کہ ریت گرم ہو گی اور ہوا جھلسا دینے والی لو کی طرح۔۔۔اور پیاس کی شدت سے وہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کے جان دے دے گا۔

لیکن اب اسے احساس ہوا تھا،اس قدر شدید گرمی میں بھی ریت نرم اور ٹھنڈی تھی اور ہوا بھی اتنی گرم نہیں تھی کہ اس کی تپش اسے جلا کر رکھ دیتی۔۔۔وہ صحیح معنوں میں حیران رہ گیا تھا۔ماجرا تھا تو کیا تھا؟اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔۔۔ گرم نہ سہی پھر بھی وہ اس لق دق صحرا میں زیادہ وقت نہیں گزار سکتا تھا۔وہ اپنی شرٹ کے بٹن کھولتا دوبارہ چلنے لگا تھا۔

اس نے کافی فاصلہ طے کر لیا تھا لیکن اب بھی اس ریت کے سمندر کی حد نظر نہ آ سکی تھی۔تبھی اس نے کچھ شور سا سنا تھا۔وہ کچھ دیر سمت کا اندارہ لگانے کے بعد بے تحاشا اس سمت دوڑا تھا۔کچھ دور دوڑنے کے بعد ہی آوازیں واضح ہو گئی تھیں۔۔۔وہ کسی کے چلانے کی آواز تھی۔۔۔کوئی مدد کے لیے پکار رہا تھا۔۔۔وہ اور تیز بھاگنے لگا۔۔۔

دیت کے سمندر میں کوئی نقطہ سا ابھرا تھا۔اس نے بھاگنے کی رفتار بڑھا دی۔نقطہ بڑا ہونے لگا تھا۔

یہ سرخ اینٹوں سے بنا کنواں تھا آواز اس کنوئیں کے اندر سے آ رہی تھی۔وہ تیزی سے کنویں کے قریب آیا تھا اس نے کافی اونچی منڈیر سے نیچے جھانکا جھولتے ڈھول کو مضبوطی سے تھامے کوئی لڑکا مدد کے لیے مسلسل پکار رہا تھا۔وہ کافی گہرائی میں تھا وہ اس کا مکمل چہرہ نہیں دیکھ پا رہا تھا۔

"سنو۔۔۔" اس نے ہاتھوں کا پیالہ بنا کر زور سے پکارا تھا۔کنویں کی دیواروں سے سر ٹکراتی اس کی آواز کی گونج بے حد شدید تھی۔وہ لڑکا اوپر کی طرف دیکھنے لگا۔

"ڈرومت تم کس کے رسی تھامے رہو "اس نے لڑکے کو حوصلہ دلاتے ہوئے کہا۔

"میں ابھی تمہیں اوپر کھینچ لوں گا۔"اس نے مزید زور سے چلاتے ہوئے اس بچے کو تسلی دی اور تیزی سے ڈھول سے بندھی رسی کو اوپر کھینچنے لگا۔ بچی آہستہ آہستہ اوپر آنے لگا۔ اس کا سرخ وسفید خوب صورت چہرہ اب واضح نظر آنے لگا تھا۔ بے حد خوب صورت آنکھیں اپنے مسیحا پہ جمی تھیں اس کی آنکھوں میں چمکتی امید واضح دیکھ سکتا تھا۔ اس کے ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے۔ ڈھول کافی اوپر آ گیا تھا۔ اور عین اسی وقت ڈھول جھٹکا کھا کے ذرا سا نیچے کھسکا تھا۔ بچے کے منہ سے زوردار چیخ نکل گئی باریال نے دیکھا ڈھول کے بالکل قریب بندھی رسی پرانی ہونے کے باعث گل سی گئی تھی تبھی وہ شاید اس صحت مند بچے کا وزن برداشت نہیں کرتے ہوئے جگہ، جگہ سے ادھڑنے لگی تھی۔

"ڈرومت میں ابھی تمہیں نکال لوں گا۔" اپنی پریشانی پر قابو پاتے ہوئے اس نے بچے کو تسلی دی۔ اور مزید تیزی سے رسی کھینچنے لگا۔ جس قدر بچہ اوپر آ رہا تھا اسی قدر باریال کا جوش بڑھتا جا رہا تھا۔ اور پھر اچانک دھکا سا لگا تھا رسی ایک دم ہی اس کے ہاتھ میں آ ئی تھی۔ باریال نے گھبرا کر پہلے رسی کو پھر تیزی سے آگے بڑھ کر نیچے کنویں میں گہرائی میں گرتے ڈھول کو دیکھا تھا۔ لڑکا خوفزدہ پھٹی نگاہوں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ لحہ بہ لحہ اس سے دور جا رہا تھا اور پھر وہ کسی نقطے کی طرح اندھیرے میں گم ہونے لگا تھا۔

"بھائی" بچے کی روح فرسا پکار پر وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا تھا۔ لائٹ نہیں تھی شاید۔۔۔ اسی وجہ سے کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔ پسینے میں شرابور باریال نے تیز تیز سانس لیتے ہوئے خود کو نارمل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے دل کی دھڑکن کمزور سی ہونے لگی۔ اس نے جلدی سے تکیے کے نیچے رکھا موبائل اٹھایا اور فلیش جلا کر سائیڈ ٹیبل پر پڑی ننھی سی بوتل اٹھالی۔ دوا لینے کے بعد کچھ دیر وہ یونہی بیٹھا سوچتا رہا تھا۔ یہ نہیں تھا کہ وہ کوئی نفسیاتی مریض یا ڈپریشن کا شکار تھا لیکن نجانے کیوں

پچھلے دس سال سے اس طرح کے خواب آ، آ کر اسے پریشان کرتے رہتے تھے۔ دیدے نے کافی دم دعا بھی کروائی۔ ڈاکٹر سے بھی کنسلٹ کیا لیکن سب بے سود۔۔۔ کبھی ہفتوں تو کبھی مہینوں بعد آنے والا یہ خواب جب آتا تو نہ جانے کتنے ہی دن باریال بے چین ہی رہتا۔۔۔ یادداشت میں رہ جانے والی چند کڑیوں سے نئی کڑیاں ملاتا، اس کا کھوج لگانے کی کوشش بھی کرتا مگر ناکام ہی رہتا۔

ڈاکٹرز کے مطابق ان خوابوں کا تعلق اس کے ماضی سے تھا۔ کوئی ایسا واقعہ جو وہ بھول نہیں پا رہا تھا۔ وہ

خود کسی حادثے کا شکار ہوا ہو گا اور یہ خوف اس کے دل میں بیٹھ گیا۔

لیکن۔۔۔ باریال خوف جانتا تھا کہ نظر آنے والا بچہ وہ خود ہرگز نہیں تھا وہ تو ہمیشہ اسے بچانا چاہتا ہے۔۔۔ حادثہ اس کے ساتھ تو نہیں کسی اور کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ کون ہے؟ کیوں اسے مدد کے لیے پکارتا ہے؟ باریال کو لگتا تھا اس خواب کا تعلق اس کے مستقبل سے تھا۔۔۔ جلد یا بدیر۔۔۔ کہیں نا کہیں وہ لڑکا، کسی نہ کسی صورت اس سے ٹکرانے والا تھا۔ اسے بس تھوڑا سا ہوشیار رہنا تھا۔

اس نے دونوں ہتھیلیوں کی مدد سے چہرے سے پسینہ صاف کیا اور اٹھ کر آئینے کے سامنے آٹھہرا۔

کیوں کہ حقیقت میں، میں اسے گرنے نہیں دوں گا۔۔۔وہ جو کوئی بھی ہے میں اسے ضرور بچا لوں گا۔" اس نے آئینے میں اپنی نظروں میں دیکھتے عہد کیا تھا۔

☆......☆......☆

اس رات وہ سو نہ سکی تھی۔ساری رات جاگتے گزری تھی اور وجہ ضیا کے ساتھ ساتھ اقرا بھی تھی۔ضیا کا اپنی طرف التفات محسوس کر کہ وہ اس قدر خوفزدہ نہ ہوئی تھی جس قدر اقرا کو اس لڑکے کے ساتھ دیکھ کر اقرا اسی سال کالج آئی تھی کم عمری تھی اور نا سمجھ بھی۔۔۔لیکن وہ لڑکا اسے شاہ ویز کا ہم عمر لگا تھا۔شکل سے سنجیدہ معلوم ہونے کے باوجود وہ لڑکا اسے اچھا نہیں لگا تھا۔آوارہ ٹائپ ہی لگا تھا۔

ساری رات اسے رہ رہ کر پھپھو کے طعنے بھی یاد آتے رہے تھے۔دل چاہتا تھا وہ اس معاملے کو ایسے ہی چھوڑ دے۔بے پروا ہو جائے۔جس طرح اس نے ساری عمر ماں کے کردار کے طعنے سنے ہیں، ویسے ہی پھپھو کے نصیب میں بھی لکھے جائیں لیکن یہ ایک حقیقت تھی وہ ایسی نہیں تھی۔وہ چاہ کر بھی ایسی نہیں بن سکتی تھی۔نہ ہی ایسا کوئی منفی قدم اٹھانے کا سوچ سکتی تھی اسے بہر حال کچھ کرنا تھا کیا کرنا تھا؟ یہ وہ نہیں سمجھ پا رہی تھی۔ساری رات سوچنے سمجھنے کے بعد آخر وہ اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ اسے جلد از جلد حمزہ کو اس بارے میں ہوشیار کرنا تھا۔

وہ ان دونوں کو ایک ساتھ دیکھ چکی تھی اور اسے اچھی طرح اندازہ بھی ہو رہا تھا کہ ان دونوں کو ہی یہ بات نہ صرف کھٹک رہی ہو بلکہ وہ اس معاملے کو ڈسکس کرنے کے لیے جلد از جلد دوبارہ ملنے کی کوشش بھی کریں گے۔۔۔اور یہ بھی ممکن تھا کہ وہ لڑکا اقرا کے ڈر کا فائدہ اٹھا کر اسے کسی انتہائی قدم کے لیے بھی اکساتا۔۔۔اور اگر اقرا کسی ایسے اقدام کے لیے راضی ہو جاتی تو معاملہ ہاتھ سے نکلتے دیر نہیں لگتی تھی۔

اور لالہ ہر گز نہیں چاہتی تھی کہ اقرا جیسی معصوم لڑکی صرف ماں کے کرموں کا پھل ساری زندگی طعنے برداشت کر کر کے گزار دیتی۔

لیکن لالہ یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ کچھ باتیں تو بس اوپر ہی طے کر دی جاتی ہیں۔۔۔اور جو صرف ہمارے اعمال کی کھیتی ہوتی ہیں۔

ساری رات کی بے سکونی سے سر میں شدید درد ہوا تھا۔وہ یونیورسٹی بھی نہ جا سکی تھی۔دوا لے کر آرام کرنے لیٹی تو دوپہر میں امی کے جگانے پر ہی آنکھ کھلی۔امی نے اسے نمرہ کے آنے کا بتا کر فریش ہونے کو کہا تو وہ حیران سی رہ گئی۔بیٹھک میں آئی تو نمرہ کو اپنا منتظر پایا۔

"ایک دن نہیں آئی تو تم گھر تک ہی پہنچ گئی۔" دوستانہ لہجے میں کہتے ہوئے اس نے نمرہ کو چڑایا، وہ منہ بنا کے مسکرا دی۔

"دیکھ لو تمہارے بغیر چین نہیں ملتا۔" اس کے لہجے میں بھی خلوص تھا۔۔۔وہ تھی بھی ایسی۔۔۔خالص جذبوں سے گندھی نرم مزاج سی لڑکی۔۔۔

"اور کوئی اور بھی بہت بے چین تھا شکر کرو وہ نہیں آیا۔۔۔" نمرہ کی اچانک مذاق میں کہی گئی بات پہ اس کے چہرے کا رنگ اڑا تھا۔ضیا علی خان کا سراپا جیسے نظروں میں آسمایا تھا۔

"لالہ۔۔۔" نمرہ نے یوں اسے گم سم ہوتے دیکھا تو بول اٹھی۔

"ہاں۔" وہ بری طرح چونکی۔

" کیا ہوا لالہ تم ٹھیک تو ہو ناں۔" نمرہ پریشان ہوگئی۔

" کچھ نہیں۔۔۔ میں ٹھیک ہوں۔" لالہ اداسی سے مسکرائی

"اچھا سنو بریکنگ نیوز دینے آئی ہوں تمہیں۔" نمرہ اسے متوجہ کرتے ہوئے بولی۔

"نیکسٹ منتھ ہم ٹور پر جا رہے ہیں، آج میم تبسم نے بتایا تم بھی چلو گی ناں۔۔۔"

" کس طرح کا ٹور۔۔۔" تفریح کا جان کر ہمیشہ کی طرح لالہ کا منہ بن گیا تھا۔نمرہ کا چہرہ بجھ سا گیا۔

"مری جائیں گے۔۔۔ کچھ اور تفریحی مقامات پر بھی۔۔۔ یونیورسٹی ٹور ہے یار۔۔۔ میم تبسم بھی ہمارے ساتھ ہی جائیں گی اب تم پھڈا نہ ڈال دینا۔۔۔" اس نے لالہ کو وارن کیا۔

"جاؤ تم لوگ مزے کرو۔۔۔" لالہ مسکرائی۔

" کیا مطلب؟" نمرہ سمجھ گئی تھی اس کا جواب پھر بھی سننا چاہتی تھی۔

"تم جانتی ہو میں یہ سب افورڈ نہیں کر سکتی۔" اس نے سادہ لہجے میں منع کر دیا۔اسی وقت سبین چائے کے ساتھ لوازمات لیے اندر آئیں۔

" آنٹی سمجھائیں ناں اسے اتنی مشکل سے تو مری دیکھنے کا موقع مل رہا ہے۔اب یہ ساتھ نہیں ہوگی تو میں وہاں جا کر کیا کروں گی۔" نمرہ نے سبین آنٹی سے مدد چاہی وہ ناسمجھی سے لالہ کو دیکھنے لگیں۔

"امی، یونیورسٹی ٹور پر جا رہیں سب دوست۔۔۔ بس یہ نمرہ کی بچی چاہتی ہے کہ میں بھی چلوں لیکن آپ تو جانتی ہیں ناں۔۔۔"

"تو اس میں کیا مسئلہ ہے لالہ۔۔۔؟" انہوں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔لالہ حیرانی سے ماں کی دیکھنے لگی۔وہ سبین جو گھر سے اس کے نکلنے یونیورسٹی جانے تک کے خلاف رہی تھیں۔شہر سے باہر جانے کے لیے اس قدر آسانی سے مان گئی تھیں۔

"اچھا ہے ناں تھوڑا ریلیکس ہو جاؤ گی۔ یہاں تو تم سارا دن پڑھائی اور ادھر ادھر کی فضول باتوں ٹینشن میں خود کو ہلکان کیے رکھتی ہو کچھ دیر اس سب سے دور پر فضا مقام پر اپنے دوستوں کے ساتھ انجوائے کرو گی تو اچھا لگے گا تمہیں۔۔۔"

"لیکن امی۔۔۔" وہ حیرانی سے پوچھنے لگی۔

" آپ کو میری فکر نہیں رہے گی۔"

"نمرہ ہے ناں تمہارے ساتھ جس کی اتنی اچھی بہن جیسی دوست ہو اس کی بلا کیا فکر کرنی۔"

"یہ ہوئی ناں میری آنٹی والی بات۔۔۔" نمرہ چلاتے ہوئے ان سے لپٹ گئی۔سبین محبت سے مسکرا دیں۔لالہ کی نظروں میں البتہ سوچ کے سائے گہرے تھے۔۔۔کوئی تھا جو اس کی سوچوں پر سوار تھا۔

☆......☆......☆

''باجی آپ نے بلایا۔۔۔" اسٹڈی روم کا جہازی سائز دروازہ دھکیلتی وہ وہیں رکتے ہوئے بولی تو اپنی مخصوص چیئر پر بیٹھے باجی نے کتاب سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا۔

یہ کمرا اس حویلی کا سب سے بڑا کمرا تھا۔۔۔ملازموں سے سنا تھا کہ یہ کمرا سہراب علی خان کے بڑے بھائی نے بہت محبت سے بنوایا تھا۔تین کمروں کی درمیانی دیواریں ہٹا کر تینوں کمروں کی چھتوں کو جگہ جگہ خوب صورت منقش ستونوں کا سہارا دے کر اسے ایک وسیع و عریض ہال کی شکل دی گئی تھی۔اس کمرے کی ہر دیوار پر فرش سے چھت تک بہت خوب صورت اور نفیس طرز کے بک شیلف بنائے گئے تھے جن کے ساتھ ہر کونے میں اوپری حصے تک رسائی کے لیے منقش لکڑی کی سیڑھی بھی رکھی گئی تھی۔

اوزگل کو یہ کمرا ہمیشہ سے بہت اٹریکٹ کرتا تھا۔اس نے سنا تھا کہ اس کے تایا کو کتابوں سے عشق تھا اور اس عشق کی گواہی یہ کمرا خود تھا۔نہ جانے کیسے یہ جنون اوزگل میں منتقل ہوا تھا۔۔۔اسے بھی کتابوں سے عشق تھا حالانکہ وہ صرف مڈل پاس تھی لیکن کتابوں کے جنون میں اس کا علم حائل نہیں ہو سکا تھا۔کبھی کبھی اس کا دل کرتا وہ فراغت سے اس کمرے کے خوابیدہ ماحول میں بیٹھ کر سارا دن کتابیں پڑھتے ہوئے گزارے۔لیکن یہ کمرا صرف باجی کے زیرِ استعمال تھا اور یہاں کسی کو بھی آنے کی اجازت نہیں تھی گل مینہ آسکتی تھی لیکن اسے کوئی ایسا شوق نہیں تھا کتابوں کو دیکھ کر تو وہ یوں بھاگا کرتی جیسے کوئی بدروح دیکھ لی ہو سو اوزگل کا یہ جنون ایک خواب ہی رہا تھا۔اب بھی اسے باجی نے یہاں بلایا تھا لیکن وہ دروازے پر ہی رک گئی تھی۔آگے نہ جا سکی تھی۔

"آجاؤ بچے۔" باجی نے اس کی ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہوئے آواز دی۔

تو وہ دھیرے دھیرے اس کمرے کا فسوں اپنے اندر اتارتی ان کے قریب آگئی۔

"میں نے گل مینہ کا ایڈمیشن کروا دیا ہے۔کل ضیا آئے گا تو تم لوگ اس کے ساتھ ہی جاؤ گے۔" باجی نے کتاب میز پر رکھتے ہوئے اسے بتایا۔

"ہم لوگ۔۔۔" وہ حیران ہوئی۔

"ہاں تم بھی گل مینہ کے ساتھ جاؤ گی۔" وہ ابھی سمجھدار نہیں ہے کہ اکیلے رہ سکے۔جب تک اس کی تعلیم مکمل نہیں ہو جاتی تم اس کے ساتھ ہی رہو گی۔اور اس طرح مجھے نضیا کی بھی فکر نہیں رہے گی۔ملازموں کا کیا بھروسا۔۔۔کس چیز کا خیال رکھتے ہیں کس چیز کا نہیں رکھتے۔۔۔" انہوں نے اوزگل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم میری سمجھدار بیٹی ہو تم وہاں ان دونوں کے پاس ہو گی تو مین بھی بے فکر رہوں گا ان کے چہرے پر سکون بھری مسکراہٹ تھی۔
اوزگل کا دل بے پایاں خوشی سے بھر گیا تھا۔

"آپ بے فکر رہیں باجی۔۔۔"اس کے چہرے سے سچی خوشی چھلکنے لگی تھی۔

"اب تم لوگ پیکنگ کر لو تا کہ بعد میں پریشانی نہ ہو۔ضیا کو تو جانتی ہو تم۔۔۔آندھی طوفان کی طرح آتا ہے چلا جاتا ہے۔

ضیا کا نام لیتے ہی ان کے لہجے میں مٹھاس گھلنے لگی تھی۔

"جی باجی۔۔۔"مودب لہجے میں کہتی وہ باہر نکل گئی۔

☆......☆......☆

مری کی خوب صورت وادی میں داخل ہوتے ہی کن من سی بارش نے ان کا استقبال کیا تھا۔ ہر طرف بکھری روئی کے گالوں جیسی شفاف برف ان سب کی آنکھوں میں روشنی بھر گئی تھی۔سبھی نفوس بے حد خوش تھے چیڑ، پائن، شاہ بلوط کے اونچے اونچے درخت شام کے سائے کو پھیلنے میں مزید مدد دے رہے تھے۔

بس میں سوار لڑکے لڑکیاں کھڑکیوں کے پردے ہٹائے قدرت کی صناعی کو دیکھنے اور سراہنے میں مصروف ہو چکے تھے۔لالہ کی نظریں بھی بارش کے قطروں سے دھندتے شیشوں پر جمی تھیں۔اس کی سائڈ پر ڈھلوان میں لگے درخت اور گہری کھائی تھی۔اسے ان درختوں کو دیکھ کر حیرت ہوئی تھی۔ڈھلوان میں لگے درخت اور نیچے کھائی میں جا بجا موجود رہائشی مکان اور پتھروں سے بنی مسجدیں سب اسے ورطہ حیرت میں ڈالی رہی تھیں۔بارش کے قطروں نے جب منظر دھندلانے شروع کیے تو اس نے سردی کی پروا کیے بغیر تیزی سے شیشہ ہٹا دیا تھا۔بارش کی چھینٹیں اندر آ رہی تھیں اور اس کے کندھے سے لگی کھڑکی کے پار تکتی نمرہ اور اس کا چہرہ بھگو گئی تھیں نمرہ جھٹکے سے پیچھے ہوئی اور لالہ پیچھے ہونے کے بجائے مزید آگے یوں کے تازہ ٹھنڈی ہوا اور پھوار اس کا چہرہ چھونے لگی سفید کامدار چادر سر سے ڈھلک سی گئی تو جیسے اس کے ریشمی بالوں کو نوید حیات ملی تھی۔کالی سیاہ لٹیں اس آزاد ہوتے ہی اس کے خوب صورت چہرے پر روص کرنے لگیں۔۔۔ڈور اسٹیپ پر ٹھہرے ضیا کی نگاہ سب سے ہوتی اس پری پیکر پر آ ٹھہری تھی اور پھر گویا واپس پلٹنا ہی بھول گئی۔اس کو چار سو چاندنی سی بکھرتی محسوس ہوئی۔سونا سا چمکتا محسوس ہوا تھا لمبی کالی پلکیں گرائے چہرہ کھڑکی کے قریب کیے وہ نہ جانے کون سا سرا اپنے اندر اتار رہی تھی۔

"لالہ شیشہ بند کر و یار سردی ہے، بیمار پڑ جاؤ گی۔"زہرہ نے دور سے اسے پکارا تھا۔ضیا نے گھنی پلکوں یو یکبار گی اٹھتے دیکھا۔

"ہائے محسوس تو کرو۔مری مجھے ویلکم کر رہا ہے۔"مسکراتے ہوئے اس نے ایک غرور سے کہا تو سب لڑکیوں نے مل کر اوئے ہوئے کا نعرہ لگایا۔لالہ اور نمرہ شرارت سے ہنس دیں دو خوبصورت رنگ بدلتی سی جھلک دیتی آنکھیں بھی مسکرائی تھیں۔اور پھر اچانک ہی ضیا نے آگے بڑھ کر چلتی بس کا دروازہ کھول دیا تھا۔

"اوئے" پائدان پر بیٹھے بیچارے لڑکے جو سیٹ نہ ملنے کی وجہ سے قربان ہوئے تھے تڑپ کے اٹھے سب ان کی طرف متوجہ ہوئے تھے کی طرف ہوئے تھے۔

"یہ کیا ضیا۔۔۔"سامنے بیٹھی میم تبسم نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"میم دیکھیں تو مری کسی کو ویلکم کر رہا ہے۔" گہری مسکراتی نظروں سے اس نے لالہ کو تکتے ہوئے کہا۔

"واؤ۔۔۔"سب نے تعریفی انداز میں کہتے ہوئے ہلکی ہلکی تالی بجانا شروع کی تھی۔لالہ نے بس ایک نظر ضیا علی خان کو دیکھا اور اپنی سائڈ کا شیشہ بند کر دیا تھا۔باقی سب البتہ اب ضیا کی تقلید میں کھلے شیشوں سے موسم انجوائے کر رہے تھے۔گاڑی میں کچھ بے سروں نے تال بھی چھیڑ دیے تھے۔

☆......☆......☆

"باری۔۔۔"دیدے کی پکار پر اسی نے سر اٹھا کر ماں کو دیکھا۔پھر لیپ ٹاپ بند کر کے سائڈ پر رکھ دیا۔ماں جب بھی اس کے پاس ہوتی وہ یونہی سارے کام سمیٹ لیا کرتا تھا۔دیدے اس کے قریب ہی صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"تمہارا کام کافی بڑھ گیا ہے انہوں نے محبت پاش نظروں سے اس کے وجود کو حصار میں لیا تھا۔

" کچھ دنوں کی بات ہے دیدے۔۔۔سائٹ کا کام ختم ہوتے ہی فارغ ہو جاؤں گا۔"ان کا ہاتھ تھامتے ہوئے وہ ادب سے بولا تھا۔

"اصل میں، میں سوچ رہی تھی کہ۔۔۔"دیدے بولتے بولتے رک سی گئیں۔

" کیا ہوا دیدے۔۔۔"وہ پریشان ہو گیا۔

" تمہیں امن کیسی لگتی ہے۔"ان کی اگلی بات پہ وہ حیران ہوا تھا۔

"یہ اچانک امین میم کیسے یاد آ گئیں آپ کو۔۔۔؟"وہ حیرانی سے ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہر وقت تو پرچھائی طرح تمہارے ساتھ رہتی ہے اس میں یاد آنے والی کون سی بات ہے۔"دیدے برا منا گئیں۔

"اف۔۔۔"وہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

" آپ کچھ الٹا سوچ رہی ہیں ناں دیدے۔۔۔"وہ سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"تو کیا غلط سوچ رہی ہوں؟"دیدے نے الٹا اس سے سوال کیا۔

"بالکل غلط۔۔۔"وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

"لیکن کیوں؟"دیدے بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اتنی پیاری تو ہے وہ پھر دیوانوں کی طرح تمہارے اردگرد چکر کاٹتی رہتی ہے۔" بات کے آخر میں وہ شرارت سے مسکرائی تھیں۔

باریال نے خفا نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

"وہ صرف اور صرف میرے کام کی وجہ سے ہے دیدے ایسی کوئی بات نہیں جیسا آپ سوچ رہی ہیں۔" وہ صاف مکر گیا۔

"مجھے بچہ مت سمجھو باری۔" انہوں نے دھونس جمائی۔

"آپ بھی تو مجھے غلط سمجھ رہی ہیں دیدے اگر ان کو مجھ میں کوئی انٹرسٹ ہے بھی تو یہ یکطرفہ ہے۔" ٹھوس لہجے میں کہتا وہ ان کے سامنے کھڑا تھا۔ دیدے کی آنکھوں میں الجھن سی جاگی۔ ان کا بیٹا کبھی جھوٹ بولتا تھا نہ کچھ ان سے چھپاتا تھا۔

"لیکن وہ تو۔۔۔" انہیں افسوس ہونے لگا۔

"دیدے۔۔۔" اس نے ماں کو کندھے سے تھام لیا۔

"میرے کچھ خواب ہیں۔۔۔ پورے ہو جائیں تو ضرور سوچوں گا اس بارے میں۔۔۔ لیکن فی الحال صرف کام" مضبوط لہجے میں کہتا وہ ان کے شکوک بالکل مٹا گیا تھا۔ ان کی آنکھوں میں چھائی مایوسی خود باریال کو بھی اچھی نہیں لگی تھی۔ لیکن حقیقت بھی تھی سو وہ فی الحال ان کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

☆......☆......☆

جس ہوٹل میں ان کے ٹھہرنے کا انتظام کیا گیا تھا نسبتاً ویران جگہ پہ تھا۔ ہوٹل کی عمارت آگے کی طرف جبکہ کار پارکنگ اور لان پچھلی سائڈ پر رکھے گئے تھے۔

جہاں چاروں طرف لکڑی کی خوبصورت دیوار بنا کر کھائی سے کچھ آگے تک کا ایریا کور کیا گیا تھا۔ اس طرف کا نظارہ بہت دلکش تھا۔ ساری وادی نظر آتی تھی۔ دور شفاف سڑکوں پر چلتی ٹریفک ڈھلوانی برفیلے پہاڑ اور برف سے ڈھکے اونچے درخت جو سر شام دل لبھا رہے تھے، رات ہوتے ہی کسی آسیب کی طرح لگنے لگے تھے۔

ثمرہ کے ابو نے ثمرہ اور لالہ کے لیے علیحدہ کمرے کا انتظام کر دیا تھا۔ باقی لڑکیوں نے میم تبسم کے ساتھ ہال کمرے کو چنا تھا ثمرہ کا دل بھی وہیں انجوائے کرنے کا تھا۔ لیکن اسے چونکہ لالہ کی طبیعت کا اندازہ تھا تبھی اس نے باپ سے کہہ کر علیحدہ روم کا بندوبست کیا تھا۔ تاکہ لالہ وہاں صحیح معنوں میں انجوائے کر سکے۔

جس وقت وہ ہوٹل پہنچے رات ہو چکی تھی۔ سامان رکھ کر وہ دونوں باہر پچھلی طرف آ گئی تھیں۔ اس طرف کونے میں ایک چھوٹا سا کیفے بھی کھلا تھا۔ ثمرہ فوراً اس طرف چلی گئی۔ لالہ دھیرے دھیرے چلتی لکڑی کی اس چھوٹی سی دیوار کے قریب آ گئی۔ بارش کب کی رک چکی تھی لیکن ہوا میں نمی بدستور تھی۔ چاروں طرف اترنے والی کہر نے ہر منظر نگلنا شروع کر دیا تھا پھر بھی دور سے کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس اور

عمارتوں پر لگے بلب کبھی جھلملا جاتے تو بے حد اچھا لگتا وہ واس گرل کے بالکل قریب آ گئی۔اور نیچے کھائی میں دیکھنے لگی جہاں پاتال کے اندھیرے چھائے تھے۔

" کتنے ہنستے مسکراتے لوگوں کو نگل گئی ہو گی یہ سیاہ کھائی۔ "اس نے اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کرتے ہوئے سوچا۔

" کاش یہ مجھے بھی نگل لے۔۔۔ایک روتا بسورتا انسان کہ جس کی نہ کسی کو ضرورت ہے اور نہ جس کو کسی اور کی۔۔۔"اس کی آنکھیں جلنے لگیں لیکن اندھیرے میں دیکھنے کے قابل نہ ہوئی تھیں۔منفی سوچوں نے ایک بار پھر اسکے دماغ کو اپنی شکنجے میں لیا تھا۔

"لالہ۔۔۔کافی۔۔۔"نمرہ نے اسے کافی کا مگ تھماتے ہوئے پکارا جو اس نے خاموشی سے تھام لیا۔

"اتنی تاریک کھائی میں دیکھتے ہوئے تمہیں خوف نہیں آتا۔۔۔"نمرہ نے گہری کھائی پر ایک نظر ڈالتے ہی جھرجھری سی لی۔

"بدکردار ماؤں کی بیٹیوں کو شاید کسی چیز سے خوف نہیں آتا موت سے بھی نہیں۔"اس کی بات پر نمرہ چند لمحے ساکت رہ گئی تھی۔

"اتنی گھٹیا بات تم اس قدر آسانی سے کیسے کہہ سکتی ہو لالہ۔"اس کے لہجے میں تاسف سا سمٹ آیا تھا۔

"ان کے ماضی کے متعلق تم جانتی بھی کیا ہو؟ اور پھر بھی تم ایسا کیسے کہہ سکتی ہو یار۔۔۔ ہیں تو تمہاری ماں ہی "اسے واقعی لالہ کی سوچ پہ افسوس ہو رہا تھا۔

"لوگوں کی زبانی روز سن لیتی ہوں ان کے ماضی کے متعلق قصے۔۔۔ جتنے نشتر روز میری روح سہتی ہے وہ کافی ہیں میری ماں کا کردار جاننے کے لیے۔۔۔"اس کے لہجے کے ساتھ اس کی آنکھیں بھی بھیگنے لگی تھیں۔

"ایسا کچھ نہیں ہے لالہ۔۔۔لوگوں کا تو کام ہی باتیں کرنا ہیں اور پھر سبین آنٹی تھی۔۔۔کتنی نائس ہیں۔۔۔یقین کرو انہیں تو دیکھ کر دل میں احترام خود بخود ابھرتا ہے۔"نمرہ اسے سمجھانے لگی۔

"احترام "لالہ کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ مچلی۔

"تم پہلی لڑکی ہو دادو کے بعد جس کے منہ سے امی کے لیے یہ لفظ سن رہی ہوں ورنہ گھر سے بھاگی ہوئی عورت کا اس دنیا میں کیا مقام ہے تم بھی اچھی طرح جانتی ہو۔"

"تم بہت نیگیٹو سوچتی ہو لالہ۔۔۔"نمرہ کافی کا سپ لیتے ہوئے دور جلتی بجھتی لائٹس کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"میرے خیال میں تمہیں کچھ اسپیس رکھنی چاہیے دل۔۔۔"اس کے لہجے میں خلوص تھا۔

" کاش تم میری جگہ ہوتیں نمرہ۔۔۔تم تب ہی سمجھ پاتیں۔"وہ بھی کافی پینے لگی اندر کی کڑواہٹ مزید بڑھنے لگی۔

"شاید۔"نمرہ نے مختصر جواب دیا۔۔۔وہ اس بحث کو اب ختم کر دینا چاہتی تھی۔

☆......☆......☆

کھڑکی کے پردے ہٹا کر اس نے ایک نظر باہر دیکھا تھا۔کھڑکی کے شیشے ابھی تک بارش کے قطروں سے تم تھے تبھی باہر کے منظر دھندلا رہے تھے۔

مری کی پہاڑیوں پر اترنے والی شبِ سرد تاریک بھی تھی لیکن ہوٹل کے پچھلی طرف والا لان روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔

"مری مجھے ویلکم کر رہا ہے۔" مسکراتی آواز پر اس نے بے خود سا ہو کر کھڑکی کھول دی۔سرد ہوا کے جھونکے نے اسے چھوا اور انوکھی سی خوشبو اس کی روح تک میں سرائیت کرنے لگی۔اس نے کوٹ کے کالر اوپر کیے اور نیچے دیکھنے لگا۔

لان رات کے اس پہر سردی کے باوجود لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔صرف جس طرف کھائی تھی اس طرف تھوڑا سا ایریا ویران تھا اس طرف تھا بھی نسبتاً اندھیرا۔۔۔ضیا کچھ دیر وہیں دیکھتا رہا بلا ارادہ ہی۔۔۔یونہی دیکھتے رہنے سے اچانک ہی کسی کا عکس واضح ہوا تھا۔گرل کے بالکل قریب ہی دو سائے تھے جو اتنی دیر تک دیکھتے رہنے کے باعث آہستہ آہستہ واضح ہونے لگے تھے۔۔۔وہ دو لڑکیاں تھیں جو اس ویران قطعے پر کھڑی شاید اس کھائی کے اندھیرے سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔سفید لمبی شال سے وہ فوراً لالہ کو پہچان گیا تھا۔چند سیکن لگے تھے اسے سوچنے میں۔۔۔وہ کھڑکی بند کرنے ہی لگا تھا کہ سائیڈ ٹیبل پر دھرا موبائل بجنے لگا۔اس نے کوفت سے سکرین دیکھی۔

''با۔۔۔جی'' کا نام بلنک کر رہا تھا لمبی سانس لیتے ہوئے اس نے خود کو کمپوز کیا اور کال پک کرتے ہوئے دوبارہ کھلی کھڑکی میں آٹھہرا۔

"حال سناؤ بیٹے۔۔۔"با۔۔۔جی۔۔۔کی مسکراتی ہوئی آواز ابھری۔نہ جانے کیوں وہ مسکرا نہ سکا۔اس کی نظریں اب بھی دور کھڑی لالہ پر جمی تھیں۔

"ٹھیک ہوں با۔۔۔جی۔۔۔" مختصر جواب دیا۔

"تو پھر کیا پروگرام ہے؟ کل آ رہے ہو ناں۔۔۔"با۔۔۔جی۔۔۔نے پوچھا وہ مزید کھڑکی کے قریب ہو گیا۔

"نہیں۔۔۔با۔۔۔جی۔۔۔"اس نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد جواب دیا۔

" کیوں خیریت تو ہے ناں۔۔۔؟"با۔۔۔جی۔۔۔پریشان ہو گئے۔

"میں کچھ دوستوں کے ساتھ مری آیا ہوا ہوں لیکن آپ فکر نہ کریں با۔۔۔جی۔۔۔میں ابراہیم کو کہہ دوں گا۔۔۔وہ وہیں ہے۔ میری گاڑی لے کر پہنچ جائے گا۔"اس نے انہیں اطمینان دلایا۔

''کیوں؟''تم اپنی گاڑی میں نہیں گئے وہاں؟ دوراں خان ہے تمہارے ساتھ؟مطمئن ہونے کے بجائے وہ مزید پریشان ہو گئے۔

"با۔۔۔جی۔۔۔یونیورسٹی ٹور پر آیا ہوں،اب سب کو تو ساتھ نہیں لا سکتا ناں۔۔۔"وہ بیزار سا ہونے لگا۔

"یہ تو اچھی بات نہیں ہے بیٹا۔"۔"وہ خفا ہوئے۔اس بار ضیا خاموش رہا تھا۔

"خیر تم ابراہیم کو کہہ دو کل آ جائے بچیوں کو لینے"

"جی با۔۔۔جی"

"اور ایک بات یاد رکھنا ضیا تم میری بے آرام راتوں اور بے چین نیندوں کے گواہ ہو۔۔۔میری ہر تڑپ ہر تکلیف کا قرض وصولنا ہے تمہیں وہ بھی سود سمیت۔۔۔مجھے ناکامی نہیں چاہیے۔"ان کے تلخ لہجے پر ضیا کی آنکھیں جلنے لگی تھیں۔

"بے فکر رہیں با۔۔۔آپ کی تکلیف آپ کی شرمندگی میں بھول بھی نہیں سکتا۔۔۔ایک، ایک پائی وصول کروں گا۔۔۔سود سمیت ہی۔۔۔"اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک جاگی تھی۔

"فون رکھتا ہوں، اپنا خیال رکھنا۔"انہوں نے فون بند کر دیا تھا۔ضیا نے سامنے دیکھا۔لالہ وہاں نہیں تھی۔اس نے غصے سے دیوار کو لات رسید کی تھی۔

 

ناول ''محبت لفظ ہے لیکن'' ابھی جاری ہے۔اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی 10 تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

قسط نمبر 5

"ماں باپ کے سامنے بہت سوچ سمجھ کر بولا کرو کیوں کہ کبھی کبھی ان کے سامنے بولا گیا کوئی بھی برا یا اچھا کلام ہماری پوری قسمت پہ حاوی ہو جاتا ہے۔"

"باری۔۔۔رکو۔۔۔" وہ آفس سے نکلتا لفٹ میں سوار ہونے لگا تھا کے امن کی تیز پکار پہ رک کر مڑ کر دیکھنے لگا۔۔۔وہ اس کے پاس سے گزرتی لفٹ کے اندر چلی گئی۔ وہ یونہی کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

"آ جاؤ ناں۔۔۔" اس نے کہا۔ پھر اس کے اندر آتے ہی اس نے گراؤنڈ فلور کا بٹن پش کر دیا تھا۔

"آج کسی اچھے سے ہوٹل میں لنچ کرتے ہیں۔" ایک جذب سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

موبائل پر کچھ چیک کرتا باریال چونکا۔

"آج؟" وہ متذبذب تھا۔

"ہاں۔۔۔اب بھی کی بات کر رہی ہوں۔" وہ منہ بنا گئی۔

"لیکن مجھے کچھ کام ہے۔" اس نے ٹالنا چاہا۔

"پلیز" وہ ملتجی ہوئی۔

"ایکسٹریملی سوری" اس نے پھر بھی معذرت کر لی۔ مایوس ہو کر امن موبائل پر مصروف ہو گئی۔ باریال نے ایک گہری سانس لے کر خود کو ہلکا سا محسوس کیا تھا۔ جب سے دیدے نے امن کے حوالے سے اس سے بات کی تھی۔ وہ محتاط ہو گیا تھا۔

امن اچھی لڑکی تھا۔ باریال اسے پسند بھی کرتا تھا لیکن صرف ایک دوست کی حد تک ورنہ اس کے اور امن کے لائف اسٹائل میں بہت فرق تھا۔ اتنے عرصہ شہر میں رہنے اور پڑھنے لکھنے کے باوجود وہ روایتی سادگی پسند پٹھان تھا۔ اسے عورتوں میں بھی وہی نسوانی مشرقی سادگی پسند تھی۔ جیسے اس کی دیدے تھیں۔ باوقار سی۔۔۔امن ذرا مختلف تھی۔ وہ کچھ زیادہ ہی آزاد خیال تھی۔ بلا جھجک ہی سب مردوں سے مصافحہ کر لیتی تھی۔ جبکہ باریال مرد ہوتے ہوئے بھی کئی بار ایسے مواقع میں جب بزنس پارٹنر غیر ملکی ہوتے اور ہوتی بھی کوئی عورت تو صرف سر ہلانے پر ہی اکتفا کر لیتا۔

امن لباس بھی مغربی ہی پسند کرتی۔ کھلے گلے والی شرٹس سلیولیس اور نائٹ جینز اس کا فیورٹ لباس تھا۔ کئی بار وہ اس قدر بھڑکیلے اور فٹ لباس پہن لیتی کہ باریال اس سے بات کرتے وقت بھی نگاہ نیچی رکھتا۔ اور مارے حیا کے پسینہ پسینہ ہوتا رہتا جیسے امن نے نہیں اس

نے کچھ غلط پہن لیا ہو۔

امن سے لاکھ دوستی سہی۔۔۔ اسی فرق کی وجہ سے بہر حال وہ سب کچھ مشکل تھا جو دیدے سوچ رہی تھیں اور بقول دیدے اُکے امن بھی سوچ رہی تھی باریال کو اب واقعی محسوس ہونے لگا تھا امن اس میں دلچسپی لے رہی تھی۔ اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ مزید اس آگ کو شہہ دے تبھی اس نے خود کو مزید ری روک کر لیا تھا لیکن اسے قطعاً اندازہ نہیں تھا کہ امن یہ سب نہ صرف بخوبی سمجھ رہی ہے بلکہ اندر سے بے چین بھی ہو گئی تھی۔

اس وقت بھی وہ پہلے باریال کو معمولی سا جواب دے کر بظاہر فون پر معروف ہو گئی تھی لیکن اس نے بھی طے کر لیا تھا کے باربال ولی خان نے کھانا اس کے ساتھ ہی کھانا تھا۔ وہ فون ہاتھ میں تھامے لفٹ سے اس کے ساتھ باہر آئی تھی۔

" گھر جاؤ گے؟" پارکنگ ایریا میں آتیہی اس نے پوچھا۔ باریال نے صرف سر ہلانے پر ہی اکتفا کیا تھا۔ آفس سے اسے گاڑی بھی مل چکی تھی۔ وہ گاڑی کی طرف بڑھا۔ امن نہ جانے کیوں ہے بے چینی سے اس کے ہاتھ میں تھامے سیل کو دیکھ رہی تھی۔ باریال گاڑی میں سوار ہو چکا تھا۔ مایوس سی ہو کر وہ بھی اپنی گاڑی میں بیٹھ گئی۔ اور اس سے پہلے کہ وہ اگنیشن میں چابی گھماتی۔ اس کی نظر بیک ویو مرر میں باریال پر پڑی تھی۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھالے فون پر بزی تھا اور اس کے چہرے کے بدلتے زاویے امن کے چہرے پر مسکان بکھیر نے کے لیے کافی تھے۔ اس نے لفٹ میں ہی پاپا کو میسج کر دیا تھا کہ کسی طرح بھی باربال کو اس کے ساتھ سائٹ کا کام دے دیں۔ باریال نے اسے لنچ کے لیے منع کیا تھا اور امن سکندر کو فی الحال کوئی منع کرنے والا پیدا نہ ہوا تھا۔

اس نے باربال کو گاڑی لاک کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس نے نہایت پھرتی سے چابی اگنیشن میں گھما دی تھی۔ اور ہلکا سا ٹرن لے کر نکلنے لگی تھی۔ جب اس نے باریال کو اپنی طرف ہاتھ ہلاتا دیکھا تھا۔ اس نے گاڑی روک دی۔ باریال اس کی گاڑی کی دوسری سائڈ سے آیا۔ امن نے اس کے لیے دروازہ کھول دیا تھا۔

"سوری ایکچو ئیلی سر نے ابھی کہا ہے کہ ہمیں نہر کے ساتھ والی مل کا وزٹ کر لینا چاہیے۔ انہیں بلڈنگ میٹریل کے متعلق کچھ غلط انفارمیشن ملی ہے۔" اس نے اندر بیٹھتے ہوئے امن تفصیل بتائی۔

"اوہ۔۔۔ نو پرابلم۔" وہ کھل کر مسکرائی۔

"میں ویسے بھی فارغ ہی تھی۔" باریال اس بار خاموش رہا تھا۔ گاڑی مین روڈ پر آ چکی تھی۔ امن نے دھیمی آواز میں میوزک آن کر دیا۔ ایک نظر خاموشی سے بیٹھے باریال پر ڈالی۔ پھر مسکراتے ہوئے سیل پر " تھینک یو مین " ٹائپ کیا اور پاپا کے نمبر پر سینڈ کر دیا۔ دوسرے لمحے ہی ان کا قہقہہ موصول ہوا تھا۔ وہ مسکرا کے گنگنانے لگی تھی۔

☆......☆......☆

"دوران خان! ضیا اکیلے مری گیا اور تمہیں خبر ہی نہیں۔'' ضیا سے بات کے دوران بے شک سہراب علی خان خاموش ہو گئے تھے لیکن اسی وقت دوران کو فون کیا تھا۔ اس کی تو گویا جان پر بن آئی۔۔۔

''خان، ام نے بہت کہا لیکن چھوٹے خان ہی نے کہا کہ اگر انہیں ام، امارے آدمی یا اماری جیپ دکھائی دی تو وہ کچھ بھی کر بیٹھیں گے۔" مودب لہجے میں کہتا وہ سچ بتانے لگا۔

"تم نے مجھے بتایا دوران؟" سہراب علی خان کا لہجہ مزید کڑا گیا۔

"وہ۔۔۔خا۔۔۔خان۔۔۔؟" وہ بول نہ پایا۔

"تم لوگ ابھی کل جاؤ ٹھیک صبح چھ بجے تم مجھے مری سے کال کرو گے، میں انتظار کروں گا۔'' سخت لہجے میں حکم سنایا گیا۔

"جی خان۔" وہ مستعد ہوا۔

"اور ہاں، ابراہیم کو یہاں بھیج دینا۔ بچیوں کو شہر جانا ہے۔ اور اس کے ساتھ گارڈز لازمی بھیجنا۔" وہ مزید ہدایت دینے لگے۔

" حکم خان'' اس نے مؤدب لہجے میں کہا۔ سہراب علی خان نے کال بند کر دی۔ پیشانی پر البتہ فکر کی سلوٹیں گہری تھیں۔

☆......☆......☆

مری کے کہساروں پر اترنے والی اگلی صبح چمکدار تھی۔ بارش کے بعد نہ صرف مطلع صاف ہو گیا تھا بلکہ دھوپ بھی کافی تیز اور جاندار گیا۔ چڑ، سفیدے، شاہ بلوط اور پائن کے درخت عجیب ڈھنگ سے نکھرے تھے۔ کہیں کہیں پتوں پر چمکتے بارش کے قطرے تو کہیں برف کی ننھی ننھی ڈلیاں، ہر منظر جنت کی تصویر پیش کر رہا تھا۔ برف سے ڈھکی ایک طرف پہاڑیاں اور ان کی ڈھلوانوں پر بنے خوبصورت منقش گھر، صاف ستھری دھلی دھلی، سی گیلی سڑک اور دوسری طرف دل دہلاتی اندھی کھائیاں قدرت نے کس فراخی سے صناعی بکھیری تھی کہ دل عش عش کر اٹھتا تھا۔

صبح کی پہلی کرنوں نے بادلوں کے دھوئیں سے نجات پا ہی لی تھی۔ شفاف سی روشنی نے برف سے ڈھکے سبزہ زاروں کو عجیب سا نور بخش دیا تھا۔ صبح ہوتے ہی سب لوگ گروپس کی شکل میں ادھر ادھر نکل گئے تھے نمرہ اور لالہ بھی چہل قدمی کے لیے پہاڑی پر اوپر کی طرف جانے والی پکی پگڈنڈی پر آ گئیں۔ لالہ کے ہاتھ میں پاپ کارن کا بڑا سا پیکٹ تھا۔ جیسے کبھی وہ خود کھاتی کبھی درختوں کی طرف اچھال دیتی۔

"پھینک کیوں رہی ہو؟" نمرہ نے اسے ٹوکا۔

"پھینک نہیں رہی یہ گفٹ کر رہی ہوں۔" وہ مسکرائی۔

" گفٹ کسے؟" نمرہ نے حیرت سے ادھر ادھر دیکھ کے پوچھا۔

گلہریوں کو اس نے سرگوشی کی۔

"میں نے سنا ہے۔اس موسم میں گلہریاں اپنے بل سے باہر نہیں آتیں۔خوراک کی ضرورت بھی ہو تو بل کے دروازے سے ہی جھانک کے پیچھے بھاگ لیتی ہیں۔کیا پتا یہ چند دانے ان کے کام آ جائیں۔"اس نے وجہ بتائی۔

''ماں صدقے"_ نمرہ اس کے واری صدقے جانے لگی اور دونوں کی کھلکھلاہٹیں ان سرد وادیوں میں گونج اٹھیں۔یونہی چلتے قہقہے لگاتے وہ کافی آگے نکل آئی تھیں۔یہ جگہ نسبتا کھلی تھی اور صاف کر کے چھپڑ نما ہوٹل بنا دیا گیا تھا۔جہاں گرما گرم دیسی کھانوں کی خوشبو سے ان دونوں کی بھوک یکلخت جاگ اٹھی تھی۔

یہاں لوگوں کا رش بھی کافی کم تھا اور کافی آگے جا کر دو تین مزید پگڈنڈیاں نکل رہی تھیں جو نیچے وادی میں اترتی دکھائی دے رہی تھیں۔

" کھانا کھاتے ہیں؟"نمرہ نے کہا۔

"پیک کروا لو۔نیچے کہیں کھالیں گے۔"لالہ نے تجویز دی۔نمرو تائید میں سر ہلاتی ایک طرف بڑھ گئی۔لالہ سنبھل سنبھل کر پیر رکھتی نیچے اترنے لگی۔اس نے ایک نگاہ نیچے وادی میں ڈالی۔جگہ جگہ سے پھٹی کٹی چٹانوں کے درمیان کہیں پانی کے کٹاؤ نے راستے سے بنا دیے تھے تو کہیں،کہیں موجود گھر لوگوں کے باہمت ہونے کا پتا دے رہے تھے۔وہ تو ایک دن نہ رہے ان سنگلاخ پہاڑوں کی سفاک گود میں۔اسے ہمیشہ سے لگتا تھا پہاڑ جس قدر خوبصورت ہوتے ہیں اسی قدر بدصورت اور ظالم بھی ہوتے ہیں۔تبھی اسے ہمیشہ پہاڑوں سے خون آتا تھا لیکن آج۔۔۔ آج وہ ان کے سحر میں جکڑ سی گئی۔۔۔وہ بے خود تھی۔

قدرت کی ایسی صناعی،وہ بار بار دل میں سورہ رحمٰن کا ورد کیے جا رہی تھی (اور تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے)

"اوئے ہوئے۔۔۔"چہچہاتی آواز پر وہ بری طرح چونکی تھی۔

"سنا تو تھا پہاڑوں پر پریاں اترتی ہیں۔آج دیکھ بھی لیا۔"اپنی ہی دھن میں منظروں،نظاروں کو کھوجتی لالہ کو ایک دم ہی احساس ہوا تھا وہ کافی دور نکل آئی تھی۔یہاں سوائے اس کے اور ان دو اوباش لڑکوں کے اور کوئی نہیں تھا جو وہاں جیپ میں آئے تھے اور موج مستی میں مصروف تھے اور جن پر لالہ کی نگاہ نہیں پڑھی تھی۔

"سچ میں یار!اس دفعہ تو مری لگتا ہے مہربان ہو گیا ہے۔"دوسرے لڑکے نے پیلے دانت دکھائے۔لالہ کو گھن سی آئی۔وہ بے اختیار دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔مدد کے لیے بے اختیار ادھر ادھر دیکھا تھا لیکن وہ زیادہ نیچے آ چکی تھی۔اوپر ٹیڑھی میڑھی پگڈنڈی کے علاوہ غرور سے تنا پہاڑ تھا،اس کی روح تک کپکپا گئی اور جب عورت کو ایک دم سے احساس ہو کہ وہ غلط مردوں کے نرغے میں آ گئی ہے تو بالکل ویسا ہی خون اسے لپیٹ لیتا ہے جیسا کبھی بڑے بوڑھے آسیب کے متعلق بتایا کرتے تھے۔ہاتھ کام کرتے ہیں نہ پاؤں۔ایک انچ بھی قدم نہیں ہلایا جاتا۔یہی اس وقت لالہ کی حالت تھی۔وہ دانت نکالتے آدم خور بھیڑیوں کی طرح منہ کھولے اس کی طرف بڑھ رہے تھے اور لالہ،اس کے قدم جیسے پکی زمین میں دھنس سے گئے تھے۔اس قدر بھاری ہو گئے تھے کہ وہ اٹھا ہی نہیں پا رہی تھی۔

"لالہ۔۔۔" تبھی دور سے نمرہ نے اسے پکارا تھا۔ وہ لڑکے ایک دم رکے تھے۔ لالہ کی جان میں جان آئی تھی۔ اس نے تیزی سے نمرہ کو اپنی طرف آتے دیکھا تھا لیکن وہ اکیلی نہ تھی۔ ضیا علی خان بھی اس کے ساتھ تھا۔ وہ دونوں لالہ کے قریب آ کے رکے تھے۔ دونوں لڑکے جیپ پر سوار ہو کے نو دو گیارہ ہو گئے تھے۔

"تم ٹھیک ہو؟" نمرہ نے پوچھا تو لالہ اختیار ہی اس کے گلے سے لگ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی ضیا علی خان کی آنکھوں نے دور تک جیپ کا تعاقب کیا تھا۔ دائیں ہاتھ کی مٹھی مضبوطی سے بند کرتے اس نے اپنے ضبط کی طابیں کھینچی تھیں۔

☆......☆......☆

اس واقعے نے اسے بری طرح خوف زدہ کر دیا تھا۔ شام تک وہ کمرے میں بیٹھی روتی رہی تھی۔ نمرہ اسے سمجھا سمجھا کر خود پاگل ہو گئی تھی۔

"تمہاری غلطی تھی لالہ۔۔۔ اکیلے اتنے نیچے جانے کی کیا ضرورت تھی؟" آخر اسے غصہ آنے لگا۔

"وہاں رش کافی تھا۔ تبھی مجھے کھانا پیک کروانے میں دیر ہو گئی۔ وہ تو بھلا ہو ضیا کا جو ہمیں ڈھونڈتا وہاں آ گیا اور تمہیں نہ دیکھ کر اس کے ساتھ میں بھی واقعی میں پریشان ہو گئی۔ اس کی بات پر لالہ نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔

"ویسے سچ کہوں ضیا اتنا برا بھی نہیں ہے جتنا تم سمجھتی ہو۔" ہمیشہ کی طرح وہ ایک مرتبہ پھر اپنے پسندیدہ موضوع پر آ چکی تھی۔ لالی چڑ گئی۔

"اس کا ہمارے پیچھے آنا ہی برا ہے، لڑکیوں کا پیچھا کرنا اچھی بات ہے؟" وہ بھی اپنے نام کی ایک ہی تھی منفی پہلو تلاش کر لیتی تھی۔

"اچھی بات ہی ہے۔ ورنہ آج نہ جانے کیا ہو جاتا۔" نمرہ کو پھر سے واقعہ یاد آ گیا۔

"میں آنٹی کو کیا منہ دکھاتی۔" فکرمندی سے کہتے اس نے کھانا بھی شروع کر دیا تھا۔ لالہ اسے گھورنے لگی۔

"ہاں تو اتنی ٹینشن میں بھوک تو لگتی ہے پھر اس وقت تو کھا ہی نہیں سکی تھی۔" نمرہ نے اس کے گھورنے کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

لالہ اس کے معصوم انداز پر بے اختیار ہنس دی تھی۔

☆......☆......☆

گیلی سڑک پر گاڑیوں کے ٹائر پھسل پھسل کے کئی بار گاڑی پیچھے کی طرف چلی جاتی تھی۔ ایسے موسم میں اس جیپ کی اسپیڈ کافی زیادہ تھی۔ ڈرائیور نہ صرف اپنی زندگی سے بیزار لگ رہا تھا بلکہ باقی لوگوں کی بھی جان کے درپے تھا۔ ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا دوسرا نوجوان بھی شاید نشے میں تھا۔ بار بار کھڑا ہو جاتا، چلاتا، مفلر ہوا میں لہراتا اور ادھر ادھر جھولتا پھر سے سیٹ پر گر جاتا۔ ارد گرد گزرتی گاڑیاں اور ان کے سوار بھی ان کی وجہ سے بے طرح ڈسٹرب ہو رہی تھیں۔ تبھی ایک بلیک پراڈو ان کے مدمقابل آئی تھی۔ اس گاڑی کے شیشے مکمل طور پر کالے تھے۔ اندر بیٹھے سوار کے بارے میں اندازہ لگانا مشکل تھا۔ سامنے موڑ تھا۔ لیکن پراڈو والا پیچھے ہونے کو تیار تھا نہ جیپ والے تبھی

پراڈو نے ہلکا سا کٹ دیا تھا۔ جیپ بری طرح لڑکھڑائی تھی اور پراڈو تیزی سے راستہ نکالتی آگے نکل گئی تھی ۔: مری کی خوب صورت فضا اس وقت ان کے ٹائروں کے بے ہنگم شور سے گونج اٹھی تھی ۔ اور پہاڑی پر برف سے کھیلتے لڑکے لڑکیاں رک کر یہ تماشا دیکھنے لگے تھے۔ سڑک کے اوپری طرف قطاریں لگنے لگی تھیں ۔

''اے پاگل ہو گیا ہے کیا؟" دوسری بار پراڈو نے کٹ لگاتے ہوئے اسے دوبارہ پیچھے چھوڑا تھا تو وہ چلا اٹھا تھا۔ کافی بلندی پر بنی ڈھلوانی سڑک کے کنارے نمرو کے ساتھ لالہ کی نگاہ اس وقت ان دو گاڑیوں پر پڑی تھی اور وہ چونک گئی تھی ۔ جیپ میں وہی دونو جوان تھے جو اسے چھیڑ رہے تھے۔

"پاگل ہیں یار دونوں ۔۔۔" نمرہ نے کھڑے ہوتے ہوئے دونوں ڈرائیورز کے لیے کمنٹ پاس کیا تھا۔

"یہ دونوں وہی ہیں ۔ "لالہ نے بتایا۔ اس کی آواز میں خود بخود خوف سمٹ آیا تھا۔ تبھی پراڈو سلو ہوئی تھی ۔ جیپ آگے نکل گئی ۔ پراڈو کی فرنٹ سیٹ کا دروازہ دھیرے سے کھلا تھا اور کسی کی مسکراتی آنکھیں دیکھ کر لالہ کی سانس وہیں رک گئی تھی ۔ وہ بے ساختہ روڈ پر آگے کی طرف بھاگی تھی ۔ نیچے روڈ پر پراڈو ایک مرتبہ پھر جیپ کے قریب پہنچ چکی تھی ۔ آگے اندھا موڑ تھا۔ وہ وہیں جم گئی تھی ۔ پراڈو ایک دم سے جیپ کے برابر آئی تھی ۔ لالہ کی سانسیں تھمنے لگی تھیں اور پھر لالہ سمیت سب نے دیکھا تھا، پراڈو آگے نکل گئی تھی اور جیپ ۔۔۔ گہری کھائی میں گرتی چلی گئی ۔

جیپ میں سوار دونوں لڑکے چھلانگ لگا چکے تھے ۔ لیکن پیچھے آنے والی گاڑیوں سے ٹکرا کھا کے شدید زخمی ہو چکے تھے ۔ انہیں اسپتال پہنچانے کی کوششیں جاری تھیں ۔ البتہ بلیک پراڈو کسی جن کی طرح غائب ہو گئی تھی ۔ سب لڑکے لڑکیاں اب روڈ پر جمع ہو کر نیچے گری جیپ کر دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے ۔ ہجوم سا جمع ہونے لگا تھا روڈ پر ۔۔۔ نمرہ، لالہ کا ہاتھ کھینچتی اسے بھی نیچے آنے کا کہنے لگی ۔ لالہ نے جھٹکے سے ہاتھ چھڑا لیا۔ وہ اسے وہیں چھوڑ کر نیچے بھاگ گئی ۔ لالہ وہیں ایک سائڈ سیٹ پر ڈھے سی گئی ۔ خوف سے اس موسم میں بھی اسے پسینے چھوٹ رہے تھے اس نے صاف دیکھا تھا وہ مسکراتی، اس کی طرف دیکھتی آنکھیں ضیا کی ہی تھیں ۔ تبھی اس نے کالے بوٹوں کی بھاری آواز سنی تھی اور پھر کالے بوٹوں میں مقید پیر اس کی نظروں کے سامنے تھے ۔ اس نے نظر اٹھا کر سامنے دیکھا ۔ بلیک شلوار قمیض میں ملبوس چہرے پر ہمیشہ کی طرح دوستانہ مسکراہٹ سجائے وہ ضیا علی خان ہی تھا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتے اس کے قریب آیا ۔ لالہ جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی ۔

" کون ہو تم ضیا علی خان ۔۔۔؟" اس نے جرأت کر ہی لی تھی مخاطب کرنے کی ۔ ضیا اس یاقوتی دہانے کو دیکھے گیا جو اسے ہمیشہ دم بخود کر دیا کرتا تھا۔

"ان کا گناہ اتنا بڑا تو نہیں تھا۔ "اس کے خاموشی سے خود کو تکتا دیکھ کر وہ مزید چڑ گئی ۔

"اگر میں نہ آتا تو وہ بڑا گناہ کر بھی سکتے تھے" ضیا کے لہجے میں غصہ بھرنے لگا۔

"تو۔۔۔؟تم سے مطلب؟'' وہ بھی غم سے بولی۔

اس بار ضیا کچھ نہیں بولا تھا لیکن اس کی گہری آنکھوں میں تاسف نمایاں تھا۔

"میں نہ تو تمہیں جانتی ہوں، نہ جاننا چاہتی ہوں۔ سو آئندہ مجھ سے سو گز دور رہ کر چلنا اور میرے کسی معاملے میں انٹرفیئر مت کرنا سمجھے۔" وہ اس کی آنکھوں میں بلا خوف جھانکتے ہوئے بولی ادھر شانِ بے نیازی سے سے بایاں بازو جس پر ڈارک براؤن کلر کا گندھا دھاگا بندھا تھا، اٹھا کر جیسے مکھی اڑائی گئی تھی، لالہ کا تو منہ کھل گیا۔

''میں تمہیں جانتا ہوں۔ میرے لیے اتنا کافی ہے۔ باقی رہا تمہارا کوئی معاملہ۔۔۔تو ضیا علی خان جو چاہتا ہے کر لیتا ہے۔ سوائے اللہ پاک کے اسے کوئی روک نہیں سکتا" غصے پر ایک دم دوستانہ مسکراہٹ غالب آنے لگی تھی۔ لالہ نے ایک تیکھی نگاہ اس کے وجود پر ڈالی۔ پھر پیر پٹختی نیچے نمرہ کی طرف چلی گئی۔

" کسی روز بتاؤں گا تمہیں لالہ۔۔۔تم میری محبت سے خوف زدہ ہو کر بھاگ رہی ہو اور میں تم سے کس قدر شدید نفرت کرتا ہوں۔'' ضیا کی آنکھیں جلنے لگی تھیں۔

☆......☆......☆

کیبن میں لگے بلب کی روشنی میں اس کا ہاتھ تھامے اس بار وہ اس کے چہرے پر رقم گھبراہٹ بخوبی پڑھ سکتا تھا۔ انہیں ایک ساتھ وقت بتائے کافی عرصہ ہو چلا تھا لیکن وہ ہمیشہ پر اعتماد رہی تھی۔ اس بار مگر وہ اعتماد اس کی شخصیت سے مفقود تھا۔

"اقرا! مجھے کیوں لگ رہا ہے میں تمہیں زبردستی لایا ہوں یہاں۔۔۔" وہ بدمزہ سا ہوا۔ اقرا نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ کچھ لمحے خاموشی سے اسے دیتی رہی۔

" آغا، مجھے ڈر لگنے لگا ہے۔"

" میرے ساتھ رہنے سے۔۔۔؟" وہ ناراض لہجے میں بولا اقرا کی نظریں جھک گئیں۔۔۔

" تمہارے ساتھ رہنے سے مجھے کبھی خوف نہیں آیا آغا۔ تم جانتے ہو میں تم پر خود سے زیادہ اعتبار کرتی ہوں" وہ سادہ لہجے میں بولی سچائی اس کے لہجے میں عیاں تھی۔

تو؟'' وہ سیٹ کی پشت پر گرنے کے سے انداز میں ٹیک لگا گیا۔

" جب سے لالہ نے یوں اچانک ہمیں ایک ساتھ دیکھا ہے۔ مجھے ڈر لگنے لگا ہے۔ کہیں بھائی یا کوئی اور۔۔۔" وہ اپنے اندر کے خوف بتانے لگی۔

" کم آن اقرا۔۔۔" آغا نے آگے بڑھ کر بیٹھے ہوئے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"تم تو مجھے ڈرپوک کہا کرتی تھیں۔اب خود ڈرنے لگی ہو۔" محبت سے وہ اس کا کومل سا روپ نظروں میں جذب کرتے ہوئے بولا تھا۔

"ڈرپوک نہیں ہوں میں، بس تمہیں کھونے سے ڈرتی ہوں۔اسی لیے کہتی ہوں خالہ کو بھیج دو اماں کے پاس۔" وہ اس کی نظروں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

"اچھا، آج ہی اماں سے بات کرتا ہوں بس۔اب تم پلیز موڈ تو صحیح کرو' اس نے منت کی۔اقرا اس کے انداز پر مسکرا دی۔

"ارے حمزہ۔۔۔تم۔۔۔" اگلے ہی پل اس کے لب تیزی سے سکڑے تھے۔دل بے قابو سا ہوا تھا۔اس نے دعا کی وہ کوئی اور حمزہ ہو۔

"بہت دن ہو گئے۔سوچا آج تمہاری طرف چکر لگا ہی لوں۔" اور وہ علی حمزہ کی ہی آواز تھی۔اقرا کو لگا اس کے کان کے پردے پھٹنے لگے تھے خوف سے۔خود آغا بھی حمزہ کی آواز پہچان کر ساکت رہ گیا تھا کیبن کے سامنے بنے کھلے پارٹ میں ہی وہ شاید کرسیاں سنبھال چکے تھے۔

" کیسا چل رہا ہے تمہارا کاروبار" حمزہ نے اسے چائے کا کہتے ہوئے پوچھا۔

"اللہ سلامت رکھے مینا، طوطوں کی جوڑیوں کو۔کالج گرلز اور بوائز نے کافی رونق لگا رکھی ہے۔" جواب میں کیفے کا مالک جو شاید علی حمزہ کا پرانا دوست تھا، خباثت سے کہتے ہوئے ہنسنے لگا تھا۔اقرا نے لب کاٹ لیے تھے۔

"ہم۔۔۔" حمزہ کی متنفر آواز سنائی دی تھی۔

"بے پرواہ ماں باپ کی بے غیرت اولاد۔۔۔"اس کے لہجے میں کس قدر تنفر تھا۔اقرا کا سر شرمندگی سے جھکا تھا۔آنکھیں خود بخود نم ہو گئیں۔

"پلیز۔" آغا اسے روتا دیکھ کر بے تاب سا ہوا۔اقرا نے اٹھتے ہوئے ہاتھ کی پشت سے سختی سے آنکھیں رگڑی تھیں اور نقاب کرنے لگی تھی۔

" کہاں جا رہی ہو؟'' وہ پریشان ہو کے اٹھ کھڑا ہوا۔

"سوری آغا، میں اب تم سے اس وقت تک نہیں ملوں گی جب تک تم ہمارے تعلق کو کوئی معنی نہیں دے دیتے" اس نے بہت دھیمی آواز میں قطعی نظروں سے دیکھتے ہوئے اس کو کہا اور خود کو مکمل ڈھانپتی تیزی سے باہر نکل گئی۔آغا وہیں رک سا گیا تھا کیبن کے پردے سے باہر آتے ہی اقرا نے سامنے ہی کرسی پر حمزہ کو دیکھ لیا تھا۔اس طرف اس کی پشت تھی۔پھر بھی وہ بھائی کو ہزاروں میں پہچان سکتی تھی۔اس کی آنکھیں ایک مرتبہ پھر دھندلا رہی تھیں۔وہ تیزی سے ایک طرف سے نکلتی چلی گئی۔

☆......☆......☆

سب لڑکے لڑکیاں مال روڈ پر لگے اسٹالز سے شاپنگ کرنے میں مصروف تھے۔ یہ مختلف علاقوں کے روایتی ملبوسات اور دیگر ہینڈی کرافٹ کے اسٹال تھے جو دور دراز علاقوں کے غریب مگر قابل ورکرز کے کام کو ہائی سوسائٹی تک پہنچانے کے لیے مختلف این جی اوز نے حکومت کے تعاون سے لگائے تھے۔ اس سے نہ صرف ان کے کام کے لیے قدردان اور سپلائرز سامنے آتے تھے بلکہ سیاح ہاتھوں ہاتھ دوسرے علاقوں کی چیزیں لے لیتے اور اچھی خاصی آمدنی ان تک پہنچائی جا سکتی تھی۔

سب سے زیادہ رش ملبوسات کے اسٹال پر تھا۔ ان کے گروپ کی سبھی لڑکیاں بشمول نمرہ رنگ برنگے خوب صورت ملبوسات پر ٹوٹ پڑی تھیں۔ لالہ ہمیشہ کی طرح ان پر مسکراتی نظر ڈالتی روڈ پر چہل قدمی کرنے لگی اور ایک طرف جاتی نسبتاً چھوٹی سڑک پر آ گئی۔ یہاں پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔ یہ رہائشی علاقوں کی طرف جانے والی سڑک تھی شاید یے۔ سڑک کے دونوں طرف لگے درختوں نے سڑک کو دونوں طرف سے چھت کی طرح سایہ دے رکھا تھا۔ صبح ہونے والی بارش سے ہر چیز ابھی نم تھی۔ آج بھی دن صاف نہیں تھا۔

مری کی گیلی شفاف سڑک پر چلتے ہوئے اسے اچانک ہی کچھ احساس ہوا تھا۔ اس نے ایک طرف پائن کے درختوں کے قریب دیکھا۔ کیمرے کا رخ اس کی طرف کیے وہ بلاشبہ ضیا علی خان ہی تھا۔

وہ غصے سے پیر پٹختی اس کے پاس آئی۔

"تم پھر میرے پیچھے آ گئے؟ چاہتے کیا ہو آخر مجھ سے؟" وہ غصے سے پاگل ہو رہی تھی۔

"ایک کپ کافی پیو گی میرے ساتھ" مسکراتے ہوئے ہمیشہ کی طرح فرمائش کی گئی تھی۔

لالہ کا دل کیا اسے نیچے کھائی میں گرا دے۔۔۔ اور گرا بھی دیتی اگر اسے جیل کا خوف نہ ہوتا۔

"یہ قانون بھی ناں۔۔۔ بس ہم نیک لوگ ہی اس سے خوف کھاتے ہیں۔ ضیا جیسے لوگ تو سینہ تان کے پھرتے ہیں۔ اس نے کڑھ کے سوچا تھا۔

"میں کبھی واقعی میں تمہاری جان لے لوں گی ضیا۔"

وہ لب کچلتی اسے بے حد خوبصورت لگی۔ پکی لال پٹھانی (کاش لالہ سن لیتی)

یہ ماخہ دے خہ۔" (اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو)

مسکراتے ہوئے وہ پشتو کا مشہور لوک سانگ گنگنایا تھا۔ لالہ نے ایک غصیلی نگاہ اس پر ڈالی اور واپسی کے لیے مڑی تھی۔

☆......☆......☆

"خان" مودب پکار پر سہراب علی خان نے جھٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ وہ ابھی، ابھی اوزگل اور گل مینہ کو الوداع کہہ کر آئے تھے۔ ابراہیم وقت پر پہنچ گیا تھا۔ بچپن سے وہ ان کا نمک کھا رہا تھا۔ ان کے لیے قابل اعتبار تھا۔ تبھی ان کے جانے کے بعد وہ اطمینان سے

لان میں بچھے تخت پر آرام کر رہے تھے کہ شاہ سوار کی آواز نے انہیں اٹھنے پر مجبور کر دیا۔

"خان! چھوٹی بیبیوں کے جاتے ہی آپ کے حکم کی تعمیل کر دی گئی ہے۔تہہ خانے کا ایک اور کمرا صاف کروا دیا ہے۔ان کی آنکھیں کھلتے دیکھتے ہی وہ سر جھکائے بولا۔

" مکین بھی پہنچا دیا یا نہیں۔"انہوں نے اٹھتے ہوئے سگار جلاتے ہوئے پوچھا۔

"پہنچا دیا خان۔"

" کوئی مسلہ نہیں ہوا۔'' خان کی گہری نظریں اس پر جمی تھیں۔

"بہت شور مچایا خان۔اب بھی کافی شور مچا رکھا ہے۔"اس کے لہجے میں بیزاری جا گی۔سہراب علی خان اٹھ کھڑے ہوئے اور تیز قدم اٹھاتے حویلی کے دائیں طرف بنے چھوٹے سے دالان سے ہوتے کچی دیوار کے اس طرف بنے کھنڈر نما حصے میں آ گئے جہاں چرند پرند بھی پر مارنے سے خوف کھاتے تھے۔یہ جگہ کافی بڑی تھی۔تین اطراف چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیاں بنی تھیں جو سب چھوٹے سے دروازے سے ایک دوسرے سے جڑی تھیں۔وہ ایک کوٹھڑی میں داخل ہوئے۔یہاں دروازے کے بالکل قریب سیڑھیاں نیچے جا رہی تھیں۔سہراب علی خان نیچے اترنے لگے۔شاہ سوار بھی ان کے پیچھے تھا۔اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا اور سیلن کی بو بھی۔سہراب خان نے رومال جیب سے نکال کر چہرے پر باندھ لیا تھا۔شاہ سوار نے نیچے اترتے ہی لائٹ آن کر دی تھی۔لائٹ آن کرتے ہی کسی کی زخمی چیخ سناٹے کا گلا چیر گئی تھی۔

اردگرد کٹی سلاخوں کے دروازے لگے تنگ کمرے تھے جن میں ہر عمر کے افراد نڈھال سے پڑے تھے۔ان میں مرد بھی تھے عورتیں بھی۔لیکن کسی نے بھی اٹھ کر نہ تو اس کا استقبال کیا تھا نہ اس کی آمد کا نوٹس لیا تھا۔سب کے سب جیسے بے جان پڑے تھے۔بس ایک وجود تھا جو اچھل کر چیخ مارتا سلاخوں سے آ لگا تھا۔سیلن کی بو تیز ہونے لگی تھی ٹھنڈی۔۔۔غلیظ۔۔۔

"تیری پکڑ ہو گئی۔۔۔ اور اسے تو سلاخوں کے پیچھے نہیں ڈال سکتا۔"وہ کمزور سا وجود یوں سلاخوں سے ٹکرایا تھا جیسے ابھی انہیں ڈھا دے گا۔رومال کے پیچھے چھپے لبوں پر مسکراہٹ ابھری۔

" کون پکڑے گا مجھے کون۔۔۔؟ وہ اس کے قریب آ کر کروفر سے بولے۔

وہ قہقہے لگانے لگی اور پھر اس نے اچانک جھپٹا سا مارا تھا اور سہراب کے چہرے سے نقاب کھینچ لیا تھا۔وہ گھبرا کے فوراً پیچھے ہوئے تھے۔

"ہاہاہاہا۔'' وہ قہقہے لگانے لگی۔تالیاں بجانے لگی۔سہراب کے چہرے کے زاویے بگڑنے لگے تھے۔

"دیکھ کیسے ڈر گیا تو۔"وہ ہنستے ہنستے کہنے لگی۔

"ایسے ہی روئے گا۔گھبرائے گا'' وہ تالیاں بجائے گئی۔

"تیری پکڑ ہوگئی تیری پکڑ ہوگئی۔ "وہ زیادہ شور کرنے لگی تھی۔ سہراب تیزی سے واپس مڑے تھے۔ شاہ سوار نے ان کی تقلید کی تھی۔

☆......☆......☆

پتھریلی سڑک سے کشادہ صاف ستھرے مین روڈ پہ چڑھتے ہی گاڑی دوڑنے لگی تھی سفر آرام دہ ہوتے ہی اوزگل اور گل مینہ نے سکھ کی سانس لی تھی۔ اوزگل اب مطمئن ہوکر اشتیاق سے باہر بھاگتے مناظر میں کھوگئ۔ وہ زندگی میں پہلی بار حویلی سے باہر نکلی تھی، وہ بھی اتنے لمبے سفر پر ہر اک منظر اس کے لیے واقعی نیا اور حیران کن تھا۔

تقریباً سنسان روڈ پر بلیک ہائی لکس فراٹے بھرتی جا رہی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ ابراہیم حیات نے سنبھال رکھی تھی۔ چاروں بدرگے (باڈی گارڈز) گاڑی کے پچھلے کھلے حصے میں بیٹھ گئے۔

اوزگل کا سارا دھیان باہر کے مناظر پر تھا اور گل مینہ۔۔۔ وہ تو اس قدر خوش تھی کہ کچھ بھی اس کی توجہ حاصل نہیں کر پا رہا تھا۔

"سنو۔"اس نے اچانک پکارا تو اوزگل چونک کر اسے دیکھنے لگی ابراہیم۔۔۔ اپنی دھن میں مگن گاڑی چلائے جا رہا تھا۔

"اے ڈرائیور۔"اب کی بار وہ تیز لہجے بولی اور اس بار ابراہیم بھی چونک پڑا تھا۔

"میوزک آن کرو۔" شہزادیوں کی طرح حکم جاری کیا گیا۔ ڈرائیور اتنا حیران ہوا تھا کہ گاڑی کی اسپیڈ ایک دم کم ہوئی۔ لیکن بہر حال اس نے بیک ویو مرر میں نظر اٹھا کر شہزادی کو دیکھنے سے اجتناب برتا تھا۔ اوزگل نے البتہ اس شہزادی کے پہلو میں کہنی ضرور دے ماری تھی جس پر وہ بری طرح اچھلی تھی۔

" کیا مصیبت ہے؟'' وہ پہلو مسلتی اوزگل کو کھا جانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے بولی۔ چادر بھی چہرے سے ہٹ چکی تھی۔

"مصیبت مجھے ہے یا تمہیں ہے۔۔۔"وہ اس کا بازو دبوچتی اس کے کان میں سرگوشی کر گئی۔

''باءجی کو خبر بھی ہوئی ناں تو جان لے لیں گے تمہاری۔۔۔"اس کے لہجے میں خوف تھا، ڈرائیور نے اسپیڈ بڑھا دی تھی۔ میوزک البتہ ابھی آن نہیں کیا تھا۔

"اور چہرہ چھپاؤ اپنا پاگل ہوگئی ہو کیا؟"اوزگل نے زبردستی اسے نقاب کرانا چاہا۔ اس نے تیزی سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔

"باءجی کو کون خبر دے گا تم یا یہ ڈرائیور۔۔۔"وہ تیز لہجے میں بولی۔ ڈرائیور کے لب بھینچ گئے تھے۔

"مینے "اوزگل بے بسی سے اسے دیکھ کے رہ گئی۔

"تم نے سنا نہیں میوزک آن کرو'' وواب پھر ڈرائیور سے مخاطب تھی۔ اس بار اس نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے پلیئر آن کر دیا تھا گل مینہ بے فکری سے سر دھننے لگی تھی اوزگل اس پر بے بسی سے نظر ڈالتے باہر دیکھنے لگی تھی۔ گاڑی ہوا کے دوش پر گویا محو سفر تھی۔

یونہی بے فکری سے ادھر ادھر دیکھتی گل مینہ کی نگاہ اچانک ہی سامنے شٹ میں نظر آتے اس چہرے پر پڑی تھی۔

وہ مکمل طور پر ڈرائیونگ کی طرف متوجہ تھا۔ اٹھی نظریں سامنے راستے پر جمی تھیں۔ لیکن اس کی آنکھوں

سے چھلکتی حیا۔۔۔ وہ کتنے ہی سمے اسے ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہی۔لیکن۔۔۔ڈرائیور (ابراہیم حیات) اس نے ایک دفعہ بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

"مرد ہو۔۔۔اکیلا ہو۔۔۔اور خان زادیوں کا ساتھ۔۔۔ پھر بھی مارے تجسس کے نگاہ نہ اٹھائے۔"" اسے دیکھتے ذرا سا آگے ہو کر بیٹھتے ہوئے گل مینہ نے سوچا۔

"سنو۔۔۔"بلا ارادہ ہی اس کے منہ سے پھسلا تھا۔اور بے اختیار ہی نظریں اٹھی تھیں۔

اور گل مینہ کی نظروں سے نظریں ٹکراتے ہی اس نے کسی الھڑ دوشیزہ کی طرح نظریں پھیر لی تھیں لیکن گل مینہ۔۔۔

گل مینہ نظریں نہ پھیر سکی تھی۔۔۔

چار سو کچھ سنہرا سا چمکتا محسوس ہونے لگا تھا۔

محبت کی پری نے جادوئی چھڑی گھما دی تھی۔

لیکن اس دفعہ شہزادے نے نہیں، سنڈریلا نے اپنے محبوب کو تلاش لیا تھا۔گل مینہ کے لبوں پر محبت، سنہری مسکان کی صورت چمک رہی تھی۔۔۔روشنی دے رہی تھی۔

☆......☆......☆

وہ کون تھا۔۔۔؟ کہاں کا تھا۔۔۔؟ یہ سب باتیں اس کے لیے بے معنی سہی لیکن وہ اتنا ضرور جان چکی تھی۔ضیا علی خان کا اس کی زندگی میں آنا بے مقصد نہیں تھا۔

اس نے دلدل کا راستہ خود چنا تھا۔۔۔وہ بھی صرف غصے اور ضد میں آ کر۔۔۔ورنہ وہ دل و جان سے صرف اپنے عبدل کو چاہتی تھی۔۔۔تبھی شاید خدا نے اسے ایک گناہ کبیرہ سے بچا کر سزا کے طور پر گناہوں کی دلدل میں لا پھینکا تھا۔اور یہاں آ کر اس پر آشکار ہوا تھا۔عورت کے لیے چادر اور چاردیواری کتنی بڑی نعمت ہے۔

اس سیلن زدہ ماحول میں وہ لمحہ لمحہ انگاروں پر لوٹی تھی۔۔۔ ایک،ایک پل اس نے خوف کے پل صراط کو عبور کرتے گزارہ تھا۔

اور اسی اللہ سے پناہ مانگتی رہی تھی۔جس کے احکامات کو پس پشت ڈال کر اس نے خود اس ذلالت کو چنا تھا۔وہ کم عقل تھی۔۔۔راہ بھٹک گئی تھی۔

لیکن وہ وقت سے پہلے سنبھل بھی گئی تھی۔تائب ہوئی تھی۔اور تبھی مایوسی کے گناہ کے دلدلی اندھیرے میں ضیا علی خان روشنی بن کر آیا تھا۔

اللہ کے بعد اگر میں کسی کو مدد کے لیے پکاروں گی تو بلا شبہ وہ تم ہو ضیا علی خان۔۔۔"ہاتھ میں پکڑے اس موبائل پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے اس نے خود کلامی کی تھی۔جو ضیا نے جاتے وقت اس کے سپرد کیا تھا تاکہ وہ اس سے رابطے میں رہے۔

☆......☆......☆

سہ پہر ہونے کو تھی لیکن مری کی خوب صورت وادیوں میں صبح سے شروع ہونے والی اس مدھر کن من نے جیسے نہ رکنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ ایسے موسم میں بھی لوگ باہر انجوائے کر رہے تھے۔ نمرہ بھی کچھ دیر تو اسے ساتھ چلنے کا کہتی رہی۔ پھر اس کے مسلسل انکار پر اسے وہیں چھوڑ کر گروپ کے ساتھ گھومنے چلی گئی۔

لالہ نے سڑک کی طرف کھلنے والی کھڑکی سے پردے ہٹائے اور کھڑکی کے دونوں پٹ وا کیے۔ تازہ نم ہوا کے جھونکے نے روح تک میں سرشاری سی بھر دی تھی۔ وہ ڈھلی ڈھلائی سڑک کے پار دور تک پھیلے سبزہ زاروں کو دیکھنے لگی۔ ہر طرف لڑکے لڑکیاں گروپس کی صورت بکھرے نظر آ رہے تھے۔ کچھ لوگ فیملی کے ساتھ تھے۔ وہ بھی خوب انجوائے کر رہے تھے موسم کو۔۔۔ لالہ اداسی سے مسکرا دی۔

پچھلے دو دن سے وہ اپنے کمرے میں بند تھی۔ میم تبسم خود اسے پوچھنے بھی آئی تھیں لیکن اس نے سر درد اور فلو کا بہانہ گھڑ کر مزید کہیں بھی گھومنے سے انکار کر دیا تھا۔ خود نمرہ اس کی منتیں کر کر کے تھک چکی تھی لیکن اسے روم سے باہر آتا تھا نہ آئی۔

دو دن پہلے ہونے والا حادثہ کسی آسیب کی طرح۔ اس کے دل و دماغ سے چمٹ کر رہ گیا تھا۔

ضیا علی خان کون تھا؟ اس سے کیا چاہتا تھا؟ وہ یہ سب نہیں جانتی تھی نہ ہی ضیا علی خان کو جانتی تھی۔ لیکن۔۔۔ یہ ایک حقیقت تھی کہ ضیا علی خان کی آنکھوں میں نظر آنے والی گہری شناسائی اسے اندر تک دہلا کر رکھ دیتی تھی۔ کبھی کبھی اسے یوں لگتا جیسے وہ صرف اسی کے لیے ہی آیا ہے۔

اس کا ہر وقت لالہ پر نظر رکھنا۔۔۔ اس کے پل، پل کی خبر رکھنا، اس کی ذات سے تمام تر آگاہی رکھتا۔۔۔ یہ محض اتفاق تو ہرگز نہیں تھا اور نہ ہی یہ کوئی جنونی محبت کا عکاس تھا۔ بھلے ہی اس نے ضیا علی خان کی آنکھوں میں اپنے لیے کچھ خاص رنگ دیکھے تھے لیکن اس نے ایک دم ہی ان رنگوں پر کئی دوسرے رنگوں کو غالب آتے بھی دیکھا تھا۔ جو تلخی اور درشتی کے تھے کسی تلخ یاد کے یا شاید کسی درد کے۔۔۔

لیکن اس کا ضیا علی خان کی زندگی، اس کی کسی یاد یا درد سے کیا واسطہ؟ وہ سوچ سوچ کر پاگل ہونے لگی تھی۔ لیکن اس پہیلی کا سرنہ ڈھونڈ پائی تھی۔

"مجھے جلد از جلد اس بارے میں کسی سے بات کرنا ہو گی۔" اس نے جیسے ایک دم سے فیصلہ کیا تھا۔

"شاہ ویز سے۔۔۔" اس نے سوچا۔

"لیکن وہ بہت جذباتی ہے، الٹا بات بگاڑ کے رکھ دے گا۔ بہت جلد مار اماری پر اتر آتا ہے وہ تو۔۔۔" اس نے خود ہی نفی بھی کر دی تھی۔

"تو پھر حمزہ" کسک سی اٹھی تھی دل میں۔۔۔ کتنے تلخ حوالے جڑے تھے اس شخص سے تنہائی میں اسے تحفظ کے، عزت کے خواب دکھانے والا سب کے سامنے کس طرح بھیگی بلی بن جاتا تھا، وہ بھلا بھول سکتی تھی۔

"نہیں، میں ایسا بھی نہیں کرسکتی۔۔۔ میں اپنے ہاتھوں سے انہیں اپنے کردار پر آواز اٹھانے کی ہمت نہیں دے سکتی۔"اس بار بھی اس نے خود کو جیسے منع کیا تھا۔

"جو بھی ہو ضیا علی خان۔۔۔تم لالہ کے کردار سے نہیں جیت پاؤ گے۔ کیونکہ میرے پاس سوائے عزت کے کچھ بھی نہیں۔۔۔ ہاں کچھ بھی نہیں۔۔۔"اس نے خود کو مضبوط کرتے ہوئے، اندر کے خلفشار کو دھوئیں کے مرغولے کی صورت ہوا کے سپرد کیا تھا۔تبھی اس کے موبائل پر میسج ٹون کی تھی۔اس نے کوٹ کی جیب سے موبائل نکال کر چیک کیا۔۔۔نامعلوم نمبر سے پیغام تھا۔۔اس نے پیغام اوپن کر دیا۔

"ہائے گارجیئس۔۔۔! ایک کپ کافی ہو جائے جگمگاتے حروف کے سامنے مسکراتا آئی کون بنا تھا۔ لالہ کو اپنے ہاتھ شل ہوتے محسوس ہوئے تھے۔اس نے یونہی نگاہ نیچے سڑک کے کنارے بنے کیفے پر ڈالی۔۔۔ برآمدے کے ستون سے ٹیک لگائے، دوستانہ انداز میں ہاتھ ہلاتا وہ ضیا علی خان ہی تھا۔ وہ نظریں نہ ہٹا پائی تھی۔

☆......☆......☆

"شاہ ویز" وہ چائے لے کر اس کے کمرے میں آئیں تو وہ پریشان سا بالوں میں انگلیاں دیے سر جھکائے بیٹھا تھا۔ وہ اس قدر پریشان تھا کہ ان کی آواز بھی نہ سن سکا تھا۔سبین نے چائے کا کپ میز پر رکھا اور اس کے قریب چلی آئیں۔

"شاہ ویز" ان کے کندھا ہلانے پر وہ بری طرح چونکا۔

"امی آپ۔۔۔کوئی کام تھا آپ کو۔۔۔؟"وہ پریشان سے لہجے میں بولا تھا۔سبین اگرچہ اس کی ممانی تھیں مگر وہ انہیں امی ہی کہتا تھا بچپن سے انہوں نے جو پالا تھا اسے۔

"کیوں؟" سبین مسکرا دی۔

"تمہارے کمرے میں، میں بنا کام کے نہیں آسکتی کیا؟" انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"نہیں امی۔ میرا مطلب تھا۔" وہ بات نہیں بنا پایا تھا۔

"ایک بات کہوں شاہ ویز۔۔۔" انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے ممتا کی ڈھارس سی دی تھی اسے۔۔۔ وہ گم صم نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔

"میرے خیال میں تمہیں نوکری کے لیے اس قدر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔۔۔" دھیمے لہجے میں وہ اسے سمجھانے لگیں۔

"اچھا بھلا گزارہ چل رہا ہے، تم سکون سے ہر جگہ اپلائی کرتے رہو۔۔۔ جلد یا بدیر اللہ پاک کرم کر ہی دیں گے۔

"سکون کیسے آئے امی۔۔۔؟؟ وہ تڑپ کے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"آپ جانتی ہیں میں شروع سے ہمیشہ ٹاپر رہا ہوں۔ باریال اور میرے دوسرے دوست تو بہت پیچھے تھے مجھ سے لیکن آج وہ اتنی

اچھی جگہ جاب پر ہیں اور میں۔۔۔ گولڈ میڈلسٹ شاہ ویز زیدی در در کی ٹھوکریں کھا رہا ہوں۔اس کے لہجے میں غصہ تھا لیکن کچھ اور بھی۔۔۔ جس نے سبین زیدی کو چونکا دیا تھا۔وہ اٹھ کر اس کے قریب آئیں۔ان کی آنکھوں میں دکھ سا تھا۔

"حق تو یہ تھا کہ میں آج کسی اونچی پوسٹ پر کام کر رہا ہوتا اور باریال جیسے لوگ تو میرے انڈر کام کرنے کے بھی قابل نہیں تھے۔ ہمیشہ نوٹس تک میں میرے محتاج رہتے تھے اور آج ان کی شاندار گاڑیوں میں اڑتے پھر رہے ہیں۔"اس کا لہجہ تلخ تھا۔

"تم حسد کر رہے ہو شاہ ویز؟ وہ بھی اپنے دوست باریال سے۔"انہیں تاسف نے گھیرا۔

"ہاہ۔۔۔آج کل کے دور میں کوئی کسی کا دوست نہیں ہوتا امی۔۔۔ اور یہ جو باریال ہر دوسرے روز یہاں آجاتا ہے تو آپ کا کیا خیال ہے میری دوستی میں۔۔۔"وہ ایک ایک لفظ چبا کر بول رہا تھا اور سبین کے اندر دکھ سا بھرتا جا رہا تھا۔

"نہیں امی نہیں۔۔۔ وہ تو یہ سب مراعات دکھانے آتا ہے،میرا دل جلانے صرف اور صرف میرا دل جلانے۔۔۔"

تم غلط سوچ رہے ہو شاہ ویز۔۔۔" سبین نے اسے جھٹلانا چاہا۔تبھی باہر گیٹ پر زوردار دستک ہوئی تھی۔شاہ ویز سر جھٹکتا باہر نکل گیا ہے سبین اس کے رویے کو ہی سوچتی رہ گئیں۔

☆......☆......☆

اسے بالکل امید نہیں تھی کے گیٹ کھلنے پر اسے اس ہستی کا سامنا کرنا پڑے گا جس سے وہ آج تک شدید نفرت کرتا آ رہا تھا۔

• وہ صرف چند برس کا تھا جب اپنی محبوب بیوی کی وجہ سے وہ اسے ہمیشہ کے لیے اس در پر پھینک کر چلے گئے تھے۔اور کبھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔لیکن نہ جانے کیا بات تھی کہ وہ چہرہ آج تک شاہ ویز کے دل و دماغ سے محو نہیں ہو پایا تھا۔شاید یہ اس نفرت کی شدت کی جو وہ اپنے دل میں ان کے لیے محسوس کرتا تھا۔اب بھی انہیں اپنے سامنے دیکھ کر وہ جھٹ سے دروازہ بند کرنے لگا تھا۔جب انہوں نے ہاتھ بڑھا کر اسے ایسا کرنے سے روک دیا۔

"صرف چند باتیں کرتی ہیں تم سے۔۔۔"ان کی آنکھوں سے چھلکتی پیاس ان کے لبوں پر آ پہنچی تھی لیکن شاہ ویز کو اب جیسے کسی جذبے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

" آپ کو لگتا ہے کہ آپ نے کچھ بھی کہنے کا حق چھوڑا ہے اپنے پاس۔۔۔؟"وہ طنزیہ لہجے میں کہتے ہوئے زخمی سا مسکرایا۔

"بالکل۔۔۔تم ٹھیک کہہ رہے ہو شاہ ویز۔۔۔ میں ہر حق کھو چکا ہوں۔" انہوں نے بھیگتے لہجے میں فوراً اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔شاہ ویز نے نظریں پھیر لیں۔

"لیکن تمہارے پاس وقت ہے شاہ ویز۔۔۔تم میری والی غلطی نہ دہراؤ۔۔۔اپنے حقوق ن نہ گنواؤ میرے بچے۔۔۔"وہ منت پر اتر آئے تھے۔

"بس صرف ایک بار آرام سے بیٹھ کر میری بات سن لو۔۔۔" شاویز نے ایک بے بس سی نظر ان کے تھکے، تھکے وجود پر ڈالی اور پھر اندر آ کے بیٹھک کا دروازہ کھول دیا۔

" جلدی بات ختم کریں، میرے پاس زیادہ وقت نہیں۔" ان کے بیٹھتے ہی شاہ ویز نے بنا کسی لحاظ کے کہا تھا۔ وہ چپ چاپ اسے دیکھے گئے تھے۔

وہ ہو بہو ان کی شکل وشبہات چرا کر لایا تھا۔ دراز قد، چوڑے شانے بے حد پتلی ٹانگیں جو عجیب سی لگنے کے بجائے اس کی شخصیت کو مزید نکھار سا دیتی تھیں۔

اور ان کی طرح ہی ڈارک براؤن چمکدار آنکھیں بلاشبہ وہ ان کی کاپی تھا۔ اللہ نے کس قدر بڑی نعمت سے انہیں نوازا تھا اور انہوں نے خود ٹھوکر مار کر اسے خود سے کس قدر دور کر دیا تھا۔

" کبھی کبھی میں سوچتا ہوں شاہ ویز۔۔۔ مجھ سے زیادہ بد بخت اس دنیا میں شاید ہی کوئی اور ہوگا۔" نظریں جھکاتے ہوئے انہوں نے بولنا شروع کیا تھا۔ شاہ ویز لب کاٹنے لگا۔

" صرف اپنی محبت، اپنا گھر بچانے کے لیے اپنی متاع حیات تک لٹانے پر اتر آیا میں۔۔۔" ان کی آنکھوں سے ندامت آنسو بن کر نکلنے لگی تھی۔

"میں چاہتا تو کوئی درمیانی راستہ نکال سکتا تھا لیکن اس وقت مجھے صرف ریشم عزیز تھی۔ اس کی بات اس کا حکم میرے لیے اٹل تھا۔۔۔" ان کا لہجہ کمزور پڑ رہا تھا اعتراف جرم کہاں آسان ہوتا ہے، چاہے سگی اولاد ہی سامنے کیوں نہ ہو۔

"میں سمجھتا تھا ماں اور تمہارے بعد میری زندگی ریشم کے ساتھ ہی مکمل تھی۔" وہ ذرا دیر رکے۔

"لیکن دیکھو۔۔۔ اس خدا نے ہم دونوں سے کتنا زبردست انتقام لیا۔ لاکھ دوا دارو کے باوجود ہم اولاد کے لیے ترستے رہے۔ کافی عرصے بعد ہر طرف سے مایوس ہونے کے بعد ریشم نے مجھے کہا کہ میں تمہیں ہی واپس لے آؤں۔ لیکن میں اس وقت خود کو شاید اتنا کمزور نہیں سمجھتا تھا کہ مجھے کسی سہارے کی ضرورت تھی۔ پھر میں یہ بھی جانتا تھا کہ تم کبھی میرے ساتھ واپس نہیں آؤ گے۔ کیونکہ ابھی تم کم عمر تھے اور میرے لگائے ہوئے زخم تازہ۔۔۔ لیکن۔۔۔ آج ریشم کے جانے کے بعد پہلی بار مجھے لگا، میں نے زندگی میں تمہیں نہیں، اپنی زندگی ہاری ہے۔" ان کا سر جھک چکا تھا اور شاہ ویز کے لبوں پر مسکراہٹ آ ٹھہری تھی۔

"صاف لفظوں میں کہیں ناں۔۔۔ ایک بوڑھے تنہا آدمی کو سہارے کی ضرورت آن پڑی ہے۔" اس کا لہجہ تلخ تھا۔

"بالکل۔ لیکن مجھ سے بھی زیادہ میرے بزنس کو تمہاری ضرورت ہے۔" انہوں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"میرا سب کچھ تمہارا ہے۔ اور اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ چلو تا کہ میں تمہارا حق تمہیں لوٹا سکوں۔" اب کی بار

بات کرتے ہوئے ان کا لہجہ صاف تھا۔اعتراف اور اقرار نے دل پر دھرے بوجھ کافی ہلکے کر دیے تھے۔

"آپ کو کیا لگتا ہے۔میں آپ کے یوں لوٹ آنے پر آپ کے ساتھ چل دوں گا۔" وہ ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے تیز لہجے میں بولا۔

"تمہیں چلنا چاہیے۔"وہ مسکرائے۔

" کیونکہ تم میرے بیٹے ہو۔۔۔اور میری ہر چیز پر تمہارا حق ہے، مجھے سزا دینے کے لیے تمہارا اپنے حق سے دستبردار ہو جانا مناسب نہیں۔"انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔وہ تیزی سے ایک طرف ہو گیا۔وہ مسکرا دیئے۔

"اور پھر تمہیں یوں در در چھوٹی موٹی نوکریاں ڈھونڈنے کی بھی ضرورت نہیں ایک روشن مستقبل تمہارا منتظر ہے بیٹا۔"

"آپ جا سکتے ہیں۔"شاہ ویز کافی بدلحاظ تھا۔وہ اسے دیکھتے رہ گئے۔

"میں تمہارا انتظار کروں گا۔" کافی دیر بعد انہوں نے اسے تکتے ہوئے کیا اور بیٹھک سے باہر نکل گئے۔شاہ ویز نے زوردار لات سامنے پڑے صوفے کو رسید کی اور پھر وہیں ڈھے سا گیا۔

☆......☆......☆

"خدا کے لیے لالہ نکل آؤ اپنی خوش فہمی سے۔" صبح سے ضیا علی خان کے خلاف اس کے لیکچر سنتی نمرہ نے تنگ آ کے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔اس کی تو گویا زبان تالو سے چپک گئی۔

"اب ایسا بھی خونخوار بندہ نہیں ہے کہ سامنے آتے ہی تمہیں نگل جائے گا۔"وہ سخت غصے میں تھی۔لالہ بے بسی سے اسے دیکھے گئی۔

"خدا کی پناہ!تم نے تو سر پر سوار کر لیا ہے اس ضیا کو۔۔۔"اس کا بس نہیں چل رہا تھا کچھ اٹھا کر اس کے سر پر نہیں تو دیوار پر دے مارے۔

"اتنے اچھے موسم میں سیر و تفریح کے اتنے اچھے چانس کو مس کر رہی ہو تم۔" وہ بری طرح خفا تھی۔

"تمہیں کیا فرق پڑتا ہے۔"لالہ بھی آخر تپ ہی گئی۔

"جاؤ ناں۔۔۔تم کرو سیر۔۔۔تمہیں کب منع کیا ہے میں نے۔" وہ اس سے بھی تیز آواز میں چلائی۔

"تم سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔نمرہ نے تاسف بھرے لہجے میں کہا

"اچھا"لالہ تڑپ کے اٹھی۔

"تو اب خبردار جو مجھ سے بات کرنے کی کوشش کی۔" وہ اٹھ کر تیزی سے اپنا بیگ پیک کرنے لگی تھی۔اسے اب جا کر کسی اور دوست کے ساتھ روم شیئر کرنا تھا۔نمرہ کے ساتھ ہرگز نہیں۔۔۔ اس نے سوچ لیا تھا۔

"جاؤ جاؤ یہاں کون مرا جا رہا ہے تم سے بات کرنے کے لیے۔" نمرو نے بھی اس بار مکھی اڑاتے ہوئے بے فکری سے کہا تھا۔ اور اس کی یہ ادا لالہ کو مزید تپا گئی تھی۔ وہ جھٹکے سے بیگ اٹھاتی اور پیر پٹختی کمرے سے باہر نکل گئی تھی نمرہ نے تکیہ اٹھا کر دیوار پر دے مارا تھا۔

☆......☆......☆

" گل۔۔۔" گل مینہ نے نیند کی وادیوں میں اترتی اوزگل کو دھیرے سے پکارا تھا۔لیکن وہ اس قدر گہری نیندیں میں تھی کہ کوئی رسپانس نہ دیا۔گل مینہ نے ایک بے بس سی نگاہ بے خبر سوتی اوزگل پر ڈالی تھی۔ پھر اٹھ کر کھڑکی کے پاس آ ٹھہری تھی۔ یہ پشاور میں ان کی پہلی رات تھی۔

اس نے کھڑکی کھول کر پردے ہٹا دیے۔ پورے چاند کی رات بے حد حسین تھی یا پھر یہ اس کے اندر کی روشنی تھی جو ہر شے کو شنہری پن عطا کیے جاری تھی۔

آسمان صاف تھا۔پورا چاند ستاروں کے جھرمٹ میں پورے فخر سے چمک رہا تھا۔وہ کچھ دیر یونہی چاند کو تکتی رہی۔

"مینے "اوزگل کی پکار پر وہ بری طرح چونکی۔

"اتنی رات کو یہاں کھڑی کیا کر رہی ہو؟" دوپٹہ اچھی طرح اپنے گرد جماتے اس نے حیرانی سے اس سے پوچھا۔

"پتا نہیں گل "اس نے چند لمحے اوزگل کو خاموشی سے تکنے کے بعد دوبارہ کھڑکی کے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

"آج جیسے ساری دنیا بدل گئی ہے۔"

"ظاہر ہے، ہم پہلی مرتبہ گاؤں سے اتنی دور آئے ہیں پھر ضیا بھی نہیں ہے، ورنہ ہمیں اتنی اجنبیت محسوس نہ ہوتی۔"اوزگل جمائی لیتے ہوئے دوبارہ بستر پر لیٹتے ہوئے بولی۔

"یہی تو مسئلہ ہے گل۔۔۔"وہ دھیرے دھیرے چلتی اس کے قریب آ گئی۔اور گل نے سائڈ ٹیبل پر دھرا ٹیبلل لیمپ آن کر دیا تھا۔روشنی سی پھیلی تھی کمرے میں۔۔۔

"مجھے اجنبیت نہیں سب کچھ اپنا، اپنا سا لگ رہا ہے۔ایسا احساس کبھی نہیں ہوا مجھے۔"وہ اوزگل کی طرف دیکھتے ہوئے کھوئے کھوئے لہجے میں بولی تھی۔

" کیسا احساس۔۔۔؟"اوزگل نے ناسمجھی سے پوچھا۔

"خود کو کھو دینے کا احساس گل۔۔۔"وہ مزید اس کے قریب ہوئی تھی۔

"مجھے لگتا ہے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔" اس کی آنکھوں میں چمکتے رنگوں کو سمیٹتے ہوئے بھی نہ جانے کیوں اوزگل نے نظریں چراتے ہوئے کہا تھا۔اور دل ہی دل میں اپنے خدشے کے جھوٹے ہونے کی دعا بھی کی۔

"اب آرام سے سو جاؤ اور مجھے بھی سونے دو۔۔۔ شاباش۔۔۔" اسے ساتھ ہی لٹاتے ہوئے اس نے ٹیبل لیمپ آف کرتے ہوئے کہا تھا۔اور خود بھی پلکیں موند گئی تھی۔

"وہ کتنا خوب صورت ہے ناں اوزگل۔۔۔" اور اوزگل کو لگا اس سے بھیانک سپنا وہ ساری زندگی نہیں دیکھ پائے گی اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دی تھیں۔

"اس کی آنکھ میں حیا کتنا جچتی ہے اس پر۔۔۔" وہ جیسے کسی سحر میں گرفتار بولے جا رہی تھی۔

"وہ کتنا جدا ہے ناں سب سے۔"اس کے لہجے اس کے انداز میں صرف محبت بول رہی تھی۔۔۔ سچی محبت

"اس نے تو خان زادیوں پر نگاہ تک نہ ڈالی۔۔۔کتنا حیادار ہے ناں وہ۔۔۔

" کون۔۔۔؟"اوزگل کو اپنی آواز کسی گہری کھائی سے آتی سنائی دی تھی۔

"وہی ناں۔۔۔"وہ اس کی طرف رخ کر کے لیٹ گئی۔

"جس کے ساتھ آج ہم یہاں سفر کر کے آئے ہیں۔اس کے لہجے میں جوش تھا۔

"ابراہیم حیات۔۔۔"

اوزگل بول نہ سکی تھی۔دل ہی دل میں اپنی پیاری بہن کے لیے دعائیں کی تھی جو اس کے خیال میں موت کے راستے پر قدم دھر چکی تھی۔کیونکہ وہ جانتی تھی۔خانزادی اگر کبھی محبت کے راستے پر قدم دھرتی ہے تو اس کی منزل صرف موت ہوتی ہے۔وہ بھی ذلت کی موت۔۔۔ رسوائی کی موت۔۔۔

☆......☆......☆

"یہ اب کیوں آیا تھا۔۔۔؟"نانو کے سوال پر شاہ ویز کو حیرت کا شدید جھٹکا سا لگا تھا۔

یہ بڑے بزرگ بھی ناں آہٹ سے پہچان لیتے ہیں نئے پرانے سب رشتوں کو نہ جانے کیوں شاویز کو ان کی آنکھیں بھیگی بھیگی سی محسوس ہوئیں۔

"میری سوئی محبت جاگی ہے نانی۔۔۔ یا پھر یوں کہیں کہ میری ضرورت آن پڑی ہے انہیں۔۔۔"وہ تلخی سے بتانے لگا۔

"ہمم۔۔۔"نانو اداسی سے زمین کو تکنے لگیں۔

" آپ کو اب بھی امی کا دکھ ستاتا ہے ناں نانو۔۔۔شکر کریں کہ ان جیسے مطلبی شخص سے جان چھوٹی ان کی۔"ان کو اداس دیکھ کر اسے بے حد برا لگا تھا۔

"پاگل"نانو نے پیار سے اس کی پیشانی چوم لی۔

"مرنے والوں کا کیا دکھ۔۔۔"ان کی ضعیف آنکھوں میں پانی تیرنے لگا۔

"دکھ تو زندوں کا ہوتا ہے۔ مجھے تو ساری عمر بس تیرا غم کھاتا رہا۔ماں باپ کے ہوتے ہوئے یتیموں۔۔۔"

"نانو۔۔۔"اس نے ان کے تھرتھراتے لبوں پر ہاتھ رکھ کر بات مکمل کرنے سے روک دیا۔

"مجھے جن رشتوں کا احساس ساری عمر نہیں ہونے دیا۔اب کیوں کروانا چاہتی ہیں، یقین کریں میں ان کے بغیر ہی زیادہ خوش ہوں۔"مضبوط ہے میں کہتا وہ بازو ان کے گرد حمائل کر گیا تھا۔نانو نے بھی مسکراتے ہوئے اسے ساتھ لگا لیا تھا۔

☆......☆......☆

وہ مزید دو دن مری رکے تھے اور ان دو دنوں میں ان میں سے ایک نے بھی لچک دکھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔لالہ کو نمرہ پر جس قدر غصہ تھا نمرہ بھی اس مرتبہ اسی قدر ناراض تھی اور کسی حد تک تو اس کی بات تھی بھی صحیح۔۔۔وہ یہاں گھومنے پھرنے موج منانے آئی تھیں۔۔۔اور لالہ نے نہ صرف سارا مزہ کرکرا کر دیا تھا بلکہ الٹا ناراض بھی وہی ہوتی رہی تھی۔اور دونوں نے ہی ناراضی میں یہ سوچا تک نہیں تھا کہ کوئی تیسرا تھا جو نہ صرف ان کی ناراضی سے واقف تھا بلکہ ایسے کسی موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش میں بھی۔۔۔

آج ان کو واپسی کے لیے نکلنا تھا۔صبح نو بجے سب کو یونیورسٹی بس میں سوار ہو جانے کی ہدایت ملی تھی۔لالہ اپنا سامان رکھوا کے باقی کچھ لڑکیوں کے ساتھ فریش ہونے کے لیے دوبارہ کمرے میں گئی تھی۔

باقی لڑکیاں وقت پر ہی بس پر واپس پہنچ گئی تھیں لیکن ان میں سے کسی کو بھی لالہ کا خیال نہیں آیا تھا۔بالکل سامنے والی سیٹ پر بیٹھی نمرہ کو بھی نہیں، وہ لالہ سے سخت ناراض تھی۔اور ویسے بھی بقول لالہ کے وہ اپنا خیال زیادہ اچھے سے کر سکتی تھی۔سو اب اسے کیوں پروا کرنی چاہیے تھی۔بس نے روانہ ہوتے ہی اسپیڈ پکڑ لی تھی۔نمرہ نے ہینڈز فری کانوں میں اڑسے اور باہر کے مناظر دیکھنے لگی۔

اس بات سے بے خبر کہ ہوٹل کے کمرے کے واش روم میں بند لالہ کس قدر خوفزدہ انداز میں دروازہ دھڑ دھڑائے جا رہی تھی۔۔۔کسی نے اسے واش روم میں لاک کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

کافی سفر طے کر لینے کے بعد اچانک کسی لڑکی کو لالہ کی غیر موجودگی کا احساس ہوا۔وہ بری طرح چلائی تھی۔سب اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

"میم۔۔۔لالہ نہیں ہے ہمارے ساتھ۔۔۔"سب کے چہروں پر عجیب سے تاثرات دیکھ کر نمرہ بھی متوجہ ہوئی اور اصل بات سن کر صحیح معنوں میں اس کے ہوش اڑ گئے تھے۔

"میم ضیا بھی نہیں ہے۔''شاہد نے توجہ دلائی۔

"ہاں، وہ تو اپنی گاڑی میں واپس آئے گا لیکن لالہ۔" وہ بے حد پریشان ہوئی تھیں۔ نمرہ کا تو دل ڈوبنے لگا تھا۔ اسے خود پر غصہ آنے لگا۔۔۔

"میم، ضیا کو فون کریں۔ کیا پتا لالہ اس کے ساتھ ہو۔" ایک لڑکی نے تجویز دی۔

"بالکل نہیں میم لالہ، ضیا کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ وہ تو اس سے بے حد چڑتی ہے۔" نمرہ تڑپ کر بولی

"پلیز میم واپس چلتے ہیں۔" اس نے تبسم سے ریکوئسٹ کی۔

"مجھے ضیا سے پوچھنے دو۔ کیا پتا وہ ابھی نہ نکلا ہو۔ اگر ایسا ہے تو وہ لالہ کو ساتھ لے لے گا۔" انہوں نے موبائل پر ضیا کا نمبر ڈائل کرتے ہوئے اسے تسلی دی تھی۔ دوسری بیل پر ہی ضیا نے کال ریسیو کر لی۔

"ضیا تم کہاں ہو؟" میم نے فوراً پوچھا۔ اسپیکر آن کرتے ہوئے۔

"میم نکل رہا ہوں بس میں بھی۔" اس نے جواب دیا۔

"کیوں خیریت میم؟"

"اصل میں لالہ بس میں نہیں ہے تم اگر۔۔۔"

"لالہ میرے ساتھ ہے۔" ضیا نے ان کی بات کاٹتے ہوئے جواب دیا تھا۔ اور نمرہ کو لگا کسی نے پگھلا ہوا سیسہ اس کے کانوں میں ڈال دیا تھا۔

"لیکن۔۔۔" میم تبسم مطمئن تو ہوئیں لیکن پھر بھی پوچھے بنا نہ رہ سکیں۔

"میم میں وہاں آ کر آپ کو تفصیل بتا دوں گا۔ ابھی راستے میں ہوں اور یہاں کافی رش ہے۔" ضیا نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

"اوکے، اوکے۔۔۔ اللہ حافظ۔" انہوں نے فوراً کال بند کر دی تھی سب کی جان میں جان آئی تھی۔ لیکن نمرہ۔۔۔ اسے ایک مرتبہ پھر اپنی سادگی پر بے انتہا غصہ آ رہا تھا۔



ناول "محبت لفظ ہے لیکن" ابھی جاری ہے۔ اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی 10 تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

قسط نمبر 6

"ماں باپ کے سامنے بہت سوچ سمجھ کر بولا کرو کیوں کہ کبھی کبھی ان کے سامنے بولا گیا کوئی بھی برا یا اچھا کلام ہماری پوری قسمت پہ حاوی ہو جاتا ہے۔"

میم تبسم کو مطمئن کرتا وہ مسکراتا ہوا اب اس کمرے میں کھڑا تھا جس کے واش روم میں بند لالہ مدد کے لئے پکار رہی تھی۔۔۔ضیا نے کچھ دیر سوچا۔۔۔پھر آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔۔۔دروازہ کھلتا دیکھ کر لالہ تیزی سے باہر آئی تھی۔اور باہر ضیا کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں تیرنے والا اطمینان ضیا کو ایک لمحے میں حیران کر گیا۔اس کی توقع کے مطابق لالہ کا ری ایکشن نہایت سخت آنے والا تھا اگلے ہی پل اسے مزید جھٹکا لگا تھا جب اس نے لالہ کو دونوں ہاتھوں میں منہ چھپاتے پھوٹ پھوٹ کر روتے دیکھا۔

"لالہ" وہ بس اس کا نام لے کر رہ گیا۔

"میں ٹھیک ہوں۔"لالہ نے چند لمحوں میں ہی خود کو کمپوز کرتے ہوئے چہرہ صاف کیا۔

"مجھے لگا میں یہاں اکیلی رہ گئی ہوں۔تم سب چلے گئے ہو۔"اس کی بات پر سینے پر ہاتھ باندھے وہ اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

"سب چلےہی گئے ہیں۔"نہ جانے کیوں ضیا علی خان کو لالہ کا سکون غارت کر کے ہی سکون ملتا تھا۔

"مطلب۔"وہ پہلی بار چونکی۔۔۔

"مطلب صرف تم اور میں بچے ہیں۔باقی سب لوگ نکل چکے ہیں۔"اس کی بات پر لالہ کا منہ ذرا سا کھلا تھا۔

"اور شکر کرو کہ میں بھی کسی کام سے تھوڑی دیر لیٹ ہو گیا کیونکہ میرے گارڈز میری گاڑی بھی لا چکے ہیں تو مجھے کوئی ایشو نہیں تھا رکنے کا۔۔۔تبھی میم سبسم نے مجھے کال کر کے تمہارا بتایا تو میں تمہیں چیک کرنے آ گیا۔"اس نے صفائی سے جھوٹ گھڑا۔

"اوہ میرے خدا۔۔۔"وہ سر پکڑ کے بیٹھ گئی۔

"اب میرے ساتھ چلنا ہے یا کوئی اور بندوبست کر لوگی؟"اس نے معصومیت سی چہرے پر طاری کرتے ہوئے پوچھا۔لالہ نے لب چلتے ہوئے ایک بے بس سی نگاہ ضیا پر ڈالی۔وہ یوں کندھے اچکا جتلا رہا ہو۔"

"تمہارے پاس اور کوئی آپشن نہیں رہا لالہ ارتضی زیدی۔۔۔"

"اوکے۔"کافی دیر تک اسے یونہی خاموش دیکھ کر ضیا نے ہاتھ جھاڑے۔

"میں نکلتا ہوں، ویسے بھی مجھے شہر سے آگے پھر گاؤں بھی جانا ہے ضروری کام سے۔"اس نے ہاتھ اٹھا کر جیسے اسے الوداع کہا

تھا اور مڑ گیا تھا۔

"رکو" لالہ کی تیز آواز نے اس کے قدم روک دیے تھے، وہ مڑا نہیں تھا لیکن لبوں پر حسین مسکراہٹ رقص کرنے لگی تھی۔

"مجبوری ہے۔ میں تمہارے ساتھ جاؤں گی۔" وہ کمزور آواز میں بولی تھی ضیا سر ہلاتا کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ لالہ نے کچھ دیر سوچا پھر مرے مرے قدموں سے اس نے بھی ضیا کی تقلید کی تھی۔ اسے خود پر۔۔۔ نمرہ پر اور باقی سب پر سخت غصہ آ رہا تھا۔ لیکن فی الحال وہ یہ موقع بھی نہیں گنوانا چاہتی تھی۔

جو اس اجنبی شہر میں قدرت نے اسے دیا تھا۔۔۔ کم از کم اسے تو یہی لگا تھا۔

☆......☆......☆

آدھی سے زیادہ رات بیت چکی تھی لیکن نیند ان کی آنکھوں سے غائب تھی۔ شوق سا جاگ رہا تھا ان کی گہری سبز آنکھوں میں۔۔۔ آرام دہ کرسی پر جھولتے وہ مسلسل دروازے کی سمت دیکھ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں کا شوق پتا دے رہا تھا۔۔۔ وہ کسی کا بے صبری سے انتظار کر رہے تھے تبھی زنجیر سی چھنکی تھی جھولتی کرسی ایک دم روک دی تھی انہوں نے چھن چھن کی دھیمی آواز آہستہ آہستہ قریب آ رہی تھی۔ گھنی مونچھوں تلے ہونٹ مسکرا اٹھے تھے۔ پھر آواز ان کے کمرے کے دروازے پر آ کر رک گئی۔ پھر کسی نے آہستگی سے ان کے بیڈروم کا دروازہ کھٹکھٹایا تھا۔

"چھوڑ دو۔۔۔" انہوں نے بارعب آواز میں حکم دیا تھا۔

ان کی آواز پر دروازہ فوراً ذرا سا وا ہوا تھا اور تھکے تھکے وجود کو گھسیٹتے وہ دو مرد اندر آئے تھے۔ انہوں نے فوراً ہاتھ کے اشارے سے انہیں جانے کا کہا تھا۔ وہ سر جھکاتے واپس ہو لیے۔۔۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اور دروازہ لاک کر دیا تھا۔ پھر دھیرے، دھیرے چلتے اس کمزور وجود کے قریب آ ٹھہرے تھے جس کے لمبے بالوں نے اس کے چہرے تک کو ڈھانپ رکھا تھا۔ وہ کمزور سا وجود یوں ہانپ رہا تھا جیسے پیدل کوئی لمبی مسافت کر کے آیا ہو یا پھر کافی مدت بعد چلا ہو۔

"کیسی ہو؟" انہوں نے اسے کندھے سے تھام کر نرم لہجے میں پوچھا۔

"ہونہہ۔۔۔" کمزور وجود نے سختی سے آواز نکالتے ہوئے ان کے ہاتھ جھٹک دیے تھے۔ وہ بمشکل خود کو سنبھال پائے تھے۔

بلند آواز میں فحش سی گالی دیتے ہوئے انہوں نے اسے بالوں سے دبوچا۔۔۔ اس کے منہ سے اف تک نہیں نکلی تھی۔۔۔

زرد لیکن خوب صورت چہرہ بالوں کے پردے سے آزاد ہو گیا تھا۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتے رہے تھے۔ جب اس نے دوبارہ خود کو ان کی گرفت سے آزاد کرانے کی کوشش کی تھی۔

اف۔۔۔ف۔۔۔" انہوں نے گرفت مزید سخت کرتے ہوئے کہا۔

خوب صورت نیلی آنکھیں غصے سے انہیں دیکھنے لگیں۔

"رسی جل گئی۔۔۔پر بل نہیں گیا"انہوں نے اسے بالوں سے کھینچتے ہوئے اپنے قریب کرلیا تھا۔۔۔

"یہی تو بات ہے سہراب خان رسی ابھی جلی نہیں۔۔۔"ان کے سینے سے لگی بالکل بے بس سی وہ عورت بے حد مضبوط لہجے میں بولی تھی۔اس کی آواز کے ساتھ ساتھ اس کی آنکھوں میں بھی بے خوفی تھی۔

"تم نے تو بس کھیل شروع کیا ہے۔مگر بھول گئے ہو کچھ کھیل بہت لمبے چلتے ہیں۔خاص کر زندگی کے کھیل۔۔۔سازشوں کے کھیل۔۔۔"وہ منہ ان کے مزید قریب کر کے پھنکاری تھی۔

"بس۔۔۔" کمزور کمر کے گرد مضبوط بازو حمائل کرتے ہوئے انہوں نے اس کمزور سے وجود کو خود میں سمولیا تھا۔

"بس یہی ادا ہے تمہاری"وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہو مخمور لہجے میں بولے۔

"جس سہراب علی خان کے سامنے شیطان بھی خوف سے تھر تھر کانپتا ہے تو اسے بولتی ہے شیرنی ہے قسم سے۔۔۔"وہ مسلسل ان کے شکنجے کو توڑنے کی کوشش کرنے لگی تھی۔

''اسی وجہ سے صرف اسی وجہ سے تجھے چھوڑ کر بھی تجھے بھول نہیں پایا میں۔۔۔''وہ اس کی ہر کوشش ناکام کرتے ہوئے بولے تھے۔

"چل اب مجھے پریشان نہ کر ویسے بھی اتنے سال اس کال کوٹھڑی کے بعد اپنے پرانے بیڈروم میں آکر کچھ تو تمہیں بھی یاد آیا ہوگا۔"اس کے پیروں سے بندھی زنجیر شور کرنے لگی تھی۔

"بیوی نہ سہی۔۔۔باندھی ہی سہی۔۔۔پر میرے کمرے پر تمہارا حق ہمیشہ رہنے والا ہے۔"انہوں نے بھوکی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بیڈ پر اچھال دیا تھا۔

"میں تھوکتی ہوں سہراب خان تجھ پر تجھ سے جڑی ہر شے پر۔۔۔تھو۔۔۔"اس نے نڈر لہجے میں کہتے ہوئے ان کے چہرے پر تھوکا تھا۔سہراب علی خان نے آستین سے چہرہ صاف کرتے ہوئے غضب ناک نظروں سے اسے گھورا تھا۔اور پھر ایسے اس کمزور وجود پر پل پڑے تھے جیسے شیر اپنے شکار پر۔۔۔نہ جانے کتنے سالوں بعد حویلی ایک مرتبہ پھر اس کی دردناک چیخوں اور زنجیر کے شور سے گونج اٹھی تھی۔

☆......☆......☆

ریسٹورنٹ کی کھلی چھت پر کونے کی ٹیبل پر بیٹھا وہ کپل بے حد حسین تھا تبھی آتے جاتے لوگوں کی توجہ کھینچ رہا تھا اوپر سے خاموشی سے اسے تکتی امن۔۔۔

"مجھے گھورنا بند کرو پلیز۔۔۔"دونوں ہاتھوں کی پوائنٹر فنگر ملا کے ہونٹوں پر رکھتے ہوئے اس نے جیسے درخواست کی تھی۔

" کم آن باری۔۔۔"تم شرما رہے ہو امن کھلکھلا دی۔اسے خود اتنا اچھا لگ رہا تھا باریال کو ایسے تکتے رہنا اور اس کی حیا سے

بوجھل ہوتی آنکھیں اور جھینپتا انداز۔۔۔

"غیرت دار پٹھان ہوں یار۔۔۔"اس کی بات پر وہ بھی دھیرے سے مسکرا دیا تھا۔ہلکی سی مسکراہٹ پر بھی اس کی آنکھوں میں ہمیشہ چھل دیتی نمی بھی چمک اٹھتی تھی۔سحر سا طاری ہوا تھا۔۔امن اسے دیکھتی چلی گئی۔۔۔

" کچھ تو شرم کرو یار۔۔۔"اب کی باریال نے ٹیبل بجاتے ہوئے رخ پھیرتے ہوئے کہا تھا۔اور اس کی اس ادا پر امن ہنستی چلی گئی تھی۔

"میرے خیال میں مجھے چلنا چاہیے۔''وہ خفا خفا سا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"باریال۔۔۔باریال۔۔۔"امن بھی فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

اچھا سوری۔۔۔سوری۔۔۔"

"پکا۔۔۔"وہ سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہنڈرڈ پرسنٹ۔۔۔"وہ واقعی شرمندہ تھی۔باریال دوبارہ بیٹھ گیا۔

"توبہ ہے باری تم تو ناراض بھی لڑکیوں کی طرح ہوتے ہو۔۔۔"وہ پھر ہنس رہی تھی۔

"میں واقعی چلا جاؤں گا امن۔۔۔"اسے یونہی غیر سنجیدہ دیکھ کر اس نے دھمکی دی جو فوراً اثر کر گئی امن خاموشی سے ٹیبل بجانے لگی۔

"اب ہم کیا وہ بات کر لیں جس کے لیے محترمہ نے مجھے یہاں بلایا ہے۔" کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد باریال نے کہا تو امن کے یاقوتی لبوں پر مسکراہٹ سی پھیل گئی۔

" آج کا دن کتنا خوبصورت ہے ناں"وہ دونوں ہاتھوں پر ٹھوڑی جماتے ہوئے بولی۔۔۔موسم واقعی بے حد خوب صورت تھا۔ ایک دم سے گھر کر آنے والے کالے بادلوں نے دن کو شام سی خوب صورتی عطا کی تھی۔اوپر سے کن من برستی رم جھم۔۔۔سب کچھ جیسے نکھر سا گیا تھا۔

"دن تو سبھی خوب صورت ہوتے ہیں۔"باریال نے اس کی بات کا جواب دیا تو اس کا منہ بن گیا۔

"توبہ باریال تم کتنے بور ہو۔۔۔"وہ چڑ گئی تھی۔

"سچی۔۔۔؟"باریال خوش ہوا۔

"تو میں چلوں۔۔۔"فوراً اجازت چاہی۔

"باری۔۔۔"اب کی بار وہ واقعی ناراض ہونے لگی تھی۔

"امن پلیز جلدی بتاؤں جو کہنا ہے دیدے میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔"اس نے گھڑی دیکھتے ہوئے اس کی ناراضی کی پروا نہ

کرتے ہوئے کہا۔۔۔امن کچھ دیر اسے یونہی ناراض نظروں سے گھورتی رہی۔

"واٹ۔"باریال نے سوالیہ انداز میں کندھے اچکائے۔

امن نے کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھا پھر ایک گہری سانس لے کر خود کو جیسے کمپوز کیا۔اور پرس سے ایک مخملیں سرخ کیس نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔باریال نے پہلے کیس اور پھر اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

" کھولو تو"امن مسکرائی۔باریال نے سر ہلاتے ہوئے بایاں ہاتھ آگے بڑھا کر کیس اوپن کر دیا۔ہیرے کی خوبصورت انگوٹھی جلملا رہی تھی۔

"یہ۔۔۔"وہ حیران سا امن کو دیکھنے لگا تھا۔

"مجھ سے شادی کرو گے باریال"ہیرے کی انگوٹھی کی ساری جھلملاہٹ اس وقت جیسے امن کی آنکھوں میں جا سمائی تھی

باریال بت بنا اسے دیکھتا رہ گیا۔

☆......☆......☆

گیٹ اس قدر زوردار آواز سے کھلا تھا کہ اقرا اور حمزہ دونوں دوڑتے ہوئے باہر آئے۔زرینہ بیگم تھیں-چہرے پر شدید غصہ رقم تھا۔اقرا اور حمزہ دونوں نے ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا جیسے ایک دوسرے سے آنکھوں ی آنکھوں میں ان کے غصے کی وجہ پوچھ رہے ہوں۔

"ہائے اقرا پانی پلا ٹھنڈا۔۔۔"ماتھے پر ہاتھ مارتی وہ صحن میں رکھے تخت پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔اقرا فورا کچن کی طرف بھاگی حمزہ ماں کے قریب چلا آیا۔

" کیا ہوا امی؟ آپ تو مارکیٹ گئی تھیں ناں۔۔۔؟"حمزہ نے پریشانی سے پوچھا۔

"مارکیٹ کے لیے ہی نکلی تھی لیکن پھر اماں کی طرف چلی گئی نظریں چراتے ہوئے جیسے انہوں نے اپنا جھوٹ بھی چھپایا تھا۔لیکن حمزہ فورا بات کی تہہ تک پہنچ گیا تھا انہیں مارکیٹ کا کہہ کر وہ نانو کی طرف ہی گئی تھیں تاکہ حمزہ وہاں نہ جا سکے۔۔۔وہاں جا کر انہیں لالہ کے ٹور پر جانے کا پتا چلا ہو گا اور یہ سارا نزلہ اب اس پر گرنے والا تھا۔وہ بددل ہو کر اٹھنے لگا تھا۔

"اور سنو۔۔۔"اسے اٹھتا دیکھ کر انہوں نے فورا تیزی دکھائی۔

"وہ اپنی لالہ۔۔۔جس کی بڑی تعریفیں کرتے ہو ناں تم۔۔۔اسلام آباد پہنچی ہوئی ہے۔وہ، بھی اکیلی اتنے مردوں کے ساتھ۔۔۔"دونوں ہاتھوں سے بین کرتی وہ اسے بریکنگ نیوز دے رہی تھی حمزہ لب کاٹنے لگا جبکہ پانی کا گلاس لاتی اقرا کا بھی دل سخت برا ہوا۔

"ہائے ہائے میرے بھائی کی روح کو مر کر بھی چین نہ لینے دیں گے یہ لوگ۔۔۔"وہ اونچی آواز میں بین کرنے لگیں حمزہ گیٹ کی

طرف بڑھا۔

"لکھوا لو یہ بی بی میرے بھائی کی عزت کو داغدار کر کے ہی رہے گی۔۔۔" آواز حمزہ کو باہر جاتا دیکھ کر مزید بلند ہوئی حمزہ تیزی سے گیٹ کراس کرتا باہر نکل گیا تھا۔

"مجال ہے جوان کے خلاف کچھ سن لے۔" فوراً آواز معمول پر آئی تھی۔

"اور تو۔۔۔ تو ادھر مر۔۔۔" اقرا کو گھوری دکھائی۔ وہ فوراً قریب آئی۔

"اب صرف پانی پر ہی ٹرخائے گی، جا چائے بنا میرے لیے۔۔۔" گلاس لیتے ہوئے ایک دھپ بھی کمر پر رسید کی گئی وہ بیچاری کمر سہلاتی اندر چلی گئی۔

"کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا اس لالہ بی بی کا جادو حمزہ کے سر سے اتارنے کیلئے۔" ان کی سوئی اب بھی لالہ پر ہی اٹکی ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

ضیا گاڑی تیز چلا رہا تھا۔ لیکن لالہ بھی خاموشی سے بیٹھی رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا ضیا جان بوجھ کر صرف اسے تنگ کرنے کے لیے گاڑی تیز چلا رہا تھا۔ ایک تو بیٹھی فرنٹ سیٹ پر تھی۔ سامنے سے آتی ہر چیز اسے خود سے ٹکراتی محسوس ہوتی۔ دل دھڑک دھڑک جاتا۔ لیکن پھر بھی خاموش بیٹھی رہی۔ وہ کسی طور خود کو کمزور ثابت نہیں کرنا چاہتی تھی۔

ضیا کے تینوں گن مین پچھلی سیٹ پر براجمان تھے۔ وہ گاہے بگاہے ان پر بھی ڈری ڈری نظر ڈال لیتی۔ لیکن وہ سب مکمل طور پر باہر متوجہ تھے۔ لالہ نے ایک مرتبہ بھی ان کو اپنی طرف متوجہ نہیں پایا تھا۔ ضیا بھی۔۔۔ فی الحال تک تو خاموش ہی رہا تھا۔ یہ چیز بھی اسے مطمئن کر رہی تھی۔ صرف چند منٹس کی ڈرائیو کے بعد ہی وہ اسلام آباد سے نکل آئے تھے اور موسم بھی نہایت سہانہ ہونے لگا تھا۔ ایک دم سے گھر کر آنے والے بادل اور ننھی منی کن من ضیا نے ہاتھ آگے بڑھ کر پلیئر آن کر دیا۔

آج کی بات پھر نہیں ہو گی

یہ ملاقات پھر نہیں ہو گی

ایسے بادل تو پھر بھی آئیں گے

ایسی برسات پھر نہیں ہو گی

نصرت فتح علی خان کی آواز نے ماحول میں ایک دم سحر سا طاری کیا تھا۔ لالہ نجانے کیوں مزید سمٹ گئی تھی۔ اور ضیا وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔۔۔ وہ کس لیے زیادہ خوشی محسوس کر رہا تھا۔

لالہ کے ساتھ ہونے کے لیے۔۔۔ یا باء جی کی منزل کے بے حد قریب ہونے کے لیے۔۔۔

وہ سمجھ نہیں پارہا تھا ایک موسم اور دوسرا مدہم موسیقی اور بادشاہ سر کی آواز۔۔۔وہ جیسے کسی سحر کے حصار میں محصور ہوا جارہا تھا۔

رات ان کو بھی یوں ہوا محسوس

اب یہ رات پھر نہیں ہوگی

لالہ نے چادر اپنے گرد مزید لپیٹی تھی۔

ہے کہاں کا ارادہ تمہارا صنم

کس کے دل کو اداؤں سے بہلاؤ گے

میوزک تیز ہوا تھا۔لالہ نے اچانک ہی ضیا کی طرف دیکھا وہ اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔وہ بری طرح جھینپ گئی۔

"تم اسے بند کر کے نہیں چلا سکتے کیا گاڑی۔۔۔"وہ غصے سے بولی۔

"چلا سکتا ہوں لیکن اس طرح تھکوں گا نہیں ناں۔"وہ مسکرایا۔

"تم نے سنا نہیں میوزک روح کو تازہ دم کر دیتا ہے۔:ساتھ ہی لالہ کی معلومات میں بھی اضافہ کیا گیا۔

"ابھی تو یہ مجھے تھکا رہا ہے،سر میں درد ہونے لگا ہے۔"اس نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

''اوہ۔۔۔تو یوں بتاؤ ناں۔۔۔"وہ پریشان ہو گیا فورا میوزک آف کر دیا۔۔۔

"یہاں کچھ دور ایک کیفے ہے۔کہو تو کافی پینے رک جاتے ہیں۔"اس کی آفر پہ لالہ سوچ میں پڑ گیا۔

"بالکل فریش ہو جاؤ گی۔"وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے گاڑی کی اسپیڈ کم کرتے ہوئے بولا تھا۔

"لیکن"وہ بیک ویو مرر میں اس کے گن مین کو دیکھتے ہوئے کچھ کہتے ہوئے ٹھٹکی۔ضیا نے اس کی حرکت نوٹ کر لی تھی۔

"تم لوگ گاڑی کے پاس ہی رہنا۔۔۔ہم بس کافی پی کر آتے ہیں۔"وہ ایک خوب صورت ہوٹل کے اوپن یارڈ کیفے تھا جس طرف اس نے گاڑی موڑتے ہوئے اپنے آدمیوں کو ہدایت دی تھی۔

"یا پھر پچھلی طرف ہوٹل سائڈ پر جا کر تم لوگ بھی کچھ کھا پی لینا۔میں پے کر دوں گا۔۔۔"دوسرے ہی لمحے اس کی دوستانہ نیچر اٹڈ کر آئی تھی۔

"جی خان۔"ایک آدمی نے مودب لہجے میں جواب دیا تھا۔اور گاڑی سے نکلتے وقت لالہ بالکل بھی نہیں دیکھ پائی تھی کہ ضیا نے اپنا فون اس آدمی کو پکڑا دیا تھا۔

☆......☆......☆

ان دونوں کے درمیان کتنے ہی پل خاموشی سے سرک گئے۔۔۔امن باریال کو دیکھ رہی تھی اور باریال۔۔۔ٹیبل پر پڑی اس

قیمتی انگوٹھی کو۔۔۔بارش کی ننھی رم جھم ان دونوں کو بھگونے لگی تھی۔لوگ تیزی سے نیچے جانے لگے تھے لیکن وہ دونوں جیسے سمے کی چھڑی سے بت بنے رہ گئے تھے۔

باریال حیرت اور بے یقینی کے سمندر میں غوطہ زن تھا۔۔۔تو امن جیسے حیات گل کی تمام تر خوشیوں سے دامن سمیٹنے کے لیے بے قرار۔۔۔ وقت نے رفتار کی لگامیں ایک دم سے کھینچی تھیں۔

کائنات کی ہر چیز ہے جیسے ان دونوں کے مقدر کے فیصلے کی منتظر تھی۔ان دونوں میں سے ہر ایک کو کیا ملنے والا تھا؟ وصال قبولیت، محبت یا ہجر کی کالی سیاہی۔۔۔دکھ اور فاصلے۔۔۔اور وقت کی آنکھ نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ امن کی آنکھوں میں صرف خوشی تھی۔انتظار تھا۔۔۔وصل کا۔۔۔قبولیت کا۔۔۔محبت کا۔۔۔ لیکن ہجر دکھ اور فاصلوں کا خوف نہیں تھا اور اسے لگا یہی غلط تھا۔ اس قدر اعتماد ہی تو اچھا نہیں ہوتا۔۔۔قسمت یہی پہ تو دھوکا دے جاتی ہے۔اور سوچ کے بالکل الٹ ہو جاتا ہے۔

"باریال۔۔۔"امن کی آواز پر وہ فوراً اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"میں نے اتنا مشکل سوال تو نہیں پوچھا۔"وہ مسکراتے ہوئے چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"یہ کافی اچانک نہیں امن۔"وہ سر کے پیچھے ہاتھ باندھتا کرسی کی پشت سے ٹیک لگا گیا۔جیسے خود کو ریلیکس کر رہا ہو۔

"سوواٹ۔۔۔"وہ آگے کو جھکی۔

" کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں کہ امن سکندر تمہیں تو خود پرپوز کر رہی ہے۔"اس کی آواز میں غرور سا سما گیا۔باریال نے گہری نظر اس کے چہرے پر ڈالی پھر بایاں ہاتھ آگے بڑھا کر وہ ننھا سا کیس بند کیا اور آہستگی سے واپس اس کی طرف کھسکا دیا۔

"میں ابھی اس سب کے لیے تیار نہیں ہوں۔ مجھے سوچنے کا وقت دو۔۔۔"اس نے سادہ لہجے میں کہا تھا لیکن امن کے چہرے پر پھیلتی ناگواری بے حد واضح تھی۔

"واٹ ڈو یومین باریال ولی خان۔۔۔"غصے سے اس کی سفید بے داغ اسکن پر سبز رگوں کا جال سا تن گیا تھا۔

"امن سکندر اس ملک کے بزنس ٹائیکون سکندر خان کی بیٹی کا پرپوزل قبول کرنے کے لیے تمہیں سوچنا پڑے گا۔"وہ غصے میں آپے سے باہر ہو گئی تھی۔

ٹیبل پر دھرے خوبصورت قیمتی برتنوں کو زوردار ہاتھ مار کے نیچے گرا دیا تھا۔باریال بھی اٹھ کھڑا ہوا اس کی خوب صورت چمکیلی آنکھوں میں اب تاسف کا رنگ نمایاں تھا۔دو تین بیرے دوڑتے ہوئے وہاں آئے تھے۔

"تم واقعی ٹھیک کہہ رہی ہو امن"وہ دھیرے،دھیرے چلتے اس کے قریب آ ٹھہرا۔

امن کی کو آنکھوں میں ایک مرتبہ پھر امید سی لہرائی۔

"مجھے سوچنے کی بھی غلطی نہیں کرنی چاہیے۔" وہ ایک مرتبہ پھر اسے پاتال کی گہرائیوں میں دھکا دے رہا تھا۔

"سوری میں تم سے شادی نہیں کر سکتا۔" اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔ اور امن۔۔۔ دکھ سے اسے بھی دیکھتی اچانک ہی جھول کر زمین پر آ رہی۔۔۔ اسے سنبھالنے کے لیے سب سے پہلے آگے بڑھنے والا مرد بھی ہاریال ولی خان ہی تھا۔

☆......☆......☆

کافی ختم ہونے تک ضیا بالکل خاموش رہا تھا۔ لالہ نے دیکھا تھا وہ اس کی طرف بالکل بھی متوجہ نہیں رہا تھا۔ ارد گرد کے نظاروں میں ہی کھویا رہا۔ اس کے دل میں ضیا کے لیے شدید چڑ، آہستہ آہستہ پسندیدگی میں بدلنے لگی۔ وہ آج تو یہ ماننے پر مجبور ہو گئی تھی کہ نمرہ بالکل ٹھیک تھی۔ ضیا اس قدر برا آدمی نہیں جتنا وہ سمجھتی تھی۔ باقی رہی اس کے پیچھے آنے والے بات تو ایسے امیر لڑکے اکثر غریب لڑکیوں کی محبت میں ایسی بے وقوفانہ حرکاتیں کرتے ہی ہیں۔ یہ لالہ ارتضیٰ کا ماننا تھا۔

"تو کیا ضیا مجھ سے محبت کرتا ہے؟" اپنی ہی سوچوں پر وہ بری طرح چونکی تھی۔ دل اچانک ہی بے قابو سا ہوا تھا۔ ایک گہری نظر ضیا پر ڈالی۔۔۔ وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ بلیک شلوار قمیض میں ملبوس اس کی شخصیت بے حد اجلی تھی۔ ہلکے بھورے روئیں پہ بندھا وہ دھاگہ۔۔۔ لالہ نے اعتراف کیا تم وہ اسے بے حد سوٹ کرتا تھا۔۔۔ اچانک ہی ضیا نے اس کی طرف دیکھا تھا اور لالہ کو لگا اس سے پہلے اس قدر خوب صورت آنکھیں اس نے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ کچھ سرمئی سی۔۔۔ یا بادامی سی۔۔۔ یا جھلملاتی سنہری۔۔۔ وہ اس کی آنکھوں کا رنگ نہ جانچ سکی تھی۔

"تم مجھے گاڑی میں بھی یونہی دیکھ سکتی ہو۔ میں مائنڈ نہیں کروں گا۔" وہ اٹھتے ہوئے وہی دوستانہ مسکراہٹ چہرے پر سجاتے ہوئے بولا تو وہ بے اختیار جھینپ گئی۔۔۔

"نہیں، میں تو۔۔۔" وہ بول نہ سکی۔

"مذاق کر رہا تھا۔" "اس نے فوراً وضاحت دی۔

"چلیں۔۔۔؟" اور پوچھا۔

"ہاں۔۔۔" وہ نظریں جھکائے اپنا پرس اٹھاتی گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔ ضیا اندر کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے اندر آتے ہی اس کے خاص آدمی نے اس کا موبائل اسے تھما دیا تھا۔

"خان۔۔۔ بل ادا کر دیا ہے میں نے" اس نے مودب لہجے میں کہا۔

"تم لوگ چلو میں آیا۔" اس نے حکم دیا اور ان کے جاتے ہی تیزی سے موبائل پہ ہاتھ چلانے لگا تھا۔

☆......☆......☆

وہ گھر پہنچی تو کھانے کا وقت ہو رہا تھا۔امی اسے فریش ہو کر آنے کا کہہ کر گئیں تو وہ جلدی سے واٹس ایپ آن کر کے بیٹھ گئی گھر پہنچنے کا اسٹیٹس لگانا تو ہی گئی تھی۔اسٹیٹس لگا کر اس نے یونہی سرسری نگاہ نیچے فریش لگے دوستوں کے status پر ڈالی تھی۔سب سے نئی اپ ڈیٹ ضیا علی خان کی طرف سے تھی۔اس نے کچھ سوچتے ہوئے اس پر کلک کر دیا تھا۔اور اگلے ہی پل وہ اچھل ہی پڑی۔

یہ ایک اوپن کیفے کا منظر تھا۔ضیا علی خان اور لالہ ایک ساتھ۔۔۔اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا تصویر کے بعد تصویر بدل رہی تھی۔

"میرے ساتھ ایک کپ کافی پینا پسند کرو گی۔"ضیا کا مسکراتا ایک دم صاف لہجہ۔۔۔

"اگر تم نے پھر کبھی ضیا علی خان کے ساتھ میرا نام لینے کی کوشش بھی کی تو ہماری دوستی ختم۔۔۔"

"اتنے سادہ نظر آنے والے لوگ اتنے مکار کیسے ہو سکتے ہیں؟"وہ خود سے سوال کرتی لب کچلنے لگی تھی۔

ادھر ضیا علی خان نے seen میں نمرہ کا نام نظر آتے ہی مسکراتے ہوئے سیل آف کیا تھا اور بلیک گلاسز لگائے گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

"اسے ہوش آ گیا تھا۔ڈاکٹرز نے اس کی بے ہوشی کی وجہ ایک دم سے اسٹریس اسٹروک بتائی تھی۔

کسی بات پر وو شاکڈ ہوئی تھی۔اور وہ بھی اس قدر زیادہ کہ اس کا دل اور دماغ برداشت نہیں کر پائے تھے۔ان کا کہنا تھا کہ یہ اسٹروک جان لیوا بھی ثابت ہو سکتا تھا۔دیوار سے پشت لگائے،ٹانگوں کی قینچی بنائے،سینے پر بازو باندھے وہ بے بسی سے بستر پر پڑے اس وجود کو دیکھ رہا تھا۔جس کی کھلی رنگت میں صرف چند گھنٹوں میں زردیاں سی کھلنے لگی تھیں۔

وہ مسلسل اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور وہ۔۔۔وہ اس کی طرف نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔اس کے چہرے کے تاثرات سے وہ بخوبی سمجھ سکتا تھا۔اس سے پہلے کہ وہ اس سے کہنے کے لیے مناسب الفاظ تراشتا سکندر صاحب گھبرائے ہوئے اندر آئے تھے۔وہ احتراما سیدھا کھڑا ہوا تھا لیکن انہوں نے اسے نہیں دیکھا تھا۔سیدھا بیڈ پر نڈھال سی لیٹی امن کی طرف بڑھے تھے ان کو دیکھتے ہی امن نے اٹھتے ہوئے ان کی کمر کے گرد بازو حمائل کیے اور سسک پڑی۔

۔"امن۔۔۔میرے بچے۔۔۔"وہ جو پہلے ہی پریشان تھے اسے اس طرح بی ہیو کرتے دیکھ کر مزید پریشان ہو گئے۔

"امن۔۔۔واٹ ہیپنڈ مائی چائلڈ۔۔۔"انہوں نے محبت سے اس کے بالوں پر اپنے لب رکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"سر۔"باریال نے انہیں متوجہ کرنے کے لیے پکارا۔ان کے ساتھ ساتھ امن نے بھی سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

"پاپا اسے کہیں جائے یہاں سے۔"وہ دوبارہ ان کے پہلو میں سر چھپائے سسک اٹھی۔

"لیکن بات کیا ہے میری جان" وہ ناسمجھی سے کبھی باریال تو کبھی روتی بلکتی امن کو دیکھتے۔

"سر۔" باریال کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ امن نے چلا کر اسے روک دیا تھا۔

"چلے جاؤ یہاں سے باریال۔"

"امن پلیز۔۔۔" وہ امن کے قریب آیا۔

" گیٹ لاسٹ باریال۔۔۔ لیو۔۔۔ لیوناؤ" وہ چلائی تھی۔سکندر نے آنکھوں ہی آنکھوں میں باریال کو اشارہ کیا۔اس نے ایک بے بس سی نظر امن پر ڈالی۔اور پھر تیز قدموں سے باہر نکل گیا تھا۔

☆......☆......☆

لالہ کے لاکھ منع کرنے کے باوجود بھی ضیا خود اسے چھوڑنے اس کے گھر تک آیا تھا۔۔۔گھر سے ایک دو گلیاں دور ہی وہ ایک دم رک گئی۔

"آگے میں خود چلی جاؤں گی تم جاؤ۔۔۔" اس کے ہاتھ سے اپنا سفری بیگ تقریباً چھینتے ہوئے اس نے کہا۔

" کیوں۔۔۔کیا پرابلم ہے؟ ضیا کو برا لگا۔

" گھر تک چھوڑ دیتا ہوں ورنہ یہ آوارہ لڑکے تو یہ کام کر کے ہی دیں گے۔" اس نے نکڑ پر لگے بجلی کے کھمبے کے سائے میں کھڑے چند اوباش نوجوانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جو انہی کی طرف متوجہ تھے۔نظریں لالہ پر ہی جمی تھیں۔

"تم نہیں سمجھو گے ضیا۔۔۔بس پلیز تم جاؤ۔۔۔میں چلی جاؤں گی۔'' وہ کوئی رسک نہیں لینا چاہتی تھی۔ماں کے حوالے سے وہ ویسے بھی حساس تھی اوپر سے اس کی گلی کی کسی بھی خاتون نے اس طرح اسے ضیا علی خان کے ساتھ دیکھ لیا تو وہ جانتی تھی کیا کچھ ہو سکتا تھا۔تماشا بنتے ذرا دیر نہیں لگنی تھی۔اور وہ بس اسی تماشے سے ڈر رہی تھی۔

"اچھا تم جاؤ، میں یہیں کھڑا ہوں۔" اس نے ہار مانتے ہوئے کہا۔

"نہیں بالکل نہیں۔۔۔تم جاؤ ضیا۔۔۔" وہ بضد تھی۔ضیا نے ایک خفا خفا سی نگاہ اس پر ڈالی اور مڑنے ہی لگا تھا کہ ایک بائیک زوردار آواز سے ان کے قریب آ رکی تھی۔لالہ کی سانسیں رک سی گئی تھیں۔وہ شاہ ویز تھا جو یقیناً اسے اور ضیا کو دیکھتے ہی رک گیا تھا۔

"آ جاؤ لالہ۔۔۔" کوئی اور بات کیے بغیر شاہ ویز نے لالہ کو کہتے ہوئے اس کا سفری بیگ اٹھا کر اپنے سامنے رکھا تھا۔ضیا الجھی ہوئی نگاہوں سے شاہ ویز کو دیکھ رہا تھا۔لالہ کی آنکھوں میں کھلتی شناسائی سے وہ اتنا سمجھ ہی گیا تھا کہ لالہ سے اس کا کوئی اہم رشتہ تھا۔لیکن کیا۔۔۔یہ بات اسے الجھا گئی کیونکہ اس کی معلومات کے مطابق لالہ اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھی۔

''گھر پر سب ٹھیک ہیں؟'' لالہ نے بیٹھتے ہوئے شاہ ویز سے پوچھا تھا۔ضیا علی خان کو وہ مکمل نظر انداز کر چکی تھی۔وہ لب کاٹنے لگا۔

"ہاں سب ٹھیک ہیں۔" شاہ ویز نے نارمل لہجے میں جواب دیتے ہوئے بائیک آگے بڑھا دی تھی۔ لالہ نے ایک ترچھی نگاہ دور ہوتے ضیا پر ڈالی تھی۔ وہ مڑ چکا تھا۔

☆......☆......☆

سارا دن وہ خوشی خوشی دادو اور امی کو مری اور اپنے وزٹ کے متعلق بتاتی رہی تھی۔ شاہویز بھی موجود رہا تھا لیکن لالہ جانتی تھی امی اور دادو کے سوتے ہی وہ ضرور اس سے باز پرس کرنے کی سوچ رہا تھا۔ اس کا کھویا کھویا سوچوں کے جالی سے بھرا چہرہ دیکھتے ہوئے بھلے وہ امی اور دادی کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف رہی تھی۔ لیکن اندر ہی اندر اسے مطمئن کرنے کے بہانے ڈھونڈنے میں لگی رہی۔

رات کو اس کی توقع کے عین مطابق دادو اور امی کے کمرے میں جاتے ہی وہ اس کے کمرے میں چلا آیا تھا۔ وہ جو اتنے دن ضائع ہونے کے خیال سے پڑھنے میں لگی تھی۔ اسے اپنے کمرے میں داخل ہوتا دیکھ کر بالکل نہیں چونکی تھی۔ شاہ ویز کچھ قدم کے فاصلے پر ہاتھ سینے پر باندھے سے اسے چپ چاپ دیکھنے لگا۔ لالہ منتظر تھی وہ سوال پوچھے لیکن وہ چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔

"تم جو بھی پوچھنا چاہتے ہو پوچھ سکتے ہو شاہ ویز۔۔۔" بالآخر اس نے پہل کی تھی اور بیڈ پر جا بیٹھی۔

"تم حق رکھتے ہو۔۔۔" وہ اسے دیکھتے ہوئے مسکرائی۔ وہ کرسی اٹھاتا اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"میں یہ نہیں پوچھوں گا لالہ۔۔۔ کہ وہ کون ہے اور تم اس کے ساتھ کیوں آئیں۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے نرم لہجے میں بولا۔

"لیکن میں اتنا ضرور کہوں گا تم جانتی ہو ہم اتنی چھوٹی سی بات کے بھی متحمل نہیں ہو سکتے۔" لالہ جانتی تھی وہ آگے کیا کہنے والا ہے۔ اس کا منہ بن گیا تھا۔

"تم اچھی طرح جانتی ہو ہمارے محلے کی عورتوں کو۔۔۔ زرینہ پھپھو (اصل میں جو اس کی خالہ تھیں مگر وہ لالہ کی طرح پھپھو ہی کہتا تھا) تک اس بات کی بھنک بھی پہنچی تو حمزہ اور۔۔۔"

"شاہ ویز پلیز۔۔۔" لالہ نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

"ایسا کچھ بھی نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو۔ یہ صرف اتفاق ہی تھا کہ مجھے ایک کلاس فیلو کے ساتھ آنا پڑا پھر بھی تم جانتے ہو میں اس معاملے میں خود کتنی محتاط ہوں۔" وہ اٹھ کر سیٹ کی ہوئی کتابوں کو خواہ مخواہ ہی ادھر ادھر رکھنے لگی تھی۔ یہ اس کے اندر کا انتشار تھا۔ شاہ ویز کو اس سے ہمدردی محسوس ہوئی۔

"اور پھر مجھ سے زیادہ بہتر کون جانتا ہوگا کہ ایک لڑکی کی عزت کس قدر ہلکی ہوتی ہے، پر سے بھی ہلکی۔۔۔ ہاتھوں پہ گلیوں، بازاروں میں پھونکوں سے اڑائی جاتی ہے۔" وہ تلخ ہوئی تھی۔

"تم ناراض ہوگئی۔۔۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" شاہ ویز اداسی سے بولا لالہ نے ایک نظر اسے دیکھا پھر اس کے قریب آتے ہوئے بولی۔

"نہیں شاہ ویز مجھے اچھا لگا کہ تم میرا خیال رکھتے ہوں۔ میری کیئر کرتے ہو۔" اس کا لہجہ اس کی سچائی کا عکاس تھا شاہ ویز مطمئن سا ہوا۔

"لیکن۔۔۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔ شاہ ویز چونکا۔

"حمزہ اور مجھے ساتھ ملانے کی کوئی ضرورت نہیں۔۔۔ اس کے اور میرے درمیان زرینہ پھپھو کا حوالہ بہت صاف ہے۔۔۔ اور بے حد اہم بھی۔۔۔" قطعی لہجے میں کہتی وہ اسے بے حد خفا خفا سی لگی۔ رشتوں سے اپنوں سے۔۔۔

"چلو تھک گئی ہو گی تم سو جاؤ۔" شاہ ویز نے جاتے ہوئے اس کا سر تھپتھپایا تھا۔

وہ بھی تھکے تھکے انداز میں مسکرا دی تھی۔

☆......☆......☆

وہ کافی دن بعد اس بنگلے پر آیا تھا۔ پھر بھی دروازے پر کھڑے گارڈ نے فوراً اس کے لیے دروازہ کھول دیا تھا۔ وہ گاڑی سیدھا گیٹ کے اندر لے گیا تھا۔ اندر پہلے سے دو گاڑیاں کھڑی تھیں۔ نہ جانے کیوں اس کے ماتھے کی شکنوں میں اضافہ ہوا تھا۔ اندر سے آتے تیز میوزک اور گھنگھروؤں کے شور نے نہ جانے کیوں اس کی بیزاری میں اضافہ کر دیا تھا۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا اوپر ہال کی طرف آیا تھا۔ نشست سجی تھی اور اس کی توقع کے عین مطابق ناچنے والی دو تین لڑکیوں میں ایک زمزمہ بھی تھی۔ لیکن اس کی چال ڈھیلی تھی باقی لڑکیوں کی طرح اس میں وہ لچک نظر نہیں آ رہی تھی جو پہلی دفعہ ضیا کی توجہ کا مرکز بنی تھی۔ اور اس کی وجہ بھی صرف ضیا ہی جانتا تھا۔ جب سے وہ زمزمہ کی زندگی میں آیا تھا۔ زمزمہ نے اس دلدل سے نکلنے کی امید باندھ لی تھی اور اسی امید کی وجہ سے اسے سیلن زدہ بدبودار کام کرتے ہوئے مزید مشکل ہونے لگی تھی۔ ہال کے دروازے پر کھڑی ہوشیاری سی ادھیڑ عمر عورت نے اسے خوش آمدید کہا تھا۔

"خانم کو بلاؤ۔" اس نے اندر جانے کے بجائے اسے حکم دیا۔ اور سگریٹ سلگاتا کھلے چبوترے پر آ گیا۔ اس کی توقع کے عین مطابق خانم چند لمحوں میں ہی اس کے آگے کھڑی تھی۔

جس علاقے میں وہ رہتی تھی یہاں اس قسم کا دھندا زیادہ تر ہلکا ہی رہتا تھا۔ نشے کے عادی، چور اچکے اور کبھی کبھار ان کے شرفا اس طرف آ ہی نکلتے تو کچھ کمائی ہو جاتی۔۔۔ ایسے میں ضیا علی خان جیسے کسی لینڈ لارڈ کی اولاد کا آنا ان کی قسمت چمکا دیتا تھا۔ اسی لیے جب بھی وہ وہاں آتا تھا خانم بچھی بچھی جاتی تھی۔

"زہے نصیب زہے نصیب۔۔۔" ضیا ایک غصیلی نگاہ اس کے تہہ در تہہ میک اپ میں چھپے چہرے کو تکتا اس کے نزدیک آیا۔

"میں نے منع کیا تھا جب تک میں یہاں آتا ہوں زمزمہ کسی اور کے سامنے نہیں جائے گی۔" سخت لہجے میں کہتا وہ آخری بات پر ت چلایا تھا۔

"حکم خان حکم۔۔۔"وہ کانپتی ہاتھ باندھ گئی۔

"آپ اتنے دن آئے ہی نہیں۔" نظریں جھکائے وہ آہستہ لہجے میں بول رہی تھی۔لیکن ضیا اس کے باوجود اس کے دل میں چھپے لالچ کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔

"اور آپ کو تو پتا ہے خان یہاں دو دو دن تک ان دوشیزاؤں کے پانی جیسے شفاف حسن کو رقص اور موسیقی کی غذا نہ ملے تو گہنا جاتی ہیں۔۔۔کائی زدہ تالاب کی طرح بے ڈھب لگنے لگتی ہیں۔" دانت نکالتے ہوئے وہ خباثت سے بولی تھی۔ضیا نے بمشکل اس پر ہاتھ اٹھانے سے خود کو روکا تھا۔وہ دو قدم آگے آیا تھا۔۔۔اور خانم خوفزدہ ہو کر پیچھے۔۔۔

"زمزمہ چاہے گہنا جائے چاہے سب بھول جائے آئندہ یہ غلطی مت کرنا خانم۔۔۔"اس کی آنکھوں میں عجیب سے شعلے لپک رہے تھے۔خانم پر لرزہ سا طاری ہونے لگا تھا۔

"جاؤ زمزمہ کو بھیجو یہاں۔۔۔"وہ مڑ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا تھا۔خانم سر ہلاتی تیزی سے باہر کی طرف بڑھ گئی تھی۔

چند لمحوں بعد ہی زمزمہ اندر آئی۔۔۔اور تھکی تھکی سی صوفے پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گئی۔اس نے ہمیشہ کی طرح ضیا خوش آمدید نہ کہا تھا۔بس خاموشی سے پیروں سے بندھے گھنگرو اتارنے لگی تھی۔وہ دھیرے دھیرے چلتا اس کے قدموں میں آ کر بیٹھ گیا۔

"تھک گئی ہو زمزمے۔۔۔"اس نے زمزمہ کے پسینے سے تر چہرے کو دیکھتے ہوئے نرمی سے پوچھا تھا۔

"نہیں خان بس لگتا ہے ٹوٹنے لگی ہوں۔"اس کی سیاہ کٹھور آنکھوں میں پانی جھلملانے لگا تھا۔ضیا اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں تمہیں خرید لوں گا زمرے۔۔۔تمہیں ہمیشہ کے لیے اس دلدل سے دور لے جاؤں گا۔" وہ بولا تو زمزمہ بت بنی رہ گئی۔تو کیا واقعی اسے زمزمہ کی مدد کے لیے خدا نے بھیجا تھا۔اس کی دعائیں قبول ہوئیں تھیں۔

"میں باء جی سے بات کرتا ہوں وہ میری بات کبھی نہیں ٹالیں گے۔" وہ فیصلہ کرتے ہوئے باہر کی طرف بڑھا۔زمزمہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"لیکن۔"خانم وہ پریشان لہجے میں بولی۔

"اس کا مسئلہ صرف پیسہ ہے اور ویسے بھی ضیا علی خان جو سوچ لے کر کے رہتا ہے۔

" So no worries وہ باہر نکل گیا تھا۔زمزمہ کا دل نہ جانے کیوں سجدہ شکر کے لیے مچل رہا تھا۔

☆......☆......☆

دو دن بعد ہی ابراہیم نے اوزگل اور گل مینہ کو سب بڑے بڑے کالجز کا وزٹ کروا دیا تھا۔اور گل مینہ نے ایک اچھے کالج کو سلیکٹ کر کے ایڈمیشن بھی کروا لیا تھا۔اوزگل اور گل مینہ تو بے حد خوش تھیں۔لیکن ابراہیم۔۔۔وہ اس ذمہ داری سے اکتانے لگا تھا۔اوزگل

کی تو پھر بھی خیر تھی۔سارا وقت گاڑی سے باہر جھانکتے دوڑتے بھاگتے مناظر کو تکتی رہتی لیکن اصل مسئلہ تھا گل مینہ۔۔۔

وہ سارا وقت بس اسے تکتی رہتی اور بیچارے ابراہیم حیات کے ہاتھ کانپتے رہتے۔اسے اس خانزادی کی نڈر اور بے باک آنکھوں سے خوف سا آتا تھا۔کبھی کبھی اسے لگتا تھا وہ ہر طرح کے اختیار کے باوجود اس سنہری جھیل میں ڈوب مرے گا۔نہ جانے کیوں وہ آس پاس ہوتی تو ایک سنہرا پن سا اسے اپنے گرد محسوس ہوتا—وہ کسی حصار میں خود کو جکڑتا محسوس کرتا۔وہ فوراً خود کو سنبھال لیتا۔اسے گل مینہ کی نظروں میں بھی اپنا عکس نظر آیا تھا لیکن وہ اس کی طرح خود سے بھی ہر جذبہ چھپانے والی لڑکی نہیں تھی۔اس کے اندر بغاوت سی تھی ۔۔۔عشق سی بے باکی۔۔۔اور یہی چیز اس سے خوفزدہ کیے جاتی۔

اب بھی جب وہ داخلہ کرا کر واپس گھر جا رہے تھے تو گل مینہ نے اچانک ہی آئس کریم کی فرمائش کر دی تھی۔وہ منع کرنا چاہتا تھا لیکن اس نے جب چلتی گاڑی کا ہی دروازہ کھول دیا تو چار و ناچار اسے رکنا پڑا۔

" کیا کرتی ہو گل مینے ۔۔۔ایسے کچھ ہو جاتا تمہیں تو؟"اوزگل نے دھک دھک کرتے دل کے ساتھ اسے ڈانٹا۔

"ہاں تو اس ڈرائیور کی غلطی ہیناں ۔۔۔یہ کیوں میری ایک بات نہیں سنتا۔۔۔"وہ منہ بناتے ہوئے گاڑی سے اتری یہ دیکھے بغیر کہ ڈرائیور کے لفظ پہ ایک مرتبہ پھر ابراہیم کی آنکھیں سلگ سی اٹھی تھیں۔

"ایک مرتبہ بھائی آ جائیں۔اس ڈرائیور کی اور تو نوکری ہی ختم کروانی ہے میں نے۔۔۔"اس نے ابراہیم کو زبان ہوئے کہا اور آئس کریم کارنر کی طرف بڑھ گئی اوزگل کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کے سر پر بالکل جمی چادر کو سامنے سے کھینچ کر گل مینہ کو گھونگھٹ کروا دے۔۔۔شہر آتے ہی اس نے چادر سے چہرہ ڈھانپنا بالکل چھوڑ دیا تھا اور بالکل بے پرواہ سی ہو گئی تھی۔

اوزگل کو ابراہیم پر بھی ترس آتا تھا۔جب سے گاؤں سے آئے تھے۔وہ ہر جگہ ان کے ساتھ نہ صرف خوار ہو رہا تھا بلکہ گل مینہ کی ہر الٹی سیدھی حرکت بھی نظر انداز کرتا رہا تھا۔اس سارے وقت میں وہ تقریباً خاموش ہی رہا تھا۔سوائے کام کی بات کے جواب دینا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔

"مجھے لگتا ہے آج مجھے باء جی کو فون کر کے تمہاری کچھ تو خبر دے دینی چاہیے ورنہ ساری حدود ہی بھول جاؤ گی تم۔۔۔گاڑی میں واپس بیٹھتے ہی اوزگل نے اسے ڈرانے کی کوشش کی۔

"آپ کو یہ زحمت کرنے کی ضرورت نہیں۔میں آج خود ہی باء جی کو بتا دوں گی سب۔۔۔ اگر آج بھی ضیا لالہ نہ آئے تو دیکھنا میں کرتی کیا ہوں۔"الٹا وہ منہ بسورنے لگی تھی۔

ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ابراہیم کے لبوں پر بہت پیاری مسکراہٹ رینگ گئی تھی اور بالکل اسی وقت اس نے اپنے سامنے ضیا کی گاڑی کو رکتے دیکھا تھا۔

"لالہ۔۔۔"ضیا کو گاڑی سے اترتا دیکھ کر گل مینہ چیختے ہوئے گاڑی سے اتری اور بھاگ کر بھائی سے لپٹ گئی تھی۔ضیا نے دایاں بازو بہن کے کندھے کے گرد پھیلا دیا تھا۔ابراہیم بھی فوراً باہر آیا تھا اوزگل نے بھی ان کی پیروی کی تھی۔

"بھائی شکر ہے آپ آگئے۔۔۔"ہمیشہ کی طرح گل مینہ فوراً اسٹارٹ ہوئی تھی۔ابراہیم ضیا سے ہاتھ ملاتا وہیں ٹھہر گیا اوزگل بس دونوں کو دیکھ کر رہ گئی اسے اب گل مینہ کے خاموش ہونے تک چپ ہی رہنا تھا۔

"ورنہ آپ کے اس ڈرائیور اور اس بڑی بہن۔۔۔"اوزگل کو دیکھ کر بڑی بڑی آنکھیں مزید بڑی ہوئیں۔

"ان دانوں نے مجھے تنگ کر دیا تھا۔"بڑے مان سے شکایت کی گئی تھی ابراہیم کا منہ بنا اور ضیا کا قہقہہ بے ساختہ تھا

"آپ ہنس رہے ہیں۔"مینے کو غصہ آنے لگا۔

"ہاں کیوں کہ یہ میرا ڈرائیور نہیں، میرا دوست ہے ابراہیم حیات"اس نے ہنستے ہوئے وضاحت کی تھی۔مینے نے چونک کر ابراہیم کی طرف دیکھا تھا۔وہ بتاتی نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

☆......☆......☆

جب سے اسپتال سے آئے تھے،امن کی حالت نے انہیں پریشان کر کے رکھ دیا تھا۔نہ وہ انہیں کچھ بتا رہی تھی نہ ہی وہ خود سمجھ پا رہے تھے۔باریال بھی شاید امن کے رویے سے کافی ہرٹ ہوا تھا تبھی واپس نہیں آیا تھا۔

"امن کیا ہوا ہے بچے۔"وہ اس کی کمر سہلاتے ہوئے دوبارہ پوچھنے لگے۔نڈھال سی ان کے سینے میں سر چھپائے وہ مسلسل سسک رہی تھی۔

"کچھ بتاؤ گی۔۔۔تو میں کچھ حل نکال پاؤں گا ناں۔۔۔"وہ اس کے سر پر ٹھوڑی رکھے اسے سمجھا رہے تھے۔

"پاپا۔۔۔"اس نے بھیگا بھیگا چہرہ اٹھا کر انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔۔۔وہ انگلیوں کی پوروں پر اس کے آنسو چننے لگے۔

"آپ تو نے کہتے تھے آپ کی امن اس دنیا کی سب سے خوب صورت لڑکی ہے۔"وہ ہچکیوں میں بولی۔

"میں اب بھی یہی کہتا ہوں میری جان۔۔۔میری امن اس دنیا کی سب سے خوب صورت لڑکی ہے۔"انہوں نے ہاتھوں کے پیالے میں اس کو خوب صورت چہرہ لیتے ہوئے کہا۔اپنی امن کو یوں بکھرا دیکھ کر ان کا اپنا دل پھٹا جا رہا تھا۔

"اور آپ نے یہ بھی کہا تھا کہ آپ کی پری کو کوئی نہیں ٹھکرا سکتا"وہ سسکی۔

"بالکل۔۔۔مجھے اپنا ایک،ایک لفظ یاد ہے بچے۔"وہ اس کی صبیح پیشانی چومتے ہوئے بولے

"لیکن ہوا کیا ہے امن؟"وہ سخت بے چین ہو رہے تھے۔

"اس نے مجھے ٹھکرا دیا پاپا۔۔۔امن سکندر کو اس نے ٹھکرا دیا پاپا۔۔۔"وہ چلاتے ہوئے بولی اور ایک مرتبہ پھر پھوٹ پھوٹ

کے رودی۔۔۔سکندر صاحب کچھ دیر خاموشی سے اس کی کمر سہلاتے رہے۔

"کون ہے وہ امن۔۔۔" حالانکہ انہیں پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی پھر بھی انہوں نے دھیمے لہجے میں پوچھا تھا۔

"باریال پاپا۔۔۔باریال ولی خان۔۔۔" وہ اس کا نام بتاتے ان کے سینے میں سما گئی تھی۔سکندر نے اسے خود میں سمیٹ لیا تھا۔

☆......☆......☆

تہہ خانے میں دن کے وقت بھی تقریباً اندھیرے کا راج تھا۔یہ موٹی موٹی دیواروں سے بنے کمرے پر مشتمل تھا۔جن کو سامنے سے جیل کے کمروں کی طرح باریک سلاخوں کے دروازوں سے بند کیا گیا تھا۔ہر کمرا مربع کی شکل کا تھا اور بے حد تنگ۔۔۔اس قدر کہ ایک آدمی اگر سیدھا لیٹتا اور پاؤں دوسری دیوار سے لگ جاتے۔ہر کمرے کی ساخت اور اس میں گنجائش تقریباً ایک ہی تھی۔

ہر کمرے کی پچھلی دیوار میں دو تین پتلی لکیروں کے مانند روشن دان تھے۔جو اس اندھیر نگری میں سورج کی چمکتی شعاعوں کو ملنے والا واحد راستہ تھے۔شاہ سوار نے تہہ خانے کا دروازہ کھولا اور پھر تین چار ملازموں کو لیے اندر آیا۔۔۔دروازہ کھلتے ہی روشنی نے جیسے ہر طرف ڈیرا جمایا تھا۔آنکھیں موندے لیٹے کچھ ترچھے ٹیڑھے بدن تیزی سے سیدھے ہوئے۔۔۔اور کچھ آنکھوں پہ ہاتھ رکھے رخ پھیر گئے۔سب اندر آنے والے باقی آدمی کھانے کی چھوٹی سی ٹرے ایک،ایک دروازے کے سامنے رکھتے گئے۔شاہ سوار سیڑھیوں کے اوپر ہی کھڑا چوکنا سا نہیں دیکھتا رہا۔کھانا تقسیم ہو چکا تھا اب وہ سب آدمی کل والے برتن اٹھا رہے جو تقریباً خالی تھے۔یہاں ناشتے کے بعد صرف ایک مرتبہ ہی کھانا دیا جاتا تھا،شام سے کچھ دیر پہلے۔برتن اٹھائے ایک ایک کر کے وہ سب باہر جانے لگے۔لیکن آخری آدمی شاہ سوار کے قریب آ کر رک گیا۔

"شاہسوار خان۔۔۔ اللہ لوک نے کچھ نہیں کھایا۔" اس نے ہاتھ میں پکڑی ٹرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"تم جاؤ میں دیکھتا ہوں۔۔۔" اس سے پرسوچ انداز سے دیکھتے ہوئے اسے جانے کے لئے کہا۔دروازہ اندر سے بند کرتا وہ نیچے اتر آیا سیڑھیوں کے بالکل سامنے والا کمرا اللہ لوک کا تھا اس کے لمبے سفید بال کھلے تھے اور چہرہ ان میں ڈھک سا گیا تھا۔۔۔

شاہسوار نے کندھے سے لٹکی مشین گن اتار کر سائیڈ پر رکھی اور ٹرے اٹھا کر دروازے کے قریب آ گیا۔ والے لوگ امی نے میرے سے پکارا-میری طرف خاموش میگی۔

"اللہ لوک۔۔۔" اس نے دھیرے سے پکارا دوسری طرف خاموشی رہی تھی

"اللہ لوک۔۔۔کھانا کھا لو۔۔۔" اس نے دوبارہ آواز دی۔۔۔اس بار اس نے سر اٹھایا- لمبے بال پیچھے ہوئے تھے،سفید نورانی چہرہ اندھیری کال کوٹھڑی میں جگمگایا تھا۔

" کھانا کیسے کھا لوں۔۔۔'' ان کی گہری سبز آنکھوں میں آنسو تھے پپڑی زدہ ہونٹ کپکپا رہے تھے۔

"بتا۔۔۔"وہ چلائی۔۔۔" کیسے کھا لوں کھانا؟"

"مجھے سب نظر آنے لگا ہے۔"وہ چلاتے ہوئے بیٹھے بیٹھے یوں گھٹنوں یوں چل کر اچانک اس کی طرف بڑھی تھی جیسے کوئی ننھا بچہ crawl کرتا ہے شاہ سوار خوفزدہ ہو کے بے اختیار چند قدم پیچھے ہوا جب سائڈ پہ دیوار لگی کے ساتھ لگی مشین گن نہ جانے کیسے زمین پر گر پڑی تھی۔اللہ لوک زمین پر بیٹھے بیٹھے ہی سلاخوں کے قریب آ گئی تھی۔

" پکڑ ہو گئی ہے تم سب کی۔۔۔" وہ سلاخوں پر ہاتھ رکھے قہقہے لگانے لگی تھی۔ پھر اچانک ہی اس نے ٹرے اٹھا کر شاہ سوار پر اچھال دی تھی۔سارا سالن اس پر گرا اس کے کپڑے خراب کر گیا تھا اللہ لوک مزید بلند قہقہے لگانے لگی۔

"جا جلدی سے کھانا کھا لے۔"اسے ہاتھ کے اشارے سے جانے کا کہہ رہی تھی۔لیکن وہ بت بنا وہیں کھڑا رہا۔۔۔غصے سے اس کا وجود لرزنے لگا تھا۔

"اپنے خان کو بھی کھلا دے۔۔۔جا۔۔۔شو۔۔۔شو۔۔۔" وہ ہاتھ کے اشارے سے کہہ رہی تھی۔شاہ سوار چند لمحے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتا رہا پھر ٹرے کو لات رسید کرتا۔۔۔گن اٹھاتا اوپر کی طرف بڑھ گیا۔اللہ لوک کی چیختی آواز نے دروازہ بند ہونے تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

☆......☆......☆

موسم بدل رہا تھا۔فروری کے اواخر میں ہونے والی بے حد کم بارشوں نے جہاں بہار کو زندگی بخشی تھی۔۔۔ہر جگہ سبزہ لہلہانے لگا تھا،خزاں رسیدہ ننگ دھڑنگ درخت بر البا س اوڑھنے لگے تھے۔وہیں مارچ کے شروع میں ہی سورج کی دھوپ نے وہ تمازت پکڑی تھی کہ اللہ،اللہ۔۔۔ بہار کا آغاز ہی موسم کا پتا دینے لگا تھا۔

آج حمزہ اسے لینے کا کالج نہیں آ سکا تھا۔وہ رکشے پر گھر تک آ گئی تھی لیکن رکشے والا اسے مین روڈ پر ہی اتار کر چلا گیا تھا۔اس نے کافی منتیں کیں لیکن وہ نالیوں والی گلیوں میں جانے کے لیے راضی نہ ہوا۔

مرتی کیا نہ کرتی کی تصویر بنی وہ تیز دھوپ میں گھر کی طرف پیدل چل پڑی۔ مارچ کے اوائل کے دن تھے اور دن کے ایک بجے یوں کڑکتی دوپہر کا سا سماں تھا۔۔۔ہر طرف سہما دینے والی ویرانی تھی۔اس کا گھر دو گلیاں آگے تھا۔اور یہ دونوں گلیاں کافی لمبی تھیں۔اوپر سے جگہ جگہ ابھری ہوئی سیمنٹ سے بنی نالیاں۔۔۔اس کے پسینے چھوٹ گئے تھے۔

"اقرا تیز آواز پر جہاں قدم خود بخود رکے تھے۔دل اتنا ہی تیز تیز دھڑکنے لگا تھا۔وہ آغا تھا۔اس کے تیز قدموں کو قریب آتا سن کر بھی وہ اس کی طرف نہ مڑ سکی تھی۔

"یہ کیا بات ہوئی اقرا۔اتنے دنوں سے تمہارے کالج کے چکر لگا رہا ہوں،بیرونی گلی کے نکڑ میں کھڑا تمہاری راہ دیکھتا رہتا ہوں،

ایسی بھی کیا بات ہو گئی کہ تم مجھ سے پردہ کرنے لگی ہو۔" وہ اس کے قریب آتے ہی آہستہ آواز میں اس سے مخاطب ہوا تھا ل اقرا نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا پھر ادھر، ادھر خالی گلی میں۔

"تم ابھی جاؤ آغا۔۔کوئی دیکھ لے گا۔" اس کی آواز میں خوف تھا۔

"پھر کل نہر پر ملو گی؟" وہ اب بھی سرگوشی میں بات کر رہا تھا، اقرا جانتی تھی کہ وہ اس کی عزت کی پرواہ کرتا تھا تبھی اس وقت اس طرح آہستہ آواز میں بات کر رہا تھا۔۔وہ کبھی اس کو یوں گلی میں نہ روکتا لیکن پچھلے ایک ماہ سے جس طرح اقرا اس سے چھپ رہی تھی اسے مجبورا ایسا کرنا پڑا۔

"بولو اقرا۔آؤ گی ناں نہر پر ملنے۔۔؟" وہ بہت بے قراری سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے دوبارہ پوچھنے لگا۔

"ہاں۔۔ہاں آؤں گی۔اب تم جاؤ۔۔" اقرا خود بھی گھبرا رہی تھی۔اس وقت ہی حمزہ کے گھر آنے کا وقت ہوتا تھا۔اور اگر وہ اسے آغا کے ساتھ دیکھ لیتا تو وہ جانتی تھی کہ یہ ان دونوں کے حق میں بالکل بہتر نہ ہوتا۔

"جاؤ آغا۔۔" وہ تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ گئی۔آغا بھی بھاگ کر اس کا ہم قدم ہوا۔

" کل بریک کے وقت میں پچھلے گیٹ پر تمہارا انتظار کروں گا۔"

" کہاناں آجاؤں گی، جااب یہاں سے۔۔" وہ فورا رکتے ہوئے بدتمیزی سے بولی تھی آغا مسکرا دیا۔

"ہاں اب آیا ناں یقین کہ تم ضرور آؤ گی۔" محبت سے اسے تکتا وہ دائیں طرف والی گلی میں مڑ گیا۔اقرا نے ایک نظر دوبارہ آگے پیچھے گلی میں ڈالی گلی ویران تھی مطمئن سی سانس لیتی وہ سامنے والی گلی میں داخل ہو گئی۔

☆......☆......☆

امن اسپتال سے گھر آ گئی تھی لیکن پچھلے ایک ہفتے سے وہ آفس نہیں آ رہی تھی سکندر صاحب بھی اس تمام عرصے میں اس کے ساتھ رہے تھے۔آفس کی تمام تر ذمہ داریاں باریال سنبھال رہا تھا۔ دوہ چاہ کر بھی امن کی عیادت کو نہ جا سکا تھا۔اسپتال میں اس کا رویہ دیکھ کر اس کا خیال تھا کہ امن دوبارہ کبھی اس کا چہرہ نہیں دیکھنا چاہے گی۔

وہ کہیں کمیٹڈ نہیں تھا لیکن پھر بھی نہ جانے کیوں دل تھا کہ اس فیصلے پر آمادہ نہیں تھا۔۔اور وہ اس معاملے میں سراسر دل کی مرضی چاہتا تھا۔امن ایک اچھی لڑکی تھی۔ایک سمجھدار شخصیت۔۔لیکن اس کے لیے وہ ہمیشہ ایک اچھی اور مخلص دوست رہی تھی۔اس رشتے سے بڑھ کر باریال نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا اور اب جب سوچنا چاہتا تھا تو دل راضی نہیں تھا۔اس وجہ سے وہ دوبارہ امن کے سامنے ہی نہیں گیا تھا۔اس نے پوری ایمانداری کے ساتھ ان دونوں کی غیر موجودگی میں تمام تر ذمہ داریاں بخوبی سرانجام دیں۔۔اب بھی وہ سائٹ کا راؤنڈ لگا کر آفس پہنچا تھا۔ جب سر سکندر کی سیکریٹری نے ان کی آمد اور باریال کو اپنے آفس میں بلانے کی اطلاع دی تھی۔اس نے کچھ

ضروری فائلز اٹھائیں اور سیدھا ان کے کمرے میں چلا آیا۔

"امن کیسی ہے سر۔۔۔؟" رسمی سلام دعا کے بعد اس نے فوراً پوچھا۔۔۔سر سکندر نے سر اٹھا کر ایک گہری نگاہ اس کے وجود پر ڈالی۔

"بیٹھو یاریال۔۔۔" انہوں نے اسے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔وہ سر ہلاتا بیٹھ گیا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے من کو کیسا ہونا چاہیے؟"

دونوں ہاتھوں کی مٹھی بنا کر ان پر ٹھوڑی رکھ کے بغور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے انہوں نے سوال کیا تھا۔ باریال کو ان کے انداز اور سوال پر حیرت ہوئی۔

"میری اس سے بات نہیں ہوئی سر۔۔۔" اس نے خود کو کمپوز کرتے ہوئے جواب دیا تو اس کی شخصیت کا ازلی ٹھہراؤ بے حد واضح تھا۔

" آپ کا فون، گھر کے نمبرز بھی کئی دفعہ ٹرائی کیے لیکن نہیں مل پائے میں یہی سمجھا کہ آپ اسے وقت دے رہے ہیں تبھی۔۔۔" اس نے بات مکمل کر کے جملہ چھوڑ دیا تھا۔

" تبھی تم اس کی خیریت دریافت کرنے گھر تک نہیں آئے؟" باریال کو لگا وہ ناراض تھے۔

"اس دن اسپتال میں آپ نے امن کا ری ایکشن دیکھا تھا سر۔۔۔بس میں اسے پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔اس کے لہجے میں سچائی تھی۔وہ سیدھا سر سکندر کی آنکھوں میں دیکھ کے بات کرر ہا تھا۔اور سر سکندر نے دیکھا تھا۔اس کی آنکھوں میں صرف اطمینان تھا۔۔۔کوئی ملال کوئی افسوس نہیں۔۔۔

" تمہیں ذرا بھی احساس نہیں باریال یہ جو بھی ہوا تمہاری وجہ سے ہوا۔۔۔" وہ ذرا سا سا آگے کو جھکے۔۔۔باریال نے ایک گہری سانس لی۔جیسے کہہ رہا ہو بالآخر آپ کو بھی پتا چل گیا۔

"سر۔۔۔میرے خیال میں تو آپ بھی مجھے اس معاملے میں بالکل بھی بلیم نہیں کر سکتے۔۔۔" وہ صاف گوئی سے بولا۔

"بے شک آپ امن سے کلیئر کر لیں۔" اس کی بات پر کچھ پل اسے یونہی خاموشی سے دیکھتے رہے۔

"وہ تم سے بہت محبت کرنے لگی ہے باریال۔۔۔" کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے انہوں نے کمزور لہجے میں جیسے اپنی بیٹی کی غلطی کا اعتراف کیا تھا۔

"اور تم جانتے ہو میں امن سے کس قدر محبت کرتا ہوں۔" وہ ان کی بات کے جواب میں کچھ نہ کہہ پایا۔چپ چاپ ان کو دیکھتا رہا۔جیسے ان کی اگلی بات کا منتظر ہو۔

"میں نے اس دنیا کی ہر خوشی پائی ہے،امن وہ واحد ہستی ہے جس نے میری کائنات مکمل کر دی۔جس کے بعد مجھے زندگی میں کسی بھی رشتے کے بچھڑنے کا دکھ نہ توڑ پایا۔اب تم بتاؤ یار۔۔۔میں اسے یوں ٹوٹتا،بکھرتا کیسے دیکھ سکتا ہوں۔وہ ہمیشہ والے دوستانہ لہجے میں

اس سے مخاطب تھے اب باریال کو ان کی حالت پر افسوس سا ہونے لگا۔

" کیا کچھ فیصلے دوسروں کی خوشی کیلئے نہیں کیے جا سکتے۔۔۔؟ "انہوں نے اس کی طرف جھکتے ہوئے منت کرتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے امن سے بھی یہی کہا تھا سر کہ مجھے سوچنے کے لیے وقت چاہیے۔اور اب آپ سے بھی یہی گزارش کروں گا۔" وہ دونوں ہاتھوں کی پوئنٹر فنگرز ملا کر لبوں پر رکھتے ہوئے بولا سکندر نے اس کی اس ادا کو بہت جذب سے دیکھا تھا۔اس وقت وہ انہیں بے حد معصوم اور کھرا سا شخص لگا۔انہوں نے خود کو باور کرایا تھا اس لمحے۔۔۔امن کو باریال کی اسی ادا سے محبت ہوئی ہوگی۔

" کئی ایسے وقتی فیصلے جو صرف دوسروں کی خوشی دیکھ کے کیے جاتے ہیں۔بعض اوقات اس وقت کافی مہنگے پڑ جاتے ہیں جب قدرت آپ کی اپنی خوشی آپ کے سامنے لا کر رکھ دیتی ہے۔"اس کی بات میں وزن تھا وہ لاجواب ہوئے تھے۔

" تمہیں حق ہے جتنا چاہو وقت لو۔۔۔لیکن۔۔۔" وہ اٹھنے لگا جب انہوں نے بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

" تم جانتے ہو جواب کیا ہونا چاہیے ورنہ؟" وہ اس بار قدرے روکھے خشک لہجے میں بولے۔باریال نے حیرت سے ان کے بدلے انداز اور دیکھا۔

" ورنہ۔۔۔؟"اس کی آنکھوں میں کوئی تاثر چمکا تھا لیکن سر سکندر نہ سمجھ سکے تھے۔وہ خفگی کا تھا یا غصے کا۔۔۔

"ورنہ آفس آنے کی ضرورت کی " انہوں نے تلخ لہجے میں کہتے ہوئے اسے جانے کا اشارہ کیا تھا۔باریال کے چہرے پر گہری مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔پہلے امن نے اور اب سر سکندر نے اس کے لیے فیصلے کو آسان کر دیا تھا۔وہ سر ہلاتا آفس سے باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

جب سے ضیا واپس آیا تھا۔۔۔ اس نے ابراہیم کو دوبارہ نہیں دیکھا تھا۔ضیا بالکل باء جی کی طرح ہی ان دونوں کا خیال رکھتا۔ اسے کالج خود ڈراپ کرنے جاتا اور واپسی پر اکثر کسی گارڈ کو بھیج دیتا۔کالج جاتے وقت تو وہ ہمیشہ مایوس ہی ہوتی لیکن کالج سے آنے کے وقت وہ دعا کرتی کہ کسی طرح ضیا لالہ ابراہیم کو بھیج دیں۔اور ہمیشہ ابراہیم کی جگہ گارڈ کے ساتھ اوزگل یابی جان کو دیکھ کر اس کا دل سلگ اٹھتا ابراہیم تو جیسے اس کی طرف آنے والا ہر راستہ ہی بھول گیا تھا۔

وہ تو اسے صرف اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے اسے چھیڑتی رہتی تھی۔اور اسے لگا تھا وہ چھیڑنے کے بجائے اس سے بری طرح چڑ گیا تھا۔تبھی اس نے دوبارہ اس کے گھر کا رخ نہیں کیا گیا تھا۔

وہ ایک صاف، اجلا دن تھا، عجیب سی بوریت چھائی تھی طبیعت پہ تبھی اس نے کالج سے بھی چھٹی کر لی تھی، اوزگل کو ناولز میں مصروف دیکھ کہ وہ نیچے پچھلی طرف بنے سر سبز لان میں آ گئی۔۔۔لان بے ترتیب تھا۔بہار کی بارشوں سے ناٹے قد کی ہری پیلی جھاڑیاں سارے لان میں پھیل چکی تھیں۔جن پر کاسنی لہو رنگ زرد پھول لگ چکے تھے، درختوں نے بھی اس قدر شاخیں نکالی تھیں کے اندازہ لگانا مشکل ہو رہا تھا کہ کون سا پیڑ کہاں شروع ہو رہا ہے کہاں ختم۔۔۔

سب کے پتے شاخیں آپس میں گڈمڈ تھیں جیسے ہری بھری نرم گھاس کافی اوپر آگئی تھی۔اس نے ل چپل اتاری اور ننگے پیر گھاس پر چلنے لگی۔ٹھنڈی نرم گھاس نے اسے ایک دم شانت کر دیا تھا۔

"حیرت ہے۔۔۔گھر کے سب سے پیارے حصے کا ہی کسی کو ہوش نہیں۔۔۔"لان کے بیچوں بیچ ہاتھوں کو پھیلاتے ہوئے اس نے خود سے سرگوشی کی۔ٹھنڈی ہوا کے جھونکے نے سب پودوں کو بدمست سا کیا تھا۔وہ بھی ان کے ساتھ جھوم اٹھی تھی۔

"لوگ بارش میں ایسے جھومتے ہیں۔۔۔"اوزگل اچانک ہی وہاں اسے ڈھونڈتی تو اسے یوں جھومتا دیکھ کر مسکرا دی۔

"کوئی تمہیں ایسے میں خشک موسم میں جھومتا دیکھے گا تو پاگل سمجھے گا۔"اس نے مینے کو چڑایا۔

"تمہیں میں پاگل نہیں لگتی گل۔۔۔؟"اس نے دوپٹہ ہوا میں اچھالا تھا یوں جیسے بادبانی کشتیوں کے ملاح ہوا کے زور پر کشتی حوالے کرتے بادبان کھولا کرتے ہیں۔

"بالکل لگتی ہو۔۔۔"اوزگل کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"لیکن یہ تو پتا چلے تمہیں ہوا کیا ہے؟"وہ شرارت سے دائیں آنکھ دباتے ہوئے بولی۔

"سچ بتا دوں۔۔۔؟"مینے دھیرے دھیرے اس کے قریب آئی تھی ہوا نے اس کا آنچل سنبھال رکھا تھا اس کے کھلے بال بھی ہوا پر رقص کر رہے تھے اور اس کے چہرے کی معصومیت پر کوئی نور سا حاوی ہوا جاتا تھا۔وہ چند لمحے بہن کے معصوم حسن کو تکتی رہ گئی۔

"مجھے محبت ہوگئی ہے اوزگل۔"اس کے یاقوتی لبوں نے مسکراہٹ سجاتے اعتراف کیا تھا۔اوزگل نے گھبرا کر بے اختیار دو قدم پیچھے ہو کر ارد گرد دیکھا تھا گل مینہ دوبارہ ہوا کے ساتھ ساتھ جھومنے لگی تھی۔

"گل مینہ کو محبت ہوگئی ہے۔"اس نے پشتو میں گنگناتے ہوئے کہا تھا۔اوزگل نے موت اور اس کی پچھلی پیری کی آہٹ سنی تھی۔

☆......☆......☆

وہ جب سے یونیورسٹی واپس آئی تھی،نمرہ اسے خود سے کچھ کھنچی کھنچی محسوس ہوئی تھی کلاس میں بھی وہ اس کے ساتھ بیٹھنے کے بجائے دوسری سیٹ پر بیٹھ گئی،اور کلاس ختم ہونے کے بعد بھی وہ یوں منظر سے غائب ہوئی تھی کہ لالہ اسے ڈھونڈتی رہ گئی تھی۔

وہ جب سے مری سے واپس آئے تھے لالہ نے اسے کئی بار کال کرنے کی بھی کوشش کی تھی لیکن ہر بار یا تو وہ کال کاٹ دیتی یا فون ہی بند ملتا۔۔۔لالہ نے سوچا تھا وہ کہیں بزی ہوگی مگر یونیورسٹی آنے کے بعد اسے لگا تھا نمرہ اس سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔اسے مری میں ہونے والی اپنی اور نمرہ کی لڑائی یاد تھی لیکن وہ اتنی بڑی بات بھی نہیں تھی کہ وہ اور نمرہ مرد اسے یاد رکھ کے روٹھے رہتے۔ان کی دوستی اتنی کمزور تو نہیں تھی۔۔۔لیکن نمرہ کا رویہ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ایک،دو دن تو وہ اسے اپنا وہم سمجھی تھی لیکن پھر وہ سمجھ گئی تھی نمرہ اس سے واقعی ناراض تھی۔اور بے حد ناراض تھی اور اسے ہر حال میں نمرہ کو منانا تھا۔

وہ ابھی میم تبسم کا پیریڈ لے کر فارغ ہوئے تھے۔نمرہ نے کلاس مس کر دی تھی اور لالہ اٹینڈ کرنے کے باوجود اہم پوائنٹس مس کر گئی

تھی جب کہ ماڈرن فزکس اس کا فیورٹ ٹاپک تھا۔ پھر بھی آج کلاس میں اس کا دل بالکل نہیں لگ رہا تھا۔ پیریڈ ختم ہوتے ہی وہ نمرہ کو ڈھونڈتی ڈیپارٹمنٹ کے پچھلے لان کی طرف آئی تھی۔ یہاں سے ایک خوب صورت کشادہ سڑک پیچھے فاسٹ کالج تک جاتی تھی۔ جس کا کچھ ایریا ان کی یونیورسٹی سے بھی متصل تھا یہ حصہ کافی سرسبز تھا اور اونچے گھنے درختوں پر مشتمل تھا۔ اکثر لڑکے، لڑکیاں پیریڈ ختم ہوتے ہی خود کو فریش کرنے اس طرف آنکلتے تھے۔ اس نے پیریڈ ختم ہونے کے بعد نمرہ کو اس طرف جاتے دیکھا تھا لیکن اب وہ اسے کہیں بھی دکھائی نہیں دی رہی تھی۔ لالہ کی متلاشی نظریں چار سو اسے تلاش کر رہی تھیں اور پھر کچھ دیر بعد ہی وہ اسے ضیا کے گروپ کے ساتھ کھڑی دکھائی دی تھی۔ لالہ کو دیکھتے ہی وہ تیزی سے ان سے ایکسکیوز کرتی دوسری طرف نکل گئی۔ ضیا نے بھی لالہ کو دیکھ لیا تھا اور دور سے ہاتھ ہلا کے اسے متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ جسے وہ مکمل طور پر نظرانداز کر کے نمرہ کی طرف بھاگی تھی

"نمرہ۔۔۔رکو پلیز بات تو سنو۔۔۔" اس کے قریب پہنچتے ہی اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔ نمرہ رک گئی۔ لالہ کو اس کی نگاہوں میں سرد سا تاثر حیران کر گیا۔

"تم اتنی ناراض ہو جاؤ گی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی یار۔۔۔" اس نے بنا کوئی شکایت کیے فوراً ایک مان سے کہا تھا۔

"میں بھی کہاں سوچ سکتی تھی لالہ۔۔۔" نمرہ کا سرد سا لہجہ اسے حیران کر گیا تھا۔

" کیا۔۔۔کیا مطلب نمرہ۔۔۔؟" -اب کی بار وہ چڑ گئی۔

"مطلب۔۔۔" وہ دو قدم چل کر اس کے قریب آئی۔

"مطلب تو تمہیں پتا ہونا چاہیے۔۔۔تم ہی بھول گئیں لالہ اپنی کی ہوئی بات۔۔۔" وہ طنزیہ مسکرائی۔

" کون سی بات۔۔۔" لالہ نے بھنویں اچکائیں۔

"یہی کہ اگر کبھی میں نے تمہیں اور ضیا کو ایک ساتھ جوڑنے کا ذکر کیا تو ہماری دوستی ختم۔۔۔"

"ہاں، تو۔۔۔؟" وہ اب بھی ناسمجھی سے اسے دیکھے گئی۔

"تو تم نے تو کافی پی لی ضیا کے ساتھ۔" اس کے اگلے جملے نے لالہ کے ہوش اڑا دیے تھے۔

"دوستی بھی اچھی خاصی ہو گئی۔ مطلب تم اور ضیا ایک دوسرے سے جڑ گئے۔" لالہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ کیا کہہ رہی ہے۔

"اور اسی لئے لالہ اب میں کہتی ہوں ہماری دوستی ختم۔۔۔" تلخی سے کہتی وہ اسے بت بنا چھوڑ کر کینٹین کی طرف بڑھ گئی۔ لالہ کتنی ہی دیر اپنی جگہ پر ساکت کھڑی رہی۔

اس کا وجود جیسے برف کے مجسمے میں بدل گیا تھا۔۔۔بے حس۔۔۔ٹھنڈا ٹھار۔۔۔موت کا سا سرد وجود۔۔۔

☆......☆......☆

اقرا چائے لے کر کمرے میں آئی تو حمزہ ٹیبل پر رکھے لیپ ٹاپ پر کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ اس قدر بزی تھا کہ اقرا کے آنے کا بھی پتا

نہیں چل سکا تھا اسے۔اقرا کپ اس کی ٹیبل پر رکھنے لگی تو اس کی نگاہ لیپ ٹاپ کی اسکرین پر پڑی وہاں لالہ کی تصویریں مختلف فیملی ممبرز کے ساتھ تھیں۔جو ایک،ایک بدل جاتیں۔حمزہ کے چہرے پر بہت پیاری مسکان مچل رہی تھی۔

اقرا نے کچھ دیر اسے یونہی مسکراتا دیکھا۔پھر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔وہ بری طرح چونکا۔

"بھائی۔۔۔"

"اقرا۔۔۔تم کب آئیں۔۔۔"وہ فوراً لیپ ٹاپ بند کر گیا۔

"یار ناک ہی کر دیا کرو" وہ منہ بناتے ہوئے بولا اقرا کو ہنسی آئی۔

"شکر کریں میں ہوں امی نہیں آ گئیں۔"اس نے حمزہ کو مزید ڈرایا وہ مسکرا کر چائے پینے لگا۔

"ویسے بھائی ایک بات کہوں؟"

"ہاں بولو۔۔۔"

"آپ کو نہیں لگتا آپ کو لالہ کا خیال چھوڑ دینا چاہیے۔؟"حمزہ کے ہاتھ سے جانے کا کپ چھلک گیا تھا۔اقرا دوپٹے سے ہی اس کی شرٹ صاف کرنے لگ گئی۔

"میں جانتی ہوں بھائی آپ کو لالہ بہت اچھی لگتی ہے لیکن کیا آپ کو نہیں لگتا کہ امی تو اب لالہ کو برداشت نہیں کر پاتیں۔۔۔سوچیں اگر آپ کی شادی لالہ سے ہو جاتی ہے تو امی نے لالہ کا جینا حرام کر دینا ہے۔"اس کی بات میں اس قدر سچائی تھی کہ حمزہ کچھ بول ہی نہیں پایا۔

"پتا ہے میرا دل کیا کرتا ہے۔"اقرا اس سامنے دوزانو ہو کے زمین پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"بھائی آپ کو لالہ ہی ملے لیکن امی کے لیے میرا دل کرتا ہے۔رضیہ خالہ کی بیٹی شزا جیسی بہو آئے۔تب امی کو اچھے برے کا فرق پتا چلے گا۔"اس کی بات پر حمزہ کو ہنسی آ گئی۔

"توبہ ہے اقرا کتنا برا سوچتی ہو تم"وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"سچ کہہ رہی ہوں بھائی۔یقین کریں اب بھی اس کے نام کا لیکچر سن کر آ رہی ہوں-لالہ سے اوڑھنا پہننا سیکھو ادائیں دکھانا سیکھو توبہ توبہ۔۔۔امی کی باتیں۔۔۔وہ کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بتانے لگی حمزہ کی ہنسی کو ایک دم بریک لگی۔

"لالہ بیچاری تو امی کو اف تک نہیں کہتی لیکن امی ان کا اور سبین مامہ کا پیچھا ہی نہیں چھوڑتیں۔"وہ سگی ماں سے کس قدر بدظن تھی۔ حمزہ نے دل مین سوچا اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"تم یہ سب مت سوچا کرو۔جاؤ اب تیاری کرو۔۔۔ رات کو جانا ہے ناں نانو کے گھر۔۔۔دیر ہو گئی تو پھر مامی ناراض ہوں گی"

اس کی بات پر وہ سر ہلاتی نکل گئی حمزہ کتنی دیر اس کی باتوں کو سوچتا رہا۔

☆......☆......☆

باریال نے دیدے سے کچھ نہیں چھپایا تھا۔سب بتا دیا تھا۔دیدے نے ہمیشہ کی طرح اس کا ساتھ دیا تھا۔یہ ان کی تربیت کا ہی تو اثر تھا کہ باریال نے اپنا سودا نہیں کیا تھا۔رشتے سودا کب ہوتے ہیں۔

لیکن دولت، شہرت یہ کب کسی رشتے کی مضبوط بنیاد بن پاتے ہیں۔

اس نے واقعی سچے دل سے سوچنے کے لیے وقت مانگا تھا۔وہ امن کے متعلق کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے خود کو مکمل وقت دینا چاہتا تھا۔لیکن امن اور اس کے بعد سر سکندر نے اسے امارت کے پلڑے میں تول کر اور اپنا محتاج جان کر جیسے مٹی کا کر دیا تھا تبھی اس نے اس بار خود کو کوئی بھی جاب نہ کرنے کا فیصلہ لیا تھا۔وہ کوئی چھوٹا موٹا کاروبار شروع کرنا چاہ رہا تھا اور اس بات میں اسے دیدے کی مکمل حمایت حاصل رہی تھی۔

ہوم ورک تو پہلے ہی شروع کر رکھا تھا۔زمین، بلڈنگ کا نقشہ سب وہ decide کر چکا تھا۔اب صرف فریم ورک باقی تھا اور اسے کچھ اور مخلص لوگوں کی تلاش تھی۔۔۔جو اس کی طرح ہی محنت اور لگن سے کام کریں۔۔۔اور اسے یقین تھا۔۔۔ وہ بہت جلد اپنے مقصد میں کامیاب ہونے والا تھا۔

☆......☆......☆

لالہ کی تیز آواز نے سارے گھر کو سر پر اٹھا رکھا تھا سبین تو ہمیشہ کی طرح چپ کی چادر اوڑھے کچن میں مصروف تھی۔نانو البتہ اس کے ساتھ خوب دماغ کھپا رہی تھیں۔۔۔

"لالہ بچے اتنا غصہ نہیں کرتے۔۔۔"انہوں نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"غصہ۔۔۔دادو میرا دل کر رہا ہے میں سارے گھر کو تہس نہس کر دوں۔۔۔"وہ مزید بل کھا گئی۔

"تم تو بالکل اپنے دادا پر چلی گئی ہو۔۔۔"دادو کے لہجے میں شرارت سی جاگی۔

"سچ غصے میں تمہاری طرح ہی پیارے لگتے تھے۔"ان کی اگلی بات پر موبائل پر مصروف شاہ ویز کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔لالہ نے اسے گھورا۔وہ کان کھجاتا دوبارہ موبائل میں مصروف ہو گیا۔۔۔

"مجھے بہلائیں مت دادو۔۔۔ضرورت کیا تھی ان لوگوں کی دعوت کی۔"وہ نروٹھے انداز میں بولی۔

"ہر دوسرے دن آ تو جاتیں ہیں دل جلانے پھپھو"

"بری بات لالہ۔۔۔"ہمیشہ کی طرح سبین نے اسے فوراً ٹوکا تھا۔

"یہی ہمت ذرا ان کے سامنے بھی دکھا دیا کریں ناں امی۔۔۔انہیں تو کبھی نہیں ٹوکتیں آپ۔"وہ فوراً تلخ ہوئی۔

"زرینہ پھپھو کا غصہ تم امی پہ کیوں نکالنے لگتی ہو؟"شاہ ویز چڑتے ہوئے بولا

"تو غلطی بھی تو امی ہی کرتی ہیں ناں انہیں مزہ آتا ہے جب پھپھو میری انسلٹ کرتی ہیں۔۔۔ بار بار مجھے یاد دلاتی ہیں کہ میں ایک۔۔۔" سبین کے ہاتھ سے چمچ چھوٹ کر گرا۔

"لالہ۔۔۔" وہ شاید بہت کچھ کہہ جاتی روانی میں اگر شاہ ویز ٹوک نہ دیتا۔

"تم کمرے میں بند رہنا یا چھت پر چلی جانا۔۔۔ لیکن یوں سب سے بدتمیزی کرنا تمہیں زیب نہیں دیتا بچے۔۔۔" دادو نے محبت سے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"آپ سب مجھے ہی غلط کہتے رہیں گے، میرا تو کسی سے بات کرنا ہی فضول ہے۔" وہ پیر پٹختی اندر چلی گئی۔۔۔ اور وہ سبھی جانتے تھے صرف اس معاملے میں وہ ضدی بچی بن جاتی تھی ورنہ ان کی لالہ بے حد سمجھدار تھی۔

☆......☆......☆

محفل کا آغاز تو بے حد خوبصورت تھا۔ سب گھر والے اتنے دنوں بعد ایک ساتھ۔۔۔ پرانی یادیں تو کبھی نئے خواب ایک دوسرے سے شیئر کر رہے تھے۔ لیکن زرینہ موجود ہوں اور لالہ ان کے طنز سے بچ جائے یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اب بھی وہ سب شام سے ذرا پہلے ہی وہاں پہنچ گئے تھے۔ لالہ کچھ دیر بعد ہی ان کے لیے چائے اور لوازمات لیے آئی شیفون کی گلابی شلوار قمیض پر گولڈن کلر کا دوپٹہ شانوں پر اچھی طرح سے پھیلائے وہ کسی اپسرا کا سا روپ اوڑھے لگ رہی تھا۔ زرینہ نے ترچھی نظروں سے بیٹے کی طرف دیکھا۔ وہ ان کی توقع کے عین مطابق لالہ کی طرف ہی متوجہ تھا۔ وہ لالہ سے اس کی یونیورسٹی کے بارے میں پوچھنے لگا۔ لالہ بھی اسے تفصیل بتانے لگی۔

"لالہ۔۔۔" زرینہ بیگم نے اچانک ہی اسے پکارا تھا

"جی پھپھو۔۔۔" وہ فوراً ان کی طرف مڑی تھی۔

"کیا یونیورسٹی بھی ایسے ہی بن ٹھن کر جاتی ہو لڑکی۔؟" سب کے منہ کا ذائقہ کڑوا ہوا تھا۔ زرینہ کو نہ جانے کیوں چین نہ پڑتا تھا جب تک سب کا چین غارت نہ کر دیتیں حمزہ نے بددلی سے کپ ٹیبل پر رکھا تھا۔

"بالکل" لالہ نے تیز آواز میں کہا۔ سبین بیچاری اشارہ کرتی رہ گئیں۔

"بلکہ اس سے بھی زیادہ بن ٹھن کے جاتی ہوں۔" وہ تو جیسے سارے بدلے چکانے پر اتر آئی تھی۔

"دادو کو تو خوشی محسوس ہونے لگی۔ سبین کے البتہ پسینے چھوٹ گئے۔

"دیکھ لیں اماں۔۔۔ شرم حیا تو اس لڑکی کو چھو کر نہیں گزری۔" زرینہ اسے دوبدو ہوتا دیکھ کر نانو کی طرف مڑیں۔

"ہاں تو تجھے کس نے روکا ہے۔ تو ہی کر لے ذرا شرم۔۔۔" اماں تو پہلے ہی بھری بیٹھی تھیں فوراً بولیں۔

"تیلی لگائے بغیر تو تجھے چین نہیں آتا۔" اماں واقعی غص

"تم اماں بس میرا ہی منہ بند کرواتی رہنا کل کو آئے گی ناں کہیں منہ کالا۔۔۔تب روتی رہنا۔" اماں کا تو دل دہل گیا۔

"تیرے منہ میں خاک زرینہ۔" ان کا بس چلتا تو واقعی مٹی اٹھا کر ان کے منہ میں ڈال دیتیں لالہ کی برداشت بھی بس یہی تک تھی، وہ اٹھنے لگی چھت پر ٹھک ٹھک کی زوردار آواز نے سب کی توجہ کھینچ لی۔

"لالہ بیٹا ذرا دیکھو تو شزا ہوگی۔" سین نے فوراً موقع کا فائدہ اٹھا کر اسے کام دیا تھا۔ وہ تلخ نظروں سے زرینہ کو تکتی اوپر آ گئی۔

"میں ذرا بھابھی کو دیکھ لوں کیا بنایا ہے اماں؟" اماں کا بگڑا منہ دیکھ کر زرینہ نے بھی کچن کی راہ لی تو حمزہ کو جیسے موقع ہاتھ آیا تھا۔ وہ نانو کو بتا کر اوپر چھت پر آ گیا۔ شام کے سائے گہرے ہونے گئے تھے ہر طرف اندھیرا پر پھیلانے لگا تھا۔ سامنے ہی منڈیز کے اس پار لالہ اور اس پر تیز مزاج شزا اٹھہری تھی۔

حمزہ نے کچھ دیر اپنے گرد چھائے اندھیرے کو محسوس کیا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ چلتا لالہ کے قریب آٹھہرا تھا۔

"حمزہ۔۔۔" شزا سے یوں اچانک کے سامنے دیکھ کر ایک دم کھلی تھی، لالہ نے بھی چونک کر اسے دیکھا تھا۔ وہ لالہ کے مقابل آٹھہرا۔

"کیسے ہو حمزہ۔۔۔" شزا کی آنکھوں میں اسے دیکھ کر کتنے ہی رنگ لودینے لگے تھے۔

"میں تم سے ہی بات کرنے آیا ہوں شزا۔۔۔" اس کی بات پر شزا سے زیادہ حیرت لالہ کو ہوئی تھی۔

"مجھ سے۔۔۔" شزا خوشی سے چہکی۔

"میں اپنی امی کو تمہارے گھر بھیجنا چاہتا ہوں۔" شزا کا منہ تو کھلا سو کھلا لالہ پوری کی پوری حمزہ کی طرف مڑی تھی۔

"تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں۔۔۔" اور شزا دوپٹے کا پلو دانتوں میں دبائے بس اتنا کہہ کر بھاگ گئی۔

"بالکل نہیں جی۔۔۔"

"حمزہ۔۔۔" لالہ ابھی تک حیرت سے بت بنی کھڑی تھی حمزہ کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر اداسی سے مسکرا دیا۔

"مجھے معاف کر دینا لالہ، مجھے بہت دیر سے سمجھ آیا کہ میں تمہارے قابل نہیں۔۔۔ کبھی ہو بھی نہیں سکتا۔۔۔" اس کا لہجہ زخمی تھا۔

"حمزہ۔۔۔" وہ تو کچھ بول بھی نہیں پائی۔ حمزہ کی دائیں آنکھ سے ایک موتی سا چھلکا تھا۔ جسے انگلیوں سے اڑاتا وہ اسے وہاں۔۔۔چھوڑ کر نیچے چلا گیا۔ لالہ کی آنکھیں نہ جانے کیوں جلنے لگیں۔



ناول "محبت لفظ ہے لیکن" ابھی جاری ہے۔ اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی 10 تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

قسط نمبر 7

"ماں باپ کے سامنے بہت سوچ سمجھ کر بولا کرو کیوں کہ کبھی کبھی ان کے سامنے بولا گیا کوئی بھی برا یا اچھا کلام ہماری پوری قسمت پہ حاوی ہو جاتا ہے۔"

وہ کوئی فلرٹ نہیں تھا، اقرا کو دل سے چاہتا تھا۔ اقرا کی ضد پر اسے رشتہ بھیجنے سے انکار نہیں تھا لیکن موجودہ حالات میں یہ رشتہ کسی صورت اقرا کے گھر والوں کے لیے قابل قبول نہیں ہوتا۔ وہ پڑھا لکھا تھا لیکن فی الحال نہ اس کے پاس اچھی جاب تھی نہ ہی گھر کے حالات سازگار تھے، ایسے میں زرینہ بیگم کبھی اس رشتے کے لیے راضی ہونے والی نہیں تھیں۔ تو ختمی انکار سے بچنے کے لیے اس نے بار بار اقرا کو سمجھانا چاہا تھا کہ اگر وہ رشتہ فی الحال نہ بھیجے تو انہیں وقت مل سکتا تھا کیونکہ بالفرض اگر اقرا کے لیے کوئی دوسرا اچھا رشتہ آ بھی جاتا تو اقرا کی پڑھائی کا بہانہ بنا کر اسے ٹالا جا سکتا تھا۔ لیکن آغا کو یقین تھا کہ اگر وہ رشتہ بھیج دیتا تو زرینہ بیگم ضرور چوکنی ہو جاتیں اور ایسی صورت میں وہ کسی بھی اچھی جگہ اقرا کی بات ہی طے کر دیتیں۔۔۔ شاویز تو ان کے گھر کا بچہ تھا۔ اور وہ پہلے سے ہی اس بارے میں اقرا کو بھی قائل کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ اس طرح اگر وہ آغا اور اقرا کے تعلق کی بابت جان لیتیں تو ان دونوں کے لیے کافی مشکل کھڑی کر سکتی تھیں۔

"تم امی کی فکر مت کرو، انہیں میں منا لوں گی، تم بس کسی طرح اپنی امی کو بھیج دو۔" اقرا ہمیشہ کی طرح اپنی ضد پر اڑی رہی۔۔۔ اور آغا کو مانتے ہی بنی تھی، اس نے ماں کو کسی نہ کسی طرح رشتہ لے جانے کے لیے راضی کر کے ہی چھوڑا تھا۔

☆......☆......☆

زرینہ پھپھو آئی ہوئی تھیں۔۔۔ سبین کچن میں مصروف تھیں۔ حمزہ، شاویز کے ساتھ کہیں باہر گیا ہوا تھا اور زرینہ، اماں کے سامنے بیٹھیں ہمیشہ کی طرح لالہ کی ذات پر نکتہ چینی جاری رکھے ہوئے تھیں۔

"جب بھی آتی ہوں، بیچاری سبین اکیلے ہی کچن میں خوار ہوتی نظر آتی ہے۔"

"ہاں، تو تم کروا لیا کرو ناں مدد۔۔۔" نانو نے عینک کے اوپر سے جھانکا۔

"کیوں، یہ لالہ کس مرض کی دوا ہے۔ کیا فائدہ اس پڑھائی کا کہ ماں کا بھی احساس نہ ہو۔" زرینہ بیگم کا لہجہ کڑوا ہوا۔

"میری اقرا تو چائے کا کپ تک نہیں دھونے دیتی مجھے۔" ان کے شفاف جھوٹ پر اقرا کا منہ بن گیا۔

"نانو صدقے جائے۔" نانو نے البتہ پیار سے اس کی پیشانی چوم لی۔

"لالہ کہاں ہیں؟" اس نے نانو سے پوچھا۔

''باہر ہی کہیں آوارہ گردیاں کرتی پھر رہی ہوگی۔'' زرینہ بیگم نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

''اپنے کمرے میں ہے، جاؤ۔'' نانو نے ان کی بات ان سنی کرتے ہوئے اسے کہا۔ وہ اٹھ گئی۔

''واہ! بی بی صاحبہ کمرے میں ہیں۔ اور اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ آ کر پھپھو کو سلام کر لے۔۔۔'' وہ دوبارہ شروع ہو گئیں۔

نانو نے تاسف سے بیٹی کو دیکھتے ہوئے تسبیح کے دانے گرانے شروع کر دیے۔۔۔ وہ واقعی لاعلاج تھیں۔

☆......☆......☆

''آپ باہر نہیں آئیں۔۔۔ میں نے سوچا آپ کے کمرے میں ہی آ کر آپ سے مل لوں۔'' وہ دستک دے کر کمرے میں آئی تو لالہ کو ہمیشہ کی طرح کتابوں میں گم دیکھا۔۔۔ وہ بیڈ پر اس کے قریب ہی جگہ بنا کر بیٹھ گئی۔ لالہ نے ایک نظر اس کے اوپر ڈالی اور دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

''ناراض ہیں؟'' وہ کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ اس بار لالہ نے ایک گہری سانس اندر کھینچی جیسے خود کو نارمل کر رہی ہو۔

''اسٹڈی کیسی جا رہی ہے تمہاری۔۔۔؟'' چند لمحوں میں وہ خود کو کمپوز کر چکی تھی۔ اقرا نے ایک مسکراتی نگاہ اس کے خوبصورت چہرے پر ڈالی۔۔۔ اس کے چہرے پر بے پناہ معصومیت تھی۔ ستواں ناک اس کے کردار کے غرور جیسی کھڑی تھی۔ ننھا یاقوتی دہانہ۔۔۔ اور ایک لب پر نقش ننھا سا کالا تل۔۔۔ لالہ کس قدر خوب صورت تھی۔ تبھی تو بھائی اس پر جان چھڑکتے ہیں۔

''اقرا۔۔۔؟'' لالہ نے اپنے سوال کے جواب میں اسے گم صم پا کر حیرت سے اسے پکارا۔۔۔ وہ چونکی۔

''میں نے پوچھا ہے کچھ تم سے؟'' اسے اقرا کی حالت عجیب سی لگی۔

''اچھی جا رہی ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''اب بھی آغا سے ملتی ہو۔۔۔؟'' ذرا سا آگے کی طرف جھکتے ہوئے لالہ نے سرگوشی کی تھی۔ سوال اس قدر اچانک تھا کہ اقرا چند لمحوں کے لیے خاموش رہ گئی۔

''مجھ سے جھوٹ بولنے کی کوشش مت کرنا اقرا۔'' وہ بیڈ پر بکھری کتابیں سمیٹنے لگی۔

''نہیں لالہ۔۔۔ میں نے اسے ملنے سے منع کر دیا ہے۔'' اس نے نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔

''وہ اتنے آرام سے مان گیا؟'' لالہ کو حیرت ہوئی۔ وہ لڑکا اب اتنا بھی سلجھا ہوا نہیں لگا تھا اسے کہ اس قدر آرام سے اقرا کا پیچھا چھوڑ دیتا۔۔۔ اسے سچ میں حیرت ہوئی تھی۔

''میں نے اس سے صاف کہہ دیا ہے لالہ۔۔۔ اگر وہ سچا ہے تو اپنی امی کو ہمارے ہاں بھیج دے۔'' وہ تفصیل بتانے لگی۔

''اور پھراس نے کیا کہا۔۔؟'' لالہ بغور اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''اس نے وعدہ کرلیا ہے، بہت جلد وہ اپنی امی کو بھیجے گا۔'' اس نے سادہ لہجے میں جواب دیا۔

''صرف وعدہ کیا ہے؟ یا وعدہ لیا بھی ہے کوئی؟''

''نہیں، وہ میری مجبوری سمجھ گیا ہے۔'' اس کے لہجے میں سچائی تھی۔ لالہ کو سکون سا ملا۔

''اس نے یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ آئندہ میرے راستے میں نہیں آئے گا۔''

''مجھے خوشی ہے اقرا، تم ایک غلط راستے سے لوٹ آئی ہو۔'' لالہ نے مسکراتے ہوئے اس کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھا۔

''شاید کبھی نہ لوٹتی لالہ آپی۔۔۔'' وہ بھی اداسی سے مسکرائی۔

''اگر آپ مجھے یہ نہ بتاتیں کہ میری ماں کا کیا میرے سامنے آسکتا ہے۔'' اس کی پلکیں بھیگنے لگیں۔ نہ جانے کیوں لالہ نے نگاہیں پھیرلیں۔

''جو کچھ امی آپ کے بارے میں کہتی ہیں، وہ مجھ سے بھی برداشت نہیں ہوتا۔۔۔ نہ جانے آپ کیسے سہہ لیتی ہیں۔'' وہ خاموشی سے سنتی رہی۔

''آپ بہت اچھی ہیں لالہ۔۔۔'' اس نے لالہ کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ وہ نم آنکھوں سے مسکرادی۔

''تم خود بھی تو کتنی اچھی ہو۔'' لالہ نے بھی مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

☆......☆......☆

ان لوگوں کے جانے کے بعد وہ کمرے سے باہر آئی تو گھر پر خاموشی کا راج تھا۔ نانو سونے کے لیے اپنے کمرے میں جا چکی تھیں۔ اور شاویز اپنے کمرے میں، کچن کی لائٹ البتہ ابھی تک آن تھی اور برتنوں کی کھٹ پٹ سے سبین کی موجودگی کا بھی اندازہ ہورہا تھا۔ وہ سیدھا کچن میں چلی آئی۔ اس کے اندازے کے مطابق وہ کچن کا پھیلاوہ سمیٹنے میں لگی تھیں۔

''بھوک لگی ہے؟ کچھ لائٹ سا بنادوں یا کھانا ہی کھاؤ گی؟'' اسے اندر آتے دیکھ کر وہ فوراً ہاتھ صاف کرتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

''نہیں، مجھے بس چائے پینی تھی۔'' وہ کیتلی اٹھا کر اس میں پانی بھرنے لگی۔

''میں بنا دیتی ہوں۔'' سبین آگے آئیں۔

''آپ پہلے ہی کافی تھک چکی ہیں۔۔۔ اندر جائیں، آرام کریں، میں چائے بنا کر باقی پھیلاوہ سمیٹ لوں گی۔'' اس نے برنر آن کرتے ہوئے کہا۔ اس بار سبین خاموش رہیں۔۔۔ چائے کے لیے پانی آگ پر رکھ کر وہ تیزی سے باقی بچے برتن بھی دھونے لگی۔ سبین خاموشی سے اسے تیزی سے ہاتھ چلاتا دیکھتی رہیں۔

''زرینہ پھپھو ہیں تمہاری، سلام دعا ہی کر لیا کرو۔۔'' وہ اسے برتن دھوتا دیکھ کر خود چائے بنانے لگیں۔ان کی بات پہ لالہ کے ہاتھ ایک پل کے لیے رکے اور پھر سے کام میں لگ گئے۔

''جانتی بھی ہو اس کی عادت کو۔۔کتنا بولتی ہے پھر۔۔۔کیوں خود کو ہلکا کرتی ہو'' محبت بھرے لہجے میں وہ اسے نصیحت کر رہی تھیں۔وہ برتن دھو چکی تھی۔دوپٹے سے ہاتھ صاف کرتی ماں کے قریب آئی۔جو چائے کپ میں نکال رہی تھیں۔

''کچھ چیزوں پہ انسان کا اختیار نہیں رہتا۔۔۔جیسے قسمت۔۔۔جیسے غصہ۔۔۔اور جیسے محبت۔۔۔'' ان کے ہاتھ سے کپ تھامتی وہ طنزیہ لہجے میں بولی تھی۔سبین کا ہاتھ ذرا کانپا تھا۔چھلکی چائے لالہ کی سفید قمیص کا دامن داغدار کر گئی تھی۔

ان کا چہرہ ایک پل میں لٹھے کی طرح سفید پڑ گیا تھا۔لالہ کو کبھی کبھی حیرانی ہوتی تھی۔ساری دنیا کے طنز، زرینہ پھپھو کے زہر میں بجھے لفظ سن کر اس کی ماں کو کوئی اثر نہیں ہوتا تھا، حالانکہ اس کی روح تک چھلنی ہو جاتی تھی لیکن اس کی کہی ایک بات ان کا چہرہ یونہی زرد کر دیتی تھی، یوں جیسے موت طاری ہو گئی ہو ان کے وجود پر۔۔۔سفید موت۔۔۔

زخمی مسکراہٹ اس کے گلابی ہونٹوں پر مچل اٹھی تھی۔

''ہلکی تو میں اسی دن ہو گئی تھی امی۔۔۔جب آپ نے محبت میں بے اختیار ہو کر اپنے باپ کی دہلیز پار کی تھی۔'' سبین کو چکر سا آیا تھا۔سلیب سے لگ کر انہوں نے خود کو سنبھالا۔

''لوگ تو بس مجھے یہ یاد کرواتے ہیں کہ میں ایک بدکردار ماں کی بیٹی ہوں۔'' وہ جیسے ہر حد پار کر گئی تھی۔سبین کے دل میں درد سا اٹھا، انہوں نے بے اختیار ہو کر سینے پر ہاتھ رکھا تھا۔آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی جاری ہوئی تھی۔

لالہ کپ اٹھائے باہر نکل آئی۔آنکھیں اس کی بھی جلنے لگی تھیں۔سامنے کے منظر دھندلا سے گئے تھے۔۔۔تبھی وہ سامنے کھڑے شاویز کو بھی نہ دیکھ سکی تھی اور اس سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔اگلے ہی پل اس نے سختی سے آنکھوں کو رگڑ ڈالا تھا۔منظر صاف ہوا تھا۔شاویز اسے ہی دیکھ رہا تھا۔اس کی آنکھیں، اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ اس کی گفتگو سن چکا تھا لیکن اسے کوئی پرواہ نہیں تھی۔ایک تیز نظر شاویز پر ڈال کر لالہ نے شاویز کے پہلو سے نکل جانا چاہا جب اچانک اس نے سامنے سے آ کر اس کا راستہ روک دیا۔اس کی آنکھوں میں رقم ناراضی بے حد صاف تھی۔

''شکر کرو لالہ! ماں کبھی بددعا نہیں دیتی۔'' تلخ لہجے میں کہہ کر وہ کچن کے اندر چلا گیا تھا۔لالہ نے سر جھٹک کر جیسے اس کی بات کو ہوا میں اڑا دیا تھا۔اور کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

اس نے ہوم ورک مکمل کر لیا تھا۔وہ ایک اچھا اور جامع اسٹارٹ لے سکتا تھا لیکن یہ بہرحال ایک حقیقت تھی کہ اسے نہ صرف بے

حد قابل اور پُر خلوص لوگوں کی ضرورت تھی بلکہ ایسے انویسٹرز کی بھی جو بخوشی اس کے آئیڈیاز میں پارٹنر شپ کر لیتے۔۔۔اس طرح ایک تو اسے سپورٹ مل جاتی۔دوسرا پہلے سے کسی اسٹیبلشڈ نام کی مدد سے اسے بھی بزنس میں کافی اچھا اور تیز رسپانس مل سکتا تھا۔سر سکندر اس ضمن میں ایک بہترین شخصیت تھے۔وہ ایسے خوددار اور قابل لوگوں کو نہ صرف سپورٹ کرتے تھے بلکہ پروموٹ بھی کر دیتے تھے۔باریال ولی خان کا ارادہ بھی یہی تھا کہ وہ سب سے پہلے انہی سے اپنے آئیڈیاز شیئر کرے گا اور ان سے پارٹنر شپ کی درخواست بھی کرے گا لیکن۔۔۔ امن والے معاملے کے بعد وہ اب اس پوائنٹ پہ سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔اس نے چند اہم شخصیات سے ملاقاتیں بھی کی تھیں جو بزنس ڈیولپمنٹ میں خاص مقام رکھتے تھے۔ان کے توسط سے اسے کچھ اسپانسر مل گئے تھے۔اس قدر کہ وہ جلد از جلد چھوٹے پیمانے پر اپنا بزنس فوری شروع کر سکتا تھا۔تبھی تمام تر ہوم ورک کمپلیٹ کرنے کے بعد وہ سب سے پہلے شاویز کے پاس آیا تھا۔بزنس ایڈمنسٹریشن میں شاویز گولڈ میڈلسٹ تھا۔بے حد قابل اور قابلِ بھروسہ لڑکا۔۔۔وہ اپنے بزنس کو اس کی صلاحیت سے بہ آسانی کامیاب بنا سکتا تھا۔

''تمہارے لیے کام کروں،اس سے اچھی بات بھلا کیا ہو سکتی ہے؟''اس کی آفر سن کر شاویز چند لمحے خاموش رہ کر کچھ سوچتا رہا۔ باریال کو لگا وہ شاید فیصلہ نہیں کر پا رہا۔۔۔لیکن اس کی بات نے باریال کے چہرے پر مسکراہٹ بکھیر دی تھی۔

''لیکن۔۔۔''شاویز نے اس کی طرف دیکھا۔

''لیکن کیا۔۔۔؟''وہ چونکا۔

''لیکن دو دن پہلے ہی میری جاب ہوئی ہے۔''اس کی بات پر باریال کو خوشی سے زیادہ حیرت ہوئی تھی کیونکہ وہ اس سے قطعی لاعلم تھا۔

''کافی اچھی جگہ ہے،سیلری پیکج زبردست ہے۔۔۔''وہ مزید بتانے لگا۔نہ جانے کیوں باریال کو لگا وہ اس سے جھوٹ بول رہا ہے۔

''میں پھر بھی ریزائن کر کے تمہارے ساتھ آ جاتا۔لیکن کمپنی کے رولز میں ہے کہ کوئی بھی ورکر جاب چھوڑنے سے کم از کم تین ماہ پہلے ضرور انفارم کرے گا تو اس طرح اچانک۔۔۔تم سمجھ رہے ہو ناں میں کیا کہہ رہا ہوں۔''اس نے بات ختم کرتے ہوئے باریال سے پوچھا تھا۔

''تم نے بتایا ہی نہیں کہ تمہاری جاب ہو گئی ہے یار۔۔۔''وہ اس کی ساری بات جیسے ہوا میں اڑاتا تاسف سے بولا تھا۔

''نئی جاب تھی تو دو دن کافی بزی رہا۔آج آنے ہی والا تھا تمہاری طرف مٹھائی لے کر کہ تم خود آ گئے۔''اس نے صفائی سے بہانہ گھڑا۔

''چلو کوئی بات نہیں۔۔۔''وہ مسکرا دیا۔

''تمہاری جاب ہو گئی یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔''وہ دل سے مسکراتے ہوئے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے بولا۔

''تھینکس۔۔۔'' نہ جانے کیوں شاویز کی مسکراہٹ اسے پھیکی سی لگی۔

''اب کچھ کھلاؤ پلاؤ گے بھی اس خوشی میں یا یونہی روکھے منہ ٹرخانے کا ارادہ ہے۔'' دونوں ہاتھوں کی پوائینٹنگ فنگرز ہونٹوں پر جماتے ہوئے وہ مسکرایا تھا۔

''کیوں نہیں یار۔۔۔میں پوچھنے ہی والا تھا۔چائے یا ٹھنڈا۔۔۔''

''چائے۔۔۔ہمیشہ کی طرح۔۔۔''اس نے کہا تو شاویز سر ہلاتا باہر نکل گیا۔تار پر گیلے کپڑے پھیلاتی لالہ کام چھوڑ کر اس کے پیچھے آئی تھی۔

''تم نے اس سے جھوٹ کیوں بولا شاویز۔۔۔؟''اس کے لہجے میں حیرانی تھی۔شاویز نے کچن کے قریب آتے ہی اس کے لیے راستہ چھوڑا تھا۔وہ اندر آ گئی تھی۔اسے ہاتھ چلاتا دیکھ کر وہ سمجھ گیا تھا کہ اس نے ساری باتیں سن لی ہیں۔تبھی اس کے بلانے سے پہلے خود ہی اُدھر آ گئی تھی۔

''تو۔۔۔'' وہ بھی اندر آ گیا۔''تم کیا چاہتی ہو، میں ،شاویز زیدی، اب اس باریال کے انڈر کام کروں؟''

''اس میں حرج ہی کیا ہے؟'' وہ کیبنٹ سے کپ نکالتے ہوئے بولی۔

''میرے ابھی اتنے بھی برے دن شروع نہیں ہوئے کہ میں باریال سے تنخواہ لیتا پھروں۔''ٹرے اسے تھماتے ہوئے لالہ نے تاسف بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

''تم اتنا نیگیٹو کیوں سوچنے لگے ہو شاویز۔۔۔''

''پلیز لالہ۔۔۔''نرمی سے اسے سامنے سے ہٹاتا وہ باہر نکل گیا تھا۔لالہ اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

وہ گھر آیا تو رات کافی ہو چکی تھی۔اس نے دیدے کے کمرے میں جھانکا، وہ سو چکی تھیں۔وہ آہستگی سے دروازہ بند کرتا اپنے کمرے میں آ گیا۔

بیڈ پر بیٹھ کر شوز اتارتے سے اچانک ہی اس کی نگاہ اسٹڈی ٹیبل پر پڑے اس گفٹ پیک پر پڑی تھی۔وہ اٹھ کر اس کی طرف آیا تھا۔اور ڈبے کو دیکھے بغیر اس کے اوپر رکھا خوبصورت کارڈ اٹھا لیا تھا۔

''آئی ایم سوری۔''سنہری حروف جگمگا رہے تھے۔اس نے کارڈ اور پیکٹ اٹھا کر الماری کے نچلے حصے میں پھینک دیے اور پھر لائٹ بجھاتا بیڈ پر آ گیا۔

موبائل کی تیز بیپ پہ بند ہوتی آنکھیں ایک جھٹکے سے کھلیں۔اس نے چیک کیا۔۔۔امن کی کال تھی۔۔۔اس نے یس کا بٹن دبا دیا۔

''مجھے امید نہیں تھی تم فون اٹھاؤ گے۔''امن کے لہجے میں اداسی تھی۔

''تم میری دوست ہو۔۔۔میں فون کیوں نہیں اٹھاؤں گا۔''دایاں ہاتھ سر کے پیچھے رکھتے ہوئے اس نے عام سے لہجے میں کہا۔

''کیا ہم اب بھی دوست ہیں؟''

''میں اپنے دوستوں کو کبھی نہیں چھوڑتا امن،تم ہمیشہ میری اچھی دوست رہو گی۔''

"I am really very sorry Baaryal"

اس کی آواز بھیگنے لگی تھی۔باریال لب بھینچ گیا۔

''میری بے وقوفی کی وجہ سے تمہارے اور پاپا کے تعلقات بھی خراب ہوئے۔''

''وہ اتھارٹی ہیں امن۔۔۔مجھے جاب پر رکھنا ہے یا نہیں یہ وہ بہتر سمجھتے ہیں،تم اسے خود سے ریلیٹ نہ کرو۔۔''وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔دوسری طرف کچھ دیر خاموشی رہی تھی۔

''کچھ تو کہو باریال۔۔۔سخت،کڑوا۔۔۔کچھ تو ملال کم ہو۔''وہ سسکی۔

''اچھا یہ بتاؤ طبیعت کیسی ہے؟''وہ بات بدل گیا۔

''کافی بہتر ہوں۔آفس بھی جوائن کر لیا ہے۔''

''فنٹاسٹک۔۔۔''وہ خوش ہوا۔

''باریال۔۔۔''وہ شاید چند لمحے اس کی خوشی محسوس کرتی رہی۔پھر آہستگی سے پکارا۔

''ہم۔۔۔''

''کیا ہم کہیں مل سکتے ہیں؟''

''شیور۔۔۔وائے ناٹ۔۔۔''وہ دوستانہ لہجے میں بولا۔

''تو کل آ رہے ہو آفس۔۔۔؟''وہ چہکی۔

''تم میرے گھر آ جانا،دیدے سے بھی مل لو گی،کافی یاد کرتی ہیں۔''وہ نفاست سے انکار کر گیا۔

''یہ بھی ٹھیک ہے۔۔۔تو ملتے ہیں کل شام کو۔۔۔''

وہ خوش ہو گئی۔

''اوکے پھر۔۔۔''وہ تھک گیا تھا۔اسے نیند آ رہی تھی۔

''پھر۔۔۔؟''امن سمجھ نہ سکی۔

''کل ملتے ہیں پھر۔۔۔ابھی نیند آرہی ہے بہت سخت۔۔۔''بوجھل آواز پر اسے ایک دم ہنسی آئی تھی۔

''ٹھیک ہے،خدا حافظ۔۔۔''مسکراتی ہوئی آواز ابھری۔

''شب بخیر۔۔۔''وہ بھی مسکرا دیا تھا۔سیل آف کر کے ایک طرف بیڈ پر اچھالا اور پھر تکیے سینے کے نیچے رکھ کر پاؤں پھیلا کر الٹا ہی سو گیا تھا۔نیند کی وادیوں نے اسے خود میں سمو لیا تھا۔

☆......☆......☆

فرسٹ سمیسٹر کا رزلٹ آ گیا تھا۔ضیا اس سے پورے دس نمبر آ گے تھا۔

''یہ کیسے؟''وہ ڈسپلے بورڈ پر بار بار بے یقینی سے نظر دوڑاتی اور وہی نتیجہ دیکھ کر پہلے سے بھی زیادہ بجھ جاتی۔

''یہ مجھ سے زیادہ نمبر کیسے لے سکتا ہے؟''اس نے ساتھ کھڑی نمرہ کو مخاطب کرتے ہوئے تاسف سے کہا جو اپنا رزلٹ دیکھ کر اب موبائل پر مصروف تھی۔نمرہ نے اس کی بات کے جواب میں بس ایک سرسری سی نظر اس پر ڈالی اور دوبارہ بات کرنے میں مصروف ہو گئی۔

''یہ تو کتاب کو ہاتھ تک نہیں لگاتا تھا۔''لالہ رو دینے کو تھی۔نمرہ نے فون بند کر کے پرس میں ڈالا اور اس کے قریب آ گئی۔

''پتا ہے کیا لالہ۔۔۔؟''اجنبی سے لہجے میں اس نے لالہ کو مخاطب کیا،لالہ نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''مجھے لگتا ہے ضیا کو تم پر نہیں،دراصل تمہیں ضیا پر کرش ہو گیا ہے،کتنا بنتی ہو ناں تم۔''

''نمرہ۔۔۔!''تاسف اور دکھ سے اس کی آنکھیں پھٹنے کے قریب ہو گئیں۔

''مجھے سچ میں کبھی کبھی بہت افسوس ہوتا ہے لالہ!میں نے تمہیں سمجھنے میں کتنی غلطی کی۔''

''یہ تم کیا کہہ رہی ہو نمرہ۔۔۔؟''وہ واقعی اسے نہیں سمجھ پا رہی تھی۔

نمرہ اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں بولی۔خاموشی سے خفا خفا نظروں سے اسے کچھ دیر گھورتی رہی پھر ایک طرف بڑھ گئی۔ لالہ مارے صدمے کے قدم نہیں اٹھا سکی تھی۔اسے رہ رہ کر ضیا پر غصہ آرہا تھا۔جب سے ضیا علی خان اس کی زندگی میں آیا تھا ایک ایک چیز الٹ سی گئی تھی۔عجیب سا خوف اسے اپنے حصار میں لیے رکھتا تھا۔اور اب نمرہ کا یوں اجنبی رویّہ اسے مزید الجھا رہا تھا۔مری میں ہونے والی ان دونوں کی لڑائی ہرگز اتنی بڑی بات نہیں تھی کہ نمرہ یوں اتنے دن بعد بھی اس طرح بی ہیو کرتی۔۔۔کچھ تو تھا جو اسے نمرہ کی آنکھوں میں نظر آتا تھا۔لیکن وہ لاکھ کوشش کے باوجود بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

''کیا ہوا لالہ۔۔۔؟''بھاری آواز پر وہ بری طرح چونکی تھی۔آنے والا ضیا تھا جو اسے یوں اکیلے بت کی طرح ساکت کھڑا دیکھ کر فوراً اس کی طرف آیا تھا۔

''نہیں،کچھ نہیں۔۔۔''وہ گم صم سے انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔اور پھر سامنے کی طرف بڑھ گئی۔

''تم میرے دس اضافی نمبرز سے پریشان ہو؟'' وہ اس کے ہم قدم ہوا۔

''لالہ کبھی پریشان نہیں ہوتی، ہاں لیکن مجھے دکھ ہے کہ ایک بے پرواڑ کا مجھ سے دس نمبرز زیادہ کیسے لے سکتا ہے؟'' اس کے سوال پر اس کا ازلی اعتماد عود کر آیا۔

''ویسے سچ بتاؤں۔۔۔ان دس نمبروں پر میں خود بھی پریشان ہوں۔'' وہ مسکرایا تھا۔

''مجھے تو کتابوں سے الرجی ہے۔ہاں کبھی کبھی کھول کر دیکھ لیتا ہوں۔وہ بھی جب امتحانات سر پر ہوں۔'' لالہ کو لگا وہ اسے چڑا رہا ہو۔

''جاؤ ضیا، مجھے تنگ نہ کرو۔'' وہ ابھرتے غصے کو کنٹرول کرتے ہوئے بولی۔

''جو حکم۔۔۔'' وہ فوراً دوسری طرف مڑ گیا تھا۔

ایک پل کے لیے تو لالہ بھی اس قدر فرمانبرداری پر شاکڈ رہ گئی تھی۔ پھر سر جھٹک کے لائبریری کی طرف بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

''باریال۔۔۔؟'' دیدے کی پکار پر وہ فوراً اٹھ کر ان کے کمرے میں آیا تھا۔جس وقت وہ گھر آیا تھا، دیدے نماز پڑھ رہی تھیں۔ اس لیے وہ خاموشی سے پلٹ گیا تھا۔لیکن انہوں نے شاید اس کی آہٹ محسوس کر لی تھی۔تبھی نماز ختم کرتے ہی اسے پکارا تھا۔

''السلام علیکم دیدے۔۔۔'' وہ مسکراتا ہوا ان کے قریب نیچے زمین پر ہی بیٹھ گیا۔انہوں نے زیرِ لب کچھ پڑھتے ہوئے اس پر پھونک دیا تھا۔

''یہاں کیوں بیٹھ گئے ہو۔۔۔میں اٹھنے ہی والی تھی۔'' شفقت سے اس کے گھنے بالوں کو چھوتے ہوئے انہوں نے کہا۔ باریال کو دیکھتے ہی روشنی سی ان کی آنکھوں میں جھلملانے لگتی۔ باریال بچپن سے اس روشنی کا عادی تھا۔ جب بھی وہ ماں سے کچھ دیر کے لیے دور جاتا۔واپس آنے پر یہی روشنی اس کا استقبال کرتی۔۔۔دیدے اٹھ گئیں تو وہ بھی جانماز تہہ کرتا بستر پر بیٹھ گیا۔۔۔دیدے کچھ دیر اسے یونہی پیار سے دیکھتی رہیں۔

''میں دیکھ رہی ہوں، جب سے تم آفس کے کام میں بزی ہوئے ہو۔تھکنے کی بجائے تازہ دم رہنے لگے ہو۔۔۔'' باریال نے بیڈ کراؤن سے ان کے ٹیک لگاتے ہی نرمی سے ان کے پاؤں اٹھا کر اپنے قریب کر لیے اور ان کے پیر دبانے لگا۔۔۔دیدے مسکرا دی تھیں۔

''نہ صرف فریش رہنے لگا ہوں دیدے۔۔۔بلکہ اب وہ ڈراؤنے خواب بھی مجھے نہیں ستاتے۔بلکہ اکثر دوا لیے بغیر ہی مجھے نیند آجاتی ہے۔'' اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ضبط ہی بہترین ہتھیار ہے باریال۔۔۔'' دیدے کے چہرے پر کئی رنگ ایک ساتھ آ کے ٹھہرے تھے۔

''تم بے بس تھے۔۔۔لیکن ضبط نہیں کر پا رہے تھے۔انتقام کی آگ سینے میں جلائے تم خود ہی تھے جو اُن ڈراؤنی حقیقتوں کو بار،

بار خود کو یاد کرانا چاہتے تھے۔'' تسبیح کے دانے روکے وہ اس کے چہرے کو دیکھے جا رہی تھیں۔ باریال کو ایک دم ان کے چہرے پر خوشی اور غم ایک ساتھ رقم ہوتے محسوس ہوئے۔

''لیکن ایسا ہوتا ہے بیٹے زندگی میں کئی بار ہماری طاقت بس چوٹ کھا کے مر جانے یا کہیں چھپ جانے میں ہوتی ہے پھر یہ کہ۔۔۔ ہم اس پر کڑھ کڑھ کے اپنا وقت، اپنا گیان ضائع کرتے ہیں یا پھر ضبط کی راہ لیتے ہیں، وقت پر چھوڑ دیتے ہیں اور یقین کرو باریال یہ آخری راستہ بے حد سہل اور پُر امید ہے کیونکہ پھر فیصلہ، انصاف ہم ڈائریکٹ اللہ پر چھوڑ دیتے ہیں'' وہ ان کی بات سمجھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر سکون تھا۔

''مجھے خوشی ہے، دیر سے سہی لیکن تم نے ضبط کی راہ اختیار کی، انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کر دیا۔۔۔ ان شاءاللہ یہ ادویات وغیرہ بالکل چھوٹ جائیں گی۔'' انہوں نے اٹھ کر اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔

''ان شاءاللہ۔۔۔!'' باریال نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

''دودھ لاؤں آپ کے لیے؟''

''نہیں میں نے پی لیا۔'' وہ مسکرائیں۔

''سوری دیدے۔۔۔ آج پھر لیٹ ہو گیا۔'' اس کا لہجہ معذرت خواہانہ ہو گیا۔

''سوری کرنے کی بات تو ہے لیکن وجہ میں نہیں۔'' دیدے اب اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھیں۔

''مطلب۔۔۔؟'' ذہین چمکتی آنکھوں میں الجھن سی بیدار ہوئی تھی۔

''امن آئی تھی۔۔۔'' دیدے نے بتاتے ہوئے بغور اس کے چہرے کے تاثرات کو نوٹ کرنا چاہا تھا۔ وہاں فوراً شرمندگی اتری تھی۔

''اوہ گاڈ۔۔۔!'' بالوں میں ہاتھ پھنساتے ہوئے وہ واقعی شرمندہ ہوا تھا۔

''تم نے خود اسے ملنے کے لیے کہا تھا؟'' دیدے نے پوچھا۔

''نہیں، وہ خود ملنا چاہ رہی تھی۔ میں نے بس گھر کا کہہ دیا، آپ بھی تو یاد کرتی ہیں ناں اسے۔'' وہ صاف گوئی سے بولا۔ دیدے کو لگا تھا، اس کے دل میں واقعی امن کو لے کر کوئی خاص جذبات نہیں تھے۔ ان کے بیٹے کی آنکھیں انہیں اس کے دل کا حال خوب بتاتی تھیں۔

''امن اچھی لڑکی ہے۔'' انہیں جیسے افسوس سا ہوا، فوراً مدعے پر آئیں۔

''میں نے کب کہا بری لڑکی ہے اور پھر میری تو سب سے اچھی دوست ہے وہ۔'' وہ کندھے اچکاتے ہوئے سارا معاملہ ہی ختم کر گیا۔

''کسی کو انتظار نہیں کروانا چاہیے۔'' دیدے نے جیسے التجا کی۔

''بالکل بھی نہیں کرواؤں گا۔'' وہ ان کی بات سمجھ کر مسکراتے ہوئے بولا اور جانے کے لیے مڑا۔

''پھر بھی باری۔۔۔امن جیسی نہیں تو پھر تمہیں کیسی لڑکی چاہیے۔'' ان کی پکار پر وہ رکا۔۔۔ پھر مڑ کر آہستگی سے چلتا ان کے قریب آ کے رک گیا۔

''کچھ زیادہ ڈیمانڈ نہیں ہے میری دیدے۔'' ذرا سا جھک کے وہ ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔ دیدے بھی اسے دیکھنے لگیں۔

''بس اسے دیکھتے ہی یہ دل گواہی دے دے۔''

''مطلب۔۔۔؟'' دیدے حیران ہوئیں۔

''مطلب۔۔۔'' وہ سوچنے لگا۔

''مطلب یہ گواہی دے دے کہ اسے دیکھتے ہی میرے دل کو کچھ خاص محسوس ہو۔ میری آنکھیں کسی دیے کی مانند جل اٹھیں اور میں۔۔۔'' وہ شرارت سے کہتا چلا گیا۔

''باری۔۔۔'' دیدے نے ہنستے ہوئے اسے ہلکا سا تھپڑ رسید کیا تھا۔

''لکھوا لو۔۔۔ وہ لڑکی پیدا ہی نہیں ہوئی جو باریال کا دل پھیر سکے۔''

''بس پھر میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔'' وہ خفا خفا سا منہ بنا کر بولا تھا۔ دیدے مزید ہنسنے لگیں۔۔۔ وہ مسکراتے ہوئے انہیں دیکھے گیا۔

☆......☆......☆

بنگلے کے اس حصے میں آتے ہی نہ جانے کیوں وہ ہمیشہ اس احساس میں گھر جاتی تھی کہ وہ شہر میں نہیں اپنے گاؤں میں موجود ہے۔ تقریباً دس مرلوں پر محیط اس لان میں برآمدے سے لے کر بیرونی دیوار تک انار، کھجور، کیلے، آم، امرود، جامن اور فالسے کے درخت لگے تھے۔ جن کی شاخیں ایک دوسرے میں گڈ مڈ ہو رہی تھیں۔ کئی بار تو وہ سب ایک دوسرے کا حصّہ لگنے لگتے۔۔۔ برآمدے کے بالکل قریب لگے جالی دار دریچے سے چڑھتی انگور کی بیل نے برآمدے کی ساری چھت پر ہی قبضہ جمانا شروع کر دیا تھا۔ بیرونی چار دیواری بوگن ویلیا سے ڈھکی تھی۔

سرسبز سایہ دار حصہ اسے ہمیشہ ہی مسحور سا کر دیتا تھا۔ عجیب سی سرشاری اسے اپنے حصار میں لے لیتی۔ تبھی وہ اکثر عصر کے وقت کتابیں لے کر ادھر ہی آ جایا کرتی۔

آج فضا میں حبس غائب تھا۔ صبح سے روئی جیسے بادلوں اور ٹھنڈی ہوا نے موسم میں خوشگواریت بھر دی تھی۔ اوزگل سو رہی تھی۔ وہ کتابیں لے کر لان میں آ گئی۔ فالسے کے زرد نارنجی ننھے پھول جھڑنا شروع ہو گئے تھے۔ مطلب پھل لگنے کو تھا۔ وہ کتابیں انار کے پیڑ کے نیچے رکھتی اس طرف واپس آ گئی۔ اور فالسے کے باقی ماندہ ننھے منے پھول شاخوں سے چننے لگی۔ تبھی اس نے گیٹ کھلنے کی آواز سنی۔۔۔ بے اختیار اس طرف دیکھا۔ وہ ابراہیم تھا۔۔۔ ابراہیم حیات۔۔۔ بائیک پر سوار وہ اِدھر اُدھر دیکھے بنا بائیک سیدھا اپنے پورشن کی طرف لے

گیا تھا۔اس پورشن کا واحد دروازہ اسی بنگلے میں کھلتا تھا۔لیکن یہ پورشن تھا بنگلے سے باہر۔۔۔اسے اس بنگلے سے جوڑنے والا وہی واحد دروازہ ہی تھا۔

گل مینہ نے ایک نظر بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر بکھرے پھولوں کو دیکھا۔انہیں یونہی دیکھتے ہوئے وہ کچھ دیر سوچتی رہی۔پھر دھیرے دھیرے چلتی اس پورشن کی طرف بڑھ گئی۔جس کا ادھ کھلا دروازہ ہوا کے زور سے دھیرے دھیرے ہل رہا تھا۔اس کے ہونٹوں پر بہت پیاری مسکان آٹھہری تھی۔وہ محبت کی رتھ کی سوار تھی۔خوابوں کے رنگوں کا حسین لباس اوڑھے جذبات کی پریاں جس کی باگ بان تھیں۔اس کا دل زورزور سے دھڑک رہا تھا۔یوں جیسے وہ اس سے پہلے منزل کا متمنی ہو۔نہ جانے کب پیروں میں قید چپل اتر گئی۔اور نرم پیروں نے ملائم گھاس کو چھوا۔۔۔وہ یونہی پھول سنبھالے دھیرے دھیرے قدم دھرتی رہی۔اور پھر اس نے دروازے کے سامنے قدم روکے تھے۔بالکل اسی وقت ابراہیم واپس آیا تھا۔اسے دیکھتے ہی گل مینے نے اپنی ہتھیلی آگے بڑھا دی۔خوب صورت آنکھوں میں رچی حیرت دو چند ہوئی۔وہ اب مسلسل اس کے ہاتھ کو دیکھ رہا تھا۔

''خانزادی۔۔۔''وہ کچھ بھی نہ کہہ سکا تھا۔

''میرا نام گل مینہ ہے،تم مجھے مینہ کہہ سکتے ہو۔۔۔''

اس نے کہتے ہوئے پھولوں سے بھری ہتھیلی اس کے آگے کی تھی۔وہ بے اختیار ایک قدم پیچھے ہوا۔مینے کھلکھلا دی۔

''توبہ ہے،میں تو سمجھتی تھی تم شرمیلے ہو۔۔۔لیکن۔۔۔''اس کی بات پر وہ نظریں یکبارگی اٹھی تھیں۔

''لیکن۔۔۔؟''ابرو تیکھے انداز میں ذرا سا اٹھے۔

''لیکن تم تو ڈرپوک ہو۔''دایاں ہاتھ پہلو میں جماتے ہوئے وہ ایک انداز سے مسکرائی۔

''جن کی حدیں مقرر ہوں،وہ محتاط ہوتے ہیں،ڈرپوک نہیں خانزادی۔''

''میں نے بتایا ناں میرا نام مینے ہے۔''

''میرے لیے آپ ایک خانزادی ہیں بس۔۔۔میں آپ کو آپ کے نام سے پکارنے کی جرأت کبھی نہیں کرسکتا۔''

''خانزادی میں صرف نوکروں کے لیے ہوں۔اور بھائی نے بتایا ہے تم نوکر نہیں،ان کے دوست ہو۔''وہ منہ بناتے ہوئے بولی۔

''گل مینے۔۔۔''دور سے اوزگل کی پکار سنائی دی تھی۔پہلو پہ جمایا ہاتھ ایک جھٹکے سے نیچے گرا تھا۔

''مینے،باء جی آئے ہیں جلدی آؤ۔۔۔''اور اس کی اگلی بات پہ اس کے ساتھ،ساتھ ابراہیم کی بھی سانس اٹکی تھی۔وہ مزید پیچھے ہوا تھا۔

''یہ پکڑو۔۔۔''تیزی سے کچی دہلیز پار کرتی وہ اس کا ہاتھ پکڑتی سارے پھول اس کی ہتھیلی پر دھر گئی تھی اور مڑ کر بھاگ گئی۔

ابراہیم نے حیرت بھری نظر ان سنہری پھولوں پر ڈالی تھی۔ پھر سرشاری کی سی کیفیت میں مٹھی بند کر دی۔ سماں مہکنے لگا تھا۔

☆......☆......☆

لاؤنج میں موت کا سا سماں طاری تھا۔ سرد سی خاموشی چھائی تھی۔ فیملی کے سارے ممبرز اتنے عرصے بعد ایک ساتھ بیٹھے تھے۔ لیکن سب کے چہرے بجھے، بجھے تھے۔ یوں جیسے سب نے موت کا رقص دیکھا ہو۔۔۔ یا اچانک سے سب کچھ کھو دینے کا احساس جاگ اٹھا ہو۔۔۔ کونے میں رکھے صوفے پر بیٹھی اوزگل کی آنکھیں مسلسل آنسو بہا رہی تھیں۔ گل مینے بڑے صوفے پر ایک کروفر سے بیٹھے باء جی کی گود میں سر رکھے اداس سی نیچے کارپٹ پر بیٹھی تھی۔ باء جی کے چہرے پر سختی سی چھائی تھی۔ جیسے انہیں یہ افسوس یہ ماتم گراں گزر رہا ہو۔

''آپ کم از کم اطلاع تو کرتے ہمیں باء جی۔۔۔'' ساتھ بیٹھے ضیا نے کافی خاموشی کے بعد نم لہجے میں کہا۔

''ہمیں اچھی طرح معلوم ہے ضیا۔۔۔ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔'' سخت آواز میں ناراضی چھلک رہی تھی۔ ضیا معذرت خواہانہ لہجے میں سر جھکا گیا۔

''اللہ لوک کی موت رات کو نیند میں ہوئی۔ اس قدر اچانک۔۔۔ ہم خود بھی حیران پریشان تھے۔ لیکن ہم یہ بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ تمہارے اور گل مینے کے امتحانات چل رہے تھے۔ اور ہم نہیں چاہتے تھے کہ اس چھوٹے سے واقعے سے تم دونوں کی ساری محنت بیکار چلی جاتی۔''

''لیکن یہ ایک چھوٹا سا واقعہ نہیں تھا باء جی۔۔۔'' مینے نے سر اٹھایا۔

''موت اور زندگی سب غیر یقینی ہے میرے بچے۔۔۔'' انہوں نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''پھر یہ ہمارے پُرکھوں کی ریت ہے۔۔۔ پٹھان موت پر اتنا رویا نہیں کرتے۔۔۔ کافی مضبوط ہیں ہم۔۔۔ تم سب بھی اس بات کو دل پر نہ لو۔۔۔ اور ان کے لیے دعا کرو۔۔۔ اللہ پاک ان کی مشکلیں آسان فرمائے۔'' گھنی مونچھوں تلے دبے ہونٹ نہ جانے کیوں عجیب سا مسکرائے تھے۔

''آمین۔۔۔'' وہ تینوں بہن بھائی بیک وقت بولے تھے۔ اور پھر واقعی ضیا اور مینے دونوں باء جی کے ساتھ اپنے معمولات شئیر کرنے لگے تھے لیکن اوزگل۔۔۔ بہرحال نہ کر پائی تھی۔ وہ چائے بنانے کا کہہ کر وہاں سے نکل آئی۔ اور اپنے کمرے کے ٹیرس پر آ ٹھہری، بارش شروع ہو چکی تھی۔۔۔ وہ بھی رونے لگی۔

''کاش۔۔۔ کاش میں آپ کو چھوڑ کر اِدھر نہ آئی ہوتی اللہ لوک۔۔۔ پتا نہیں کیا ہوا ہوگا آپ کے ساتھ۔'' چہرہ ہاتھوں میں چھپائے وہ پھوٹ پھوٹ کے رو دی تھی۔

☆......☆......☆

جب سے آغا نے ایک پرائیویٹ کمپنی میں جاب حاصل کی تھی، اپنے اور اقرا کے معاملے کو سیٹ ہوتے محسوس کیا تھا۔ اس نے شاہدہ سے بھی بات کر لی تھی۔ وہ تو راضی تھیں لیکن زرینہ بیگم کا ڈر تھا، انہیں نہیں لگتا تھا کہ وہ اس رشتے کے لیے مانیں گی۔

''آپ میرے اور اقرا کے تعلق کے بارے میں بتا دینا۔ پھر دیکھتا ہوں کیسے نہیں مانتیں۔'' یہ بات ان کے دل کو بھی لگی۔۔۔ زرینہ بیگم نہ بھی مانتیں تو اقرا اپنی بات منوا کے ہی رہے گی، یہ وہ اور آغا اچھی طرح جانتے تھے۔ تبھی وہ آج مٹھائی اور کچھ سامان لے کر سر شام ہی ان کے گھر پہنچ گئیں۔ حمزہ ابھی تک گھر نہیں آیا تھا۔ اقرا نے ہی دروازہ کھولا اور آغا اور شاہدہ آنٹی کو دیکھ کر اس کا انگ، انگ کھل سا گیا تھا۔ انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر، امی کو اطلاع دے کر وہ سیدھا کچن میں چلی آئی تھی۔ شاہدہ نے کچھ دیر انتظار کر کے آغا کو واپس بھیج دیا۔ زرینہ آئیں تو وہ ان کی منتظر تھیں۔ زرینہ نے بھی ہمیشہ کی طرح ان کا استقبال دوستانہ لہجے میں کیا تھا۔ ان کے دوستانہ انداز کو دیکھتے ہی انہوں نے اقرا کو آغا کے لیے مانگ لیا تھا۔ زرینہ بیگم ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟'' منہ سے جیسے جھاگ نکلنا شروع ہو گیا۔ وہ شدید غصے میں تھیں۔

''ایک منٹ میں اٹھاؤ یہ کاٹھ کباڑ اور راستہ پکڑو۔۔۔'' ان کی چیختی آواز پر اقرا دوڑتی ہوئی دروازے تک آئی تھی۔

''زرینہ بہن۔۔۔! نرمی سے سوچو، گھر آئے لوگوں کی بھی کوئی عزت ہوتی ہے۔ پھر میرے بیٹے میں کیا برائی ہے۔ خیر سے کمانے لگا ہے، آج نوکر لگا ہے، کل افسر لگ جائے گا۔ دن پھرنے میں وقت ہی کب لگتا ہے۔'' شاہدہ سمجھدار خاتون تھیں، تبھی ان کے غصے کو درگزر کرتے ہوئے نرمی سے انہیں سمجھایا۔

''ہاں تو کیوں کرے میری اقرا، آغا جیسے آوارہ لڑکے کے وقت پھرنے کا انتظار۔۔۔ اس کے لیے رشتوں کا کال پڑ گیا ہے کیا؟'' وہ اور زیادہ بپھر گئیں۔ اپنے بیٹے کے بارے میں ان کی رائے سن کر شاہدہ بھی غصے سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''ذرا سی عزت کیا دی محلے دار سمجھ کے، بی بی تم تو گلے کا ہار بننے لگیں۔'' زرینہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ان کا منہ نوچ لیں۔ اقرا تیزی سے اندر آئی تھی۔

''امی پلیز۔۔۔ یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟'' وہ ماں کا بازو پکڑتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولی۔

''ان جیسے بے غیرت لوگوں کے ساتھ بات کرنے کا یہی صحیح طریقہ ہے، ہونہہ آ جاتے ہیں منہ اٹھا کر۔۔۔'' اور شاہدہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

''خود نہیں آئی، نہ ہی کوئی شوق ہے۔ یہ جو تیرے بازو سے لگ کر کھڑی ہے ناں'' وہ بولنے پر آئیں تو بولتی چلی گئیں۔ اقرا کا دل دھڑکنا بھول گیا۔

''پوچھ اس سے، ہم۔۔۔ م۔۔۔ م بڑا شوق تھا اسے آغا کی دلہن بننے کا۔۔۔ ورنہ میرے آغا کو بھی کمی نہیں ہے لڑکیوں کی۔۔۔

ایک سے ایک اعلیٰ خاندان سے لڑکی بیاہ کر نہ لے آئی تو کہنا۔۔۔ یہ تیرے سامنے سے بارات لے کر جاؤں گی وہ بھی بڑی دھوم دھام سے۔'' زرینہ نے تیکھی نگاہ ساتھ لگی اقرا پر ڈالی۔لیکن خاموش رہیں۔

''ہاں ہاں جاؤ۔۔۔روکا کس نے ہے، میری بلا سے۔'' زرینہ نے ہاتھ جھاڑے۔

''اور سمجھا لینا اس آفت کو۔۔۔اگر آغا چاہیے تو اب اس کی ماں میرے گھر آ کر خود منت کرے گی۔ میں اب اس گھر کی دہلیز پار نہیں کروں گی، کبھی نہیں۔۔۔'' چادر اوڑھتے ہوئے شعلہ بار نگاہوں سے وہ اقرا کو تکتی گھر سے باہر نکل گئی تھیں۔

''جاجا اپنے بیٹے کو سمجھا۔۔۔وہی پیچھے پڑا ہوگا میری اقرا کے، اللہ پوچھے تم لوگوں کو۔'' سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے انہوں نے چلّا کر کہا تھا۔اقرا خاموشی سے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔حمزہ کے آنے کا وقت ہو رہا تھا۔اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ بھائی کے سامنے کوئی بات کھلے۔۔۔اپنی اماں کو بھی جانتی تھی۔حمزہ کے سامنے وہ کوئی ذکر نہیں کرنے والی تھیں۔کل اس کے جانے کے بعد ہی وہ اس سے تفصیل پوچھیں گی اور وہ اس کے لیے مکمل طور پر تیار تھی۔

''اماں کیا سمجھتی ہیں؟ لالہ کی طرح ہر کسی کو بے عزت کر دیں گی، دبا لیں گی۔نہیں ہرگز نہیں، میں لالہ نہیں، اقرا ہوں۔۔۔میں وہی کروں گی جو میرا دل چاہے گا۔'' اس نے دل ہی دل میں کہتے ہوئے خود کو مضبوط کیا تھا۔

☆......☆......☆

سہراب علی خان نے اسے اپنے کمرے میں بلایا تھا۔انہیں کچھ ضروری معاملات اس سے ڈسکس کرنا تھے۔وہ جانتا تھا یہ معاملات کیا تھے۔اور سہراب علی خان کے نزدیک ان کی اہمیت کیا تھی؟ اسی لیے وہ فوراً ان کے کمرے میں پہنچا تھا۔دونوں ہاتھ پشت پر باندھے اِدھر سے اُدھر ٹہلتے وہ بے چینی سے اس کے منتظر تھے۔

''آپ نے بلایا باء جی؟'' کمرے میں آتے ہی وہ مؤدب انداز میں بولا۔باء جی کے قدم رکے۔ضیا علی خان کا سراپا ان کے سامنے تھا۔ایک گہرا جائزہ لیا پھر اسے سامنے والے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود بھی روبرو بیٹھ گئے، یوں کہ نظریں اس کے چہرے کا طواف کرتی رہیں۔

''تمہیں پتا ہے اللہ لوک کی موت کیسے ہوئی۔۔۔؟'' سوال کرتے وقت ان کی چیتے جیسی چمکدار آنکھیں ضیا کی آنکھوں پر جمی تھیں۔وہ اس سوال پر چونکا تھا۔

''آپ نے بتایا تھا باء جی اللہ لوک کی موت نیند میں ہوئی۔'' وہ حیرانی سے بولا۔

''نہیں ضیا۔۔۔'' وہ ضبط سے دونوں ہتھیلیوں سے چہرہ چھپاتے سسک دیے تھے۔

''بلکہ مرتضیٰ زیدی کے ہاتھوں بخشی رسوائی اور بدنامی کی چوٹ نے ہمارے خاندان کے ایک اور فرد کو نگل لیا۔'' وہ بچوں کی طرح

سسک اٹھے تھے اور ضیا اپنی جگہ پر بت بنا رہ گیا تھا۔

''پتا ہے کیا؟'' ہاتھ چہرے سے ہٹاتے ہوئے انہوں نے کہا۔ضیا نے دیکھا ان کا چہرہ۔۔۔آنسوؤں کی شدت سے لال پڑ چکا تھا۔

''انہوں نے مرتے وقت مجھے کہا۔۔۔سہراب بس ایک بار، ایک بار اس خاندان کو بھی ذلیل و رسوا کردو۔میری میت کو سکون مل جائے گا اور میں۔۔۔میں، سہراب علی خان اس بار بھی کچھ نہیں کر سکا ضیا کچھ نہیں۔'' وہ بچوں کی طرح بلک، بلک کر رو رہے تھے۔ضیا مارے ضبط کے لب کاٹنے لگا۔اس میں اتنی ہمت بھی نہیں رہی تھی کہ اٹھ کر باپ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کے دو لفظ تسلی کے بول دیتا۔وہ کچھ دیر انہیں خاموشی سے روتے دیکھتا رہا۔بچپن سے لے کر اب تک کا ہر دن جب اس نے یونہی باپ کو روتے دیکھا تھا،نظروں کے سامنے آ رہا تھا۔

''میں بھی ان کے دامن میں ایسا داغ سجاؤں گا بابا جی کہ وہ بھی ایک، ایک کر کے یونہی اپنے ہاتھوں موت کو گلے لگائیں گے۔'' اس نے اٹھتے ہوئے ایک عزم سے کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔دروازے کے بند ہونے کی آواز سنتے ہی انہوں نے چہرہ اٹھایا،ضیا جا چکا تھا۔

''دوران خان کہتا ہے، ضیا مقصد بھول چکا ہے لیکن ہم تمہیں کیسے بھولنے دے سکتے ہیں ضیا کیونکہ مقصد تو ہمارا ہی ہے بچے۔'' کمینی سی مسکراہٹ نے ان کے ہونٹوں کا احاطہ کیا تھا۔آنسو کہیں غائب تھے۔وہ فون اٹھا کر کسی کا نمبر ملانے لگے۔

☆......☆......☆

شام ڈھل رہی تھی۔رات کا اندھیرا آہستہ، آہستہ روشنی کی آخری کرنوں کو بھی نگل رہا تھا۔وہ سائٹ سے واپس آ رہا تھا۔

اس نے جان بوجھ کر آج گاڑی کے بجائے بائیک کا انتخاب کیا تھا۔اس وقت سڑکوں پر گاڑیوں کا رش بہت بڑھ جاتا تھا۔اکثر ٹریفک جام میں پھنس کے گھنٹے دو گھنٹے ضائع ہو جاتے، آج بھی یہی حال تھا۔روڈ بلاک ہو چکا تھا اور ایک گھنٹے تک رش کم ہونے کا امکان بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔اس نے کچھ دیر گاڑیوں کے درمیان رک کر انتظار کیا پھر کچھ سوچتے ہوئے کسی نہ کسی طرح بائیک وہاں سے نکالتا دائیں طرف جاتی ایک غیر معروف شاہراہ پر لے آیا۔یہ راستہ اب ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا،تبھی اس طرف ٹریفک نہ ہونے کے برابر ہوتی۔مین روڈ پر ٹریفک زیادہ ہونے کی صورت میں اِکّا دُکّا لوگ ہی اس سڑک کا رخ کرتے۔تبھی اس نے بھی اس راستے کا انتخاب کیا تھا۔لیکن پہلا موڑ کاٹتے ہی اسے بائیک روکنا پڑی۔سڑک کے دائیں طرف سفیدے کے درخت سے لگی وہ کار شاید کسی حادثے کا شکار ہوئی تھی۔یوں لگ رہا تھا جیسے ڈرائیور کو موڑ نظر نہیں آیا تھا اور وہ سیدھا لے گیا تھا کار کو۔۔۔کار کا اگلا دروازہ ٹکر سے کھل گیا تھا۔اور لائیٹس ابھی تک جل رہی تھیں۔وہ تیزی سے اس طرف آیا۔ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا لڑکا بے ہوش تھا۔ماتھے کے اوپر بالوں کے نیچے سے خون کی پتلی لکیر اس کی شرٹ تک بھگو چکی تھی۔اس نے تیزی سے اس لڑکے کو پیچھے کیا۔اگنیشن میں چابی موجود تھی۔اس نے ایک دو بار ٹرائی کیا، تیسری کوشش میں گاڑی اسٹارٹ ہو گئی تھی۔اس کے چہرے پر بڑی خوبصورت مسکراہٹ رینگی تھی۔لڑکے کو اٹھا کر پچھلی سیٹ پر لٹایا تو اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھوں میں شناسائی رنگ دینے لگی۔بائیک کو درختوں کے پیچھے چھپا کر اس نے تیزی سے ڈرائیونگ سیٹ

سنبھالی اور تھوڑی دیر بعد ہی ٹوٹے پھوٹے بونٹ والی گاڑی اسپتال کی طرف دوڑتی جا رہی تھی۔ صرف دس منٹ میں وہ اسے اسپتال پہنچا چکا تھا۔ اسے سر پر ہلکی سی چوٹ آئی تھی۔ ڈاکٹر نے پٹی کر دی تھی۔ وہ اس کے کمرے میں آیا تو اسے ہوش آ چکا تھا۔ اسے دیکھتے ہی زخمی کی آنکھوں میں بھی شناسائی جاگی تھی۔

''تم چاہو تو اپنی گاڑی میں گھر جا سکتے ہو۔ ڈاکٹرز کے مطابق تمہاری چوٹ معمولی ہے۔ لیکن تم کسی سخت اسٹریس میں تھے تبھی جلدی ہوش و حواس کھو بیٹھے۔'' اس کا موبائل اور کار کی چابی اس کے سامنے رکھتے ہوئے اس نے بتایا۔ وہ اٹھ بیٹھا۔

''آپ وہی ہیں ناں جنہوں نے چند ماہ قبل بھی میری مدد کی تھی۔ جب میں کہیں جھاڑیوں میں گرا پڑا تھا۔'' اس کے سوال پر وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔

''باریال۔۔۔ باریال ولی خان ہے میرا نام۔۔۔'' اس نے تعارف دیا۔

''واؤ، نام بھی آپ کی طرح بہت خوبصورت ہے۔ میں ضیا۔۔۔ ضیا علی خان۔'' اس نے بھی اپنا تعارف کرایا۔

''ویسے حیرت ہے، میں جب بھی کہیں گرتا ہوں، آپ مجھے سنبھالنے آ جاتے ہیں۔'' وہ اٹھ کر اپنے جوتے پہننے لگا۔ اس کی بات پر اس کے سامنے کھڑا باریال ذرا سا چونکا تھا۔

''گرنے کی اس عادت کو سدھارو، ہو سکتا ہے کبھی میں نہ بچا سکوں۔'' اس نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔ ضیا اٹھ کھڑا ہوا۔

''یہ شاید پھر میری بھی آخری ٹھوکر ہو۔'' ضیا مسکرا دیا۔ اس کے گال کا ڈمپل گہرا ہوا۔ باریال اسے کھوجتی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ یوں جیسے اسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔

''چلیں۔۔۔'' ضیا علی خان نے کہا تو باریال چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

''آپ مجھے یہاں میری گاڑی میں لائے۔ مطلب آپ کی گاڑی وہیں روڈ پر ہو گی، میں آپ کو وہاں تک لفٹ دے سکتا ہوں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے شرارت سے دائیں آنکھ دباتے ہوئے کہا تھا۔

''ہاں شیور۔۔۔'' وہ چپ چاپ اس کے ساتھ چل دیا جبکہ دل ہی دل میں نہ جانے کیوں گھبراہٹ سی ہو رہی تھی۔ ضیا علی خان سے اسے اپنائیت سی محسوس ہوتی لیکن ساتھ ہی کچھ خوف بھی۔۔۔ کوئی انجانا سا خوف۔۔۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ سو سر جھٹک کر اس کے ساتھ چل دیا تھا۔ بائیک تو اسے لینی ہی تھی وہاں سے۔

☆......☆......☆

حمزہ ابھی، ابھی آفس کے لیے نکلا تھا۔ زرینہ بیگم نے اس کے گلی کا موڑ کاٹتے ہی دروازہ سختی سے بند کیا اور تیز تیز قدم اٹھاتی اقرا کے کمرے کی طرف چل دیں۔ کمرے کا دروازہ بھی اچھی طرح بند کر کے انہوں نے اقرا کے اوپر سے چادر کھینچی تھی۔ وہ تو پہلے سے جاگ

رہی تھی اور انگلیوں میں چادر پکڑے لیٹی تھی۔ زرینہ کے یوں چادر کھینچنے پر اس کے لمبے، لمبے ناخن پھنس کے ذرا سا ٹوٹے تھے۔ وہ درد سے بلبلا اٹھی تھی۔

"امی۔۔۔"

"خبردار۔۔۔ خبردار جو مجھے ماں کہا۔" انہوں نے اس کے چلّانے کی پروا کیے بغیر چادر ایک طرف اچھال دی۔ چاروناچارا سے اٹھ کر بیٹھنا پڑا تھا۔

"اب سچ، سچ بتا، یہ آغا کی ماں کیا بک رہی تھی؟" نفرت اور غصے سے ان کی سانس پھولنے لگی تھی۔

"سب بتا تو دیا انہوں نے اور کیا سننا چاہتی ہیں۔" وہ بھی اس دفعہ انہی کے لہجے میں چلّائی تھی۔ وہ تو مارے صدمے کے وہیں بستر پر ہی ڈھے سی گئیں۔ وہ نظریں چرا گئی۔

"پسند کرتی ہوں میں آغا کو اور وہ بھی مجھے۔۔۔ تو اس میں کیا برائی ہے امی۔۔۔" وہ انہیں یوں گم صم دیکھ کر نرمی سے ان کے قریب ہوئی۔

"پھر آپ کو نوکری سے ایشو تھا۔ اب تو شاویز بھائی سے پہلے آغا کی نوکری ہوگئی ہے، گھر بیٹھے اتنا اچھا رشتہ مل گیا میر کے لیے۔ آپ کو تو خوش ہونا چاہیے۔"

"یہ سب لالہ کا کیا دھرا ہے ناں۔۔۔؟" وہ اس کی بات ان سنی کرتے ہوئے تیز لہجے میں بولیں، اقرا کا منہ کھل گیا۔

"اسی نے تجھے مائل کیا ہے ناں اس آغا کی طرف۔۔۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئیں، انداز میں عجیب سی جارحیت تھی۔

"اس دن شام کو تیرے ساتھ آئی تھی، یاد ہے تجھے، سارا دن یہی سکھاتی رہی تھی ناں تجھے۔۔۔"

"امی پلیز۔۔۔!" وہ بھی بیڈ سے نیچے اتر آئی۔

"خدا کا واسطہ ہے لالہ کا پیچھا چھوڑ دیں۔۔۔ ایسا نہ ہو اس کی آہیں آپ کی بیٹی کی زندگی اجیرن بنا دیں۔" وہ ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی۔ زرینہ نے زہرخند نظر اس پر ڈالی۔

"چھوڑ دوں۔۔۔؟" ان کے لہجے میں بھی زہر تھا۔

"اس کی تو میں وہ درگت بناؤں گی کہ لوگ دیکھیں گے لیکن پہلے۔۔۔" وہ ذرا سا رکیں۔

"پہلے میں تیری اور شاویز کی بات پکی کردوں۔ اب میں تجھے اور ڈھیل نہیں دے سکتی۔" ان کا لہجہ قطعی تھا۔ اقرا تاسف سے انہیں دیکھے گئی۔

"میری شادی آغا سے طے کردیں اماں۔۔۔ ورنہ۔۔۔"

''ورنہ کیا۔۔۔؟ ہاں۔۔۔'' انہوں نے غصے سے اسے جھاڑا تھا۔

''یہ بھی آپ دیکھ لیں گی۔'' لب کچلتے، غصے سے کہہ کر وہ پیر پٹختی باہر نکل گئی۔

زرینہ بیگم نے قریب پڑا گلدان اٹھا کر دیوار پر دے مارا تھا۔

☆......☆......☆

احمد انٹر پرائزز سے اس کی میٹنگ شاندار رہی تھی۔ عہدیداران کو نہ صرف اس کے آئیڈیاز بہت پسند آئے تھے بلکہ وہ اس کے پہلے پروجیکٹ میں انویسٹ بھی کرنا چاہ رہے تھے۔ وہ آج بے حد خوش تھا۔ ان کے آفس سے نکلتے ہی اس نے اپنی خوشی دیدے سے شئیر کی تھی۔ ان سے دعائیں وصول کر کے جونہی اس نے کال بند کی، اس کا فون بجنے لگا۔ امن کی کال تھی۔ اس نے فوراً پک کی اور گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

''کیا بات ہے؟ بہت خوش نظر آ رہے ہو۔'' دوسری طرف امن نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''don't tell me، تم یہیں کہیں ہو۔'' وہ خوشگوار حیرت میں مبتلا ہوا تھا۔

''تو۔۔۔؟'' روکھا سا جواب آیا۔

''تو سے مطلب۔۔۔ کہاں ہو یار۔۔۔؟ بتاؤ مجھے۔'' وہ اِدھر اُدھر اسے تلاش کرتے ہوئے بولا۔

''کیوں بتاؤں؟''

''ملنا ہے تم سے اور کیا۔۔۔؟'' باریال مسکرایا۔

''دو دن تمہارے گھر جاتی رہی۔۔۔ تم نے وعدہ جو کیا تھا۔۔۔ وہاں ملے نہیں، اب بھی یہ احسان کرنے کی ضرورت نہیں۔'' وہ ناراض لہجے میں بولی۔

''ہاں تو سوری کروں گا ناں۔۔۔'' وہ فوراً غلطی مان گیا۔

''بس یہی عادت تمہاری بہت اچھی ہے، تم اکڑو نہیں ہو۔'' وہ کھلکھلا دی تھی۔

''ویسے میں تمہارے پیچھے پارکنگ میں ہی کھڑی ہوں۔ آفس کے کام سے آئی تھی۔'' اس نے ہنستے ہوئے بتایا۔ باریال نے مڑ کر پارکنگ ایریا کی طرف دیکھا۔۔۔

سامنے ہی امن نے اسے دیکھتے ہی ہاتھ ہلا دیا۔۔۔ وہ مسکرا کر فون بند کرتا اس کی طرف آ گیا۔

''تم بہت برے ہو باریال۔۔۔'' اس کے پاس آتے ہی وہ منہ بناتے ہوئے بولی۔

''آئی ایم سوری۔۔۔'' اس نے دایاں ہاتھ سینے پر جماتے ہوئے مؤدب انداز میں کہا۔

امن کو وہ بے حد کھلا کھلا لگا، فریش سا۔۔۔خوش سا۔۔۔

''چلو، آج میری طرف سے ٹریٹ۔۔۔'' وہ اسے اشارہ کرتے ہوئے اپنی گاڑی کی طرف آ گیا۔

''وہ کس خوشی میں۔۔۔؟'' وہ بھی اسی طرف آ گئی۔

''آج ایک بہت بڑے انویسٹر سے بات ہوئی ہے میری، ڈیل تقریباً تیار ہے۔'' وہ گاڑی اسٹارٹ کرتا خوشی، خوشی بتانے لگا۔

امن کی آنکھیں نہ جانے کیوں بجھ سی گئیں۔

اس نے فرنٹ ڈور پہلے ہی اس کے لیے کھول دیا تھا۔

"Congrats" کہتے وہ گاڑی میں اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

''شکریہ۔۔۔'' وہ مسکرایا۔

امن خاموش رہی۔

''بتاؤ کہاں چلیں۔۔۔؟'' باریال نے پوچھا۔

''جوس کارنر۔۔۔'' مختصر جواب دے کر وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

باریال نے اس کی خاموشی نوٹ نہیں کی تھی۔ وہ خود میں مگن تھا۔ بے حد خوش۔۔۔

☆......☆......☆

جب سے اللہ لوک کی موت کی خبر آئی تھی، اوزگل بالکل مرجھا کے رہ گئی تھی۔

باء جی صرف دو دن یہاں رہے تھے۔ الیکشن سر پر تھے اور انہوں نے ایک ساتھ کئی ترقیاتی کام شروع کروا دیے تھے اپنے علاقے میں۔۔۔ اس ضمن میں سب سے پہلے کھیتوں میں پختہ نالوں کی تعمیر تھی۔

نہر علاقے میں موجود تھی۔ لیکن صرف خان کی زمین ہی سیراب ہوتی تھیں اور باقی پانی بند کر دیا جاتا۔ عام لوگوں کو بارش کے پانی پر ہی گزارہ کرنا پڑتا۔ کاشتکاری کے لیے۔۔۔ اس کا سب سے بڑا مقصد انہیں مالی طور پر کمزور کرنا اور قرضہ جات کے بوجھ تلے دبانا تھا۔ سارے سال کی محنت کے باوجود وہ صرف اس قدر کما پاتے کہ ایک تو سال آرام سے گزر جاتا اور دوسرے قرضے کا کچھ حصہ واپس کر دیا جاتا۔ لیکن سال کے آخر میں فصل کے لیے بیج، کھاد اور دواؤں جیسے مزید اخراجات کے لیے دوگنا قرضہ لے لیا جاتا۔ اور اس طرح نسل در نسل غلامی منتقل ہوتی رہتی۔

لیکن اب دور بدل گیا تھا۔ علم و آگہی کی روشنی میں نئی نسل غلامی کی زنجیروں کو نہ صرف محسوس کرتی بلکہ ان کے بوجھ سے نکلنے کے راستے بھی تلاش کر سکتی تھی۔ جمہوری نظام نے اور کچھ دیا ہو یا نہ دیا ہو، عام انسان کو سب سے بڑا حق ضرور دیا ہے کہ وہ اپنے حق کے لیے

سوچے اور صحیح فیصلہ کرے۔

نئی نسل میں شعور وآ گہی کا جذبہ تھا اور وہ تجربہ کر بھی سکتے تھے۔اسی لیے سہراب علی خان کو بھی کچھ اصول توڑنے پڑے تھے۔پھر وہ اچھی طرح جانتے تھے صرف الیکشن جیتنے تک ان کو جھکنا تھا ذرا سا۔اس کے بعد وہ بادشاہ تھے۔سو یہ سودا مہنگا نہیں تھا۔اسی لیے صرف دو دن ہی وہاں گزار کے وہ واپس چلے گئے تھے۔

اور اب ایک ہفتہ ہو چکا تھا لیکن اوزگل خود کو نہیں سنبھال پا رہی تھی۔اب بھی مینے اسے تلاش کرتی لان کی طرف آئی تو وہ برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھی رو رہی تھی۔گل مینے ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئی۔

''گل۔۔۔تم پھر رو رہی ہو؟'' گل کے قریب بیٹھتے ہوئے وہ خفا لہجے میں بولی۔

''پتا نہیں کیوں مینے۔۔۔'' اس نے دائیں ہاتھ کی پشت سے اپنے گال صاف کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے لگتا ہے اللہ لوک مری نہیں، ابھی زندہ ہیں۔''

''جب بھی کوئی پیارا مرتا ہے تو ہمیں ایسا ہی لگتا ہے ناں۔۔۔'' مینے نے بہن کو ساتھ لگا لیا۔

''تم نے ہی تو مجھے بتایا تھا گل۔۔۔امی کے مرنے پر بھی تمہیں کئی دن وہ قبر میں زندہ نظر آتی تھیں۔'' وہ اسے یاد دلانے لگی۔

''لیکن وہ صرف خواب تھے مینے۔۔۔یہ احساس ہے۔۔۔جیتا جاگتا احساس۔۔۔'' وہ بے بس لہجے میں بولی۔

''مجھے سچ میں لگتا ہے اللہ لوک کے ساتھ کچھ غلط ہوا ہے۔''

''لیکن کیا گل۔۔۔!'' مینے کندھے اچکاتے ہوئے بولی۔

''ہماری اپنی حویلی میں، اتنے بدرگوں (محافظوں) کی موجودگی میں کچھ غلط کیسے ہو سکتا ہے ان کے ساتھ۔''

''یہی تو مجھے سمجھ نہیں آ رہی۔۔۔'' اس کا لہجہ پھر بھیگنے لگا۔

''لیکن مجھے لگتا ہے وہ مجھے یاد کر رہی ہیں، مجھے پکار رہی ہیں، اللہ لوک۔۔۔کاش میں آپ کو چھوڑ کر یہاں نہ آئی ہوتی۔۔۔کاش۔۔۔'' وہ گھٹنوں میں سر دیے پھوٹ پھوٹ کے رو دی تھی۔گل مینے نے اس کے لرزتے وجود کو ساتھ لگا لیا تھا۔

☆......☆......☆

آہنی دروازہ اتنی زور سے بجا تھا کہ نانو کا کمزور سا دل بے اختیار دھڑ دھڑا گیا تھا۔

''یا اللہ خیر۔۔۔!'' فوراً ہی دل کو سنبھالتی اٹھ بیٹھیں۔گھر پر اس وقت وہ اکیلی تھیں۔برآمدے میں لیٹیں تو نہ جانے کیسے آنکھ لگ گئی۔دروازے کی زوردار آواز نے ایک دم نیند سے جگایا تو مریض دل کانپ، کانپ گیا۔جتنی دیر میں وہ خود کو نارمل کرتی چپل پہنتیں۔۔۔دروازہ مزید زور سے بجایا گیا۔

''صبر کرلو۔۔۔آ رہی ہوں۔''انہوں نے چپل پہنی اور دھیرے دھیرے آ کر دروازہ کھول دیا۔آنے والا بھی مسلسل دستک جاری رکھے ہوئے تھا۔

''زرینہ،تم۔۔۔؟''

''کیا ہے اماں۔۔۔؟''زرینہ کو سامنے دیکھ کران کی تیوری چڑھ گئی۔وہ جھنجلائی ہوئی اندر داخل ہوئیں۔

''اتنی گرمی میں کتنی دیر سے دروازہ بجائے جارہی ہوں۔۔۔سارے مر گئے ہیں کیا جو آپ کو آنا پڑا۔''وہی تلخ کڑوا لہجہ۔۔۔

''استغفار کر بی بی۔''انہیں تو فوراً غصہ آیا۔

''کبھی تو کچھ اچھا بول لیا کر۔۔۔''دروازہ بند کرتیں ان کا انتظار کیے بغیر واپس تخت پر آ بیٹھیں۔

''آپ تو بس مجھے ہی سنانا۔۔۔ان کم بختوں کو کچھ نہ کہنا۔''وہ منہ بناتے ہوئے ماں کے ساتھ ہی بیٹھ گئیں۔

''ہیں کدھر سارے؟''انہوں نے متجسس نظروں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''لالہ گئی ہے یونیورسٹی۔سبین،شاویز کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس گئی ہے۔دل بے وفا ہو رہا ہے اس کا۔''اماں کے لہجے میں دکھ تھا۔

''ہاں تو اس میں کیا انوکھا ہے اماں۔۔۔''وہ مکھی اڑاتے ہوئے بولیں۔

''ہمارے بھائی کو مرے تو سالوں ہو گئے،یہ سخت جان نہ جانے کس کے لیے جیے جارہی ہے۔''انہوں نے سفاکیت کی حد کر دی تھی۔

''شوہر تو تیرا بھی برسوں پہلے چھوڑ گیا۔تو کیا دوسری سیٹ بھی پکی ہے۔''انہوں نے بھی تاک کے نشانہ لگایا تھا،لب خود بخود سل گئے تھے۔

''اور اب خاموش ہو کر بیٹھ،اگر کچھ اچھا بولنے کے لیے نہیں ہے۔''انہوں نے سخت لہجے میں کہتے ہوئے تکیے سے ٹیک لگالی۔

''خیر اماں۔۔۔آئی تو میں ایک اچھے کام سے ہی تھی۔''وہ ان کی ٹانگیں دبانے لگیں۔

''بول۔۔۔''وہ آنکھیں موندے لیٹی رہیں۔

''اماں،اقرا اور شاویز کے لیے آئی ہوں۔''

''لو۔۔۔پھر وہی پرانا قصہ۔۔۔''اماں اس بات پر اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

''تم اچھی طرح جانتی ہو،شاویز اس کے لیے کبھی راضی نہ ہوگا۔''

''تو راضی کرو ناں اماں۔۔۔آپ کے زیر سایہ ہی پرورش پائی ہے،آپ کو انکار کرے گا بھلا؟''وہ منت پر اتر آئیں۔

''بات کیا ہے زرینہ؟''اماں بغور ان کا چہرہ دیکھنے لگیں۔

''گھر کی بات ہے ناں اماں، بڑے اچھے اچھے رشتے آ رہے ہیں اقرا کے۔۔۔لیکن آپ تو جانتی ہو اماں شاویز مجھے کس قدر عزیز ہے۔'' وہ فوراً بات بدل گئیں۔

''ہاں، ہاں یہ مجھ سے زیادہ کون جان سکا ہے؟'' نانو کے لہجے میں فوراً طنز ابھرا۔

''آپ جو اماں ہمیشہ سے مجھے ہی غلط سمجھنا۔'' وہ خفا ہونے لگیں۔

''اچھا میں بات کروں گی شاویز سے۔۔۔لیکن وہ مانے گا نہیں، میں جانتی ہوں۔''

''اس کا مطلب مجھے کچھ اور کرنا پڑے گا۔'' وہ سوچتے ہوئے بولیں۔

''سبین سے بات کرو گی؟'' اماں نے فوراً اس کی سوچ پڑھ لی تھی۔

''کوئی بات تو ہے زرینہ۔۔۔پریشان لگے ہیں آج تو تمہیں۔۔۔'' اماں نے تشویش بھرے لہجے میں کہا۔

''اچھا یہ بتاؤ اماں، بھابھی تو ٹھیک ہیں۔'' اور اماں ان کے اس قدر میٹھے لہجے پر وہ بھی سبین کے لیے۔۔۔ہوش میں رہتیں تو جواب دیتیں ناں۔۔۔

☆......☆......☆

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا۔ جب موبائل پر چیختی رنگ ٹون نے اسے بوکھلا کے رکھ دیا تھا۔ اس نے اٹھ کر فوراً فون چیک کیا۔ کال زمزمہ کی طرف سے کی گئی تھی۔ ایک پل کے ہزارویں حصے میں اس کا دماغ بیدار ہوا تھا۔ پچھلے کئی دنوں سے وہ یونیورسٹی اور بہنوں کے ساتھ اس قدر مصروف رہا تھا کہ زمزمہ کی طرف خیال تک نہیں گیا تھا۔ فون تھوڑی دیر بجنے کے بعد بند ہو گیا تھا۔ اس نے فوراً اسے کال بیک کی۔ نمبر بند تھا، اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ اس نے تیزی سے اٹھتے ہوئے ابراہیم کا نمبر ملایا۔ اس کی توقع کے مطابق وہ ابھی تک جاگ رہا تھا۔ اس نے فوراً کال ریسیو کی تھی۔

''تم یہاں بنگلے پر ہو۔۔۔؟'' ضیا نے تیز لہجے میں پوچھا۔

''نہیں، میں تو آج شاہد کی طرف ہوں۔''

''فوراً خانم کے بنگلے پر پہنچو، شاہد کو بھی ساتھ لے لینا۔'' اس نے کہتے ہی فون بند کر دیا تھا۔ اور دوسرا نمبر ملانے لگا۔ ساتھ، ساتھ وہ شوز بھی پہن رہا تھا۔ بوٹ پہننے کے بعد اس نے سائیڈ ٹیبل پر لگا بٹن دبا دیا تھا۔ سائرن کی تیز آواز کوارٹرز میں گونجی تھی۔ اس نے کھڑکی کا پردہ اٹھا کر دیکھا۔ اس کے بدر گے ہتھیار سنبھالے باہر آ چکے تھے۔

''ہیلو۔۔۔'' کال پک ہوئی تھی، خانم کی کھنکتی آواز ابھری۔

''زمزمہ کہاں ہے؟'' وہ بھاری لہجے میں بولا۔

''آپ نے بھلا دیا سرکار تو نئے گاہک تو ڈھونڈنے پڑتے ہیں، ورنہ آپ جانتے ہیں لاش انسان کی ہو یا حیوان کی گل سڑ کر بدبو دینے لگتی ہے۔اور یہاں بھی سب زندہ لاشیں ہی ہیں سرکار۔۔۔'' وہ کمینگی سے ہنسی تھی۔

''زمزمہ کو اگر کسی نے ہاتھ لگانے کی بھی کوشش کی ناں خانم۔۔۔تو نتیجے کی ذمّہ دار تم خود ہو گی۔'' اس کے لہجے میں نہ جانے کیا تھا۔خانم کے ہاتھ کانپ گئے تھے۔

''میں کچھ لمحوں میں وہاں خود آ رہا ہوں، تب تک زمزمہ تمہاری ذمّے داری ہے اور ہاں مال کی فکر مت کرنا۔''

اسے وارن کرتا وہ نیچے آیا تھا اور کال بند کر کے سیل ڈیش بورڈ پر اچھال دیا تھا۔اس کے گاڑی میں بیٹھتے ہی چاروں بدر گے اندر بیٹھ گئے۔رش ڈرائیونگ کرتا وہ صرف بیس منٹ میں وہاں پہنچا تھا۔ابراہیم اور شاہد اس کے منتظر تھے۔خانم اور زمزمہ بھی ان کے ساتھ تھے۔زمزمہ مسلسل روئے جا رہی تھی۔ضیا فوراً اس کی طرف آیا تھا۔

''تم ٹھیک ہو زمزمہ۔۔۔'' وہ صرف سر ہلا گئی تھی۔

''اسے تم اور دوران فارم ہاؤس پر اماں بی کے حوالے کر کے آؤ گے۔ان سے کہنا اسے وہاں کوئی تکلیف نہ ہو۔'' اس نے ابراہیم کو ہدایت کی۔

''اور خانم یہ میرے آدمی ہیں، انہیں اپنا اکاؤنٹ نمبر بتا دینا۔'' وہ مڑنے لگا۔

تبھی زمزمہ نے پکار لیا۔

''ضیا۔۔۔کیا تم مجھے وہاں چھوڑ سکتے ہو؟'' وہ متذبذب تھی۔

''ابراہیم میرے بھائی کی طرح ہے۔میری طرح ہی سمجھو۔۔۔بے فکر رہو۔'' وہ اسے فکر مند دیکھ کر مسکرایا۔

''مجھے کل ایک بہت پرانا بدلہ چکانا ہے، میرے لیے دعا کرنا۔خدا مجھے کامیاب کرے۔''

''آمین۔۔۔'' زمزمہ نے صدقِ دل سے دعا کی تھی۔

☆......☆......☆

''تم کہاں جا رہی ہو؟'' حمزہ کے ساتھ تیار کھڑی اقرا پر نظر پڑتے ہی زرینہ تلملائی تھیں۔

''کیا ہو گیا ہے امی آپ کو۔۔۔؟ کالج لے کے جا رہا ہوں، نیا سیشن اسٹارٹ ہو گیا ہے۔'' حمزہ نے حیرت سے بتایا۔

''بس بہت ہو گئی پڑھائی۔اب گھر کے کام وام سیکھ لے کافی ہے۔'' انہوں نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

''چلیں بھائی چلیں۔۔۔دیر ہو رہی ہے۔'' اقرا فوراً نقاب درست کرتی باہر نکل گئی۔وہ بھی بائیک نکالنے لگا۔زرینہ گیٹ تک آ گئیں۔

''وقت پہ لینے پہنچ جانا اسے پھر۔۔۔'' حکم دیا اور دروازہ ٹھاہ سے بند۔۔۔

''امی کو کیا ہوا ہے؟'' بائیک اسٹارٹ کرتے ہوئے اس نے حیرت سے پوچھا۔

''کل لالہ کے گھر گئی تھیں۔ وہاں سے آ کر ایسی ہی ہو جاتی ہیں۔'' اقرا نے بیزار لہجے میں جواب دیا۔

''ہم۔۔۔م۔'' حمزہ نے بائیک آگے بڑھا دی تھی۔

☆......☆......☆

''لالہ۔۔۔'' وہ اپنے خیالوں میں مگن ڈیپارٹمنٹ کے پچھلے لان کی طرف جا رہی تھی۔ جب ضیا کی پکار پر ٹھٹک کے رکی تھی۔

''کیا میں تمہارے چند سیکنڈ لے سکتا ہوں؟'' وہ اس کے قریب آ کے رکا۔

وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

''مجھ سے شادی کرو گی لالہ۔۔۔؟'' اور لالہ کی نظران دو یاقوتی لبوں پر ٹھہر سی گئی تھی۔ سحر سا تھا جس نے اسے اپنے حصار میں جکڑا تھا۔ وہ بت بنی رہ گئی تھی۔

''بات صرف چند سیکنڈز کی ہے لالہ۔۔۔ میں نے مہلت بھی چند سیکنڈز کی مانگی ہے۔ مجھے جیون دان کر دو۔ یا میرا سب چھین لو۔۔۔'' کوئی اس طرح اچانک اس قدر خوب صورت انداز میں بھی اسے اپنانے کا کہہ سکتا ہے۔ وہ سن ہو کر رہ گئی تھی۔

وہ سادہ مسکراہٹ والا، جس کی آنکھیں جادو کرنا جانتی تھیں، پل، پل رنگ بدل دیتی تھیں۔ کوئی ان کو جان نہ سکتا تھا، پڑھ نہ سکتا تھا۔ وہ جو دوستی لٹائے رکھنا ایمان مانتی تھیں، دیو مالائی شخصیت جسے چاہتی اپنے سحر کے نور میں جکڑ لیتی، وہ اس کے سامنے ہاتھ پھیلائے کھڑا تھا اور وہ۔۔۔ چاہے جتنی بھی مضبوط ہو، تھی تو لڑکی، نرم جذبات سے گندھی، موم کی گڑیا۔۔۔ ہلکی سی آنچ پہ بھی جو پگھل پگھل جاتی ہے۔

''ماں کی طرح اپنا معاملہ خود ہی نہ سیٹ کر لے تو کہنا۔'' اور اترتے سنہرے رنگ نے ایک دم ہی دھوئیں کا لبادہ اوڑھا تھا۔ دھنک کے سارے رنگ سیاہ رنگ میں غائب ہو گئے تھے۔

''بدکردار ماں کی بیٹی نیک کیسے ہو گی؟''

''خاندان کے منہ پر ایک کالک مل کے نہ چلی گئی تو سبین کی بیٹی نہ ماننا۔۔۔'' اس کے کان کے پردے پھٹنے لگے تھے۔ سامنے کھڑے ضیا کے خوب صورت روپ نے ایک دم ہی کسی چھلاوے کی صورت اپنا لی تھی۔ لمحوں میں اس سے دور جا کھڑا ہوا تھا۔ یا۔۔۔ یا پھر یہ اس کا وہم تھا۔

''لالہ۔۔۔'' اسے یوں خاموش دیکھ کر ضیا نے پکارا۔ وہ چونکی۔۔۔ پھر خود کو مضبوط کرتی وہ دو قدم اس کے قریب آئی۔

''ہم دونوں کے بیچ ذات کا یہ واضح فرق تم کیسے بھول گئے ضیا۔''

''ہم کوشش تو کر سکتے ہیں۔''

''نہیں، ہرگز نہیں۔۔۔میرا کردار ہی میری پونجی ہے، وقت نے جو طے کر رکھا ہے وہ وقت پہ چھوڑ دو ضیا۔۔۔میں تمہارا راستہ ہوں نہ منزل۔۔۔آئندہ میرے راستے میں آنے کی کوشش مت کرنا۔'' قطعی لہجے میں کہتی وہ آگے بڑھنے لگی۔

''لالہ۔۔۔'' ضیا اس کے ہم قدم ہوا۔

''پلیز ضیا۔۔۔عورت کی زندگی میں محبت نہیں، عزت اہم ہوتی ہے۔اور مجھے میری اور میرے خاندان کی عزت بہت عزیز ہے۔''

''دوسروں کی عزت سے کھیلنے والے ایسا کیسے سوچ سکتے ہیں؟'' ضیا کے لبوں سے پھسلا تھا۔آگے بڑھتی لالہ کے قدم جھٹکے سے رکے تھے۔وہ فوراً مڑی تھی۔

ضیا کی آنکھوں کے جلتے رنگ اسے اندر تک خوفزدہ کر گئے تھے۔کچھ تو تھا۔۔۔وہ اس سے مزید بات کیے بِنا تیزی سے ڈیپارٹمنٹ کی طرف بڑھ گئی تھی۔

''اماں صحیح کہتی تھیں۔مجھے یونیورسٹی میں ایڈمیشن نہیں لینا چاہیے تھا۔'' لمبے کاریڈور میں قدم رکھتے ہی اس نے تہیہ کیا تھا کہ وہ گھر جا کر شاویز سے ضیا کا ذکر ضرور کرے گی۔۔۔یا پھر یونیورسٹی ہی نہیں آئے گی۔

اسے خبر بھی نہ تھی۔۔۔قدرت اسے یہ موقع دینے والی تھی یا نہیں۔۔۔

☆......☆......☆

سادگی سے سجا یہ ایک سستے ہوٹل کا کمرا تھا۔یونیفارم پر گلابی دوپٹا اوڑھے وہ سر جھکائے بیڈ پر پیر لٹکائے بیٹھی تھی۔نظریں نیچے زمین پر جمی تھیں۔

سفید ماربل کے میلے، میلے سے فرش پر کئی چہرے، کئی منظر بن اور بگڑ رہے تھے۔

''ہاں گڑیا۔۔۔میں لالہ سے بہت محبت کرتا ہوں۔'' وہ حمزہ تھا۔برآمدے کے ستون سے ٹیک لگائے وہ اس سے بات کر رہا تھا۔

''مجھے پتا ہے تم وہاں اس پھاپھے کٹنی لالہ کے لیے ہی جاتے ہو۔۔۔اور تم کیا شاویز کو ہر وقت بھائی، بھائی کہہ کر چپکی رہتی ہو، لالہ سے ہی سیکھ لو کچھ ناز انداز۔۔۔''

اماں تو بولتی بھی دوغلا تھیں۔۔۔جو بات دوسرے کے لیے طعنہ، اسی کا سبق اسے پڑھاتیں۔

''ہم لڑکیوں کی زندگی کسی کانچ کے برتن کی طرح ہوتی ہے اقرا۔۔۔ساری عمر ڈر لگا رہتا ہے، کہیں کچھ غلط نہ کر بیٹھیں، کوئی کھرونچ نہ پڑ جائے۔۔۔ایک بار اسکریچ پڑ جائے ناں تو ساری عمر بس لوگوں کو وہی داغ نظر آتا ہے۔مرد ہمیشہ پتھر کی طرح ہوتا ہے۔خود داغدار نہیں ہوتا، عورت جیسے شیشے میں پوری دراڑ ڈال دیتا ہے۔'' لالہ کی آنکھیں نم تھیں، اس کی بھی آنکھیں جلنے لگیں۔

''کہیں تمہاری ماں کا کیا تمہارے سامنے نہ آجائے۔'' کبھی لالہ نے اسے کہا تھا۔

''اگر ایسا ہے تو یونہی سہی۔۔۔میں اس کے لیے تیار ہوں لالہ۔۔۔'' کمرے کا واحد دروازہ کھلا اور آغا اندر آیا تھا۔

''اقرا، مولوی صاحب اور میرے دوست آ چکے ہیں، کیا تم واقعی تیار ہو؟ سوچ لو اب بھی وقت ہے۔'' وہ اس کے سامنے دوزانو ہو کے بیٹھ گیا، اقرا نے نم چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

''شاویز میرے بھائی کی طرح ہیں آغا۔۔۔خدا کی قسم اماں اگر ان سے میری شادی کے لیے ضد نہ پکڑتیں تو میں تمہیں کبھی یہ قدم اٹھانے کے لیے نہ کہتی۔'' وہ سسکی۔

وہ ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔

''ٹھیک ہے، تم چہرہ ڈھانپ لو، میں سب کو اندر بلاتا ہوں۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

اقرا نے گلابی گھونگٹ مزید آگے کو کھینچ لیا تھا۔

☆......☆......☆

اور وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔اس کے ساتھ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔اب جبکہ ساری بات طے تھی، سب کچھ مکمل تھا، وہ کاغذات تک بنوا چکا تھا۔اور اب عین وقت پر انویسٹر کو کچھ تحفظات نظر آنے لگے تھے۔انہوں نے عین وقت پر اس کے ساتھ کسی قسم کے معاہدے یا شئیرنگ سے انکار کر دیا تھا۔

اس روز باریال ولی خان جس قدر خوش اس بلڈنگ سے نکلا تھا آج اسی قدر اداس اور ناامید۔۔۔رات ہی تو اس کی بات ہوئی تھی منیجر سے۔۔۔وہ جلد از جلد معاہدہ کرنا چاہتے تھے۔اور پھر آج صبح، یوں اس طرح ایک دم سے سیدھا انکار۔۔۔بے دلی سے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے اس نے فائل پچھلی سیٹ پر اچھالی اور خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔اسٹیئرنگ پر ہاتھ جماتے وہ خالی ذہن کے ساتھ بیٹھا رہا کہ فون کی آواز سن کر چونک پڑا۔

''امن کالنگ۔۔۔اس نے بددلی سے اوکے کیا تھا۔

''باریال۔۔۔وہ میں پوچھنا چاہ رہی تھی کہ کیا تمہارے پراجیکٹ میں تھرڈ پرسن کی جگہ ہے، اکچوئیلی تمہارا پہلا پراجیکٹ ہے ناں۔۔۔تو میں بھی تمہارے ساتھ۔۔۔'' وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔

''فرسٹ انویسٹر نے عین موقع پر جواب دے دیا امن۔۔۔''اس نے اداسی سے بتایا۔

''کیا۔۔۔؟''امن حیرت سے چلاّئی تھی۔

''بعد میں بات کرتا ہوں، بائے۔''اس نے کہہ کر فون آف کر دیا۔اسے ایک مرتبہ پھر ڈپریشن ہونے لگا تھا۔

''دیدے کہتی ہیں بھول جاؤ۔۔۔معاف کر دو۔۔۔یہ دنیا والے بھولنے دیں تب ناں۔۔۔''اس نے اداسی سے سوچتے ہوئے

گاڑی اسٹارٹ کی۔اسے جلد از جلد گھر پہنچنا تھا۔

☆......☆......☆

لالہ جس خاموشی سے اس کی بات سن کر چلی گئی تھی یہ بالکل اس کی توقع کے خلاف تھا۔ضیا نے دیکھا تھا اس کی آنکھوں میں واضح تشویش تھی۔وہ جانتا تھا کہ لالہ کافی شارپ لڑکی تھی اور اس کی آنکھوں سے چھلکتی تشویش بتا دیتی تھی کہ وہ ضیا کا مقصد کچھ، کچھ تو سمجھ ہی گئی تھی۔وہ کچھ بھی کرسکتی تھی۔کوئی بھی ایشو کری ایٹ کرسکتی تھی اور وہ ایسا بالکل بھی نہیں چاہتا تھا۔اس نے فوراً زید کا نمبر ملایا۔

''کہاں ہو زید۔۔؟''

''کینٹین میں، کیوں؟''اس نے جواب دیا۔

''بہروز خان کے گروپ کے ساتھ تصادم۔۔۔یونیورسٹی بند۔۔۔''ضیا نے کہا تو وہ حیرت سے بولا۔

''مطلب۔۔۔''

''یہ خبر کل تک ہر نیوز چینل پر لگ جانی چاہیے۔''

''او کے۔۔۔سمجھ گیا۔''

''اور سنو۔۔۔حالات کچھ اس طرح کے کر دینا کہ بھگدڑ مچ جائے۔''ضیا نے اگلی ہدایت دی۔

''مطلب، ہتھیار؟''

''سمجھدار ہو۔۔۔سنبھال لینا۔''اس نے فون بند کرتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا اور دوسری کال ملانے لگا۔

''جی خان جی۔۔۔''دوران خان نے دوسری بیل پہ ہی کال پک کی تھی۔

''دو گاڑیاں لے کر یونیورسٹی کے گیٹ پر پہنچ جانا۔مزید ہدایات تک میرے فون کا انتظار کرنا''اس نے ہدایات دے کر فون بند کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

یونیورسٹی کے دو سیاسی یوتھ ونگ گروپ میں تصادم چھڑا تھا۔واقعہ اس قدر اچانک ہوا تھا کہ ہر کوئی اپنی موجودہ جگہ پہ پھنس کے رہ گیا تھا۔خاص کر لڑکیوں کی پریشانی کافی زیادہ تھی۔ایک تواتر سے ہوتی فائرنگ اور اوپر سے خوف و ہراس سے لوگوں کا پاگلوں کی طرح دوڑنا، سیکورٹی کو کنٹرول کرنے میں مشکلات پیش آنے لگی تھیں۔

''ڈیپارٹمنٹ کے پچھلے حصے سے نکلو۔۔۔''شاہد نے کاریڈور میں جمع سب لڑکیوں کو ہدایت کی۔وہ پاگلوں کی طرح بھاگیں۔ان میں ایک لالہ بھی تھی۔کاریڈور کی سیڑھیاں اترتے کسی نے آخری اسٹیپ پہ اسے ہلکا سا دھکا دیا تھا اور وہ گھٹنوں کے بل گری تھی۔ساری

لڑکیاں تیزی سے بھاگ کے اس سے دور ہوتی گئی تھیں۔ وہ گھٹنے سہلاتی اٹھی۔ درد کی تیز لہر نے اسے سسکاری بھرنے پر مجبور کر دیا۔ لیکن کسی طرح وہ باہر آنے میں کامیاب ہوگئی۔ تبھی ایک سلیٹی رنگ کی کار اس کے سامنے رکی تھی۔

''لالہ۔۔۔اندر بیٹھو جلدی۔۔۔'' وہ ضیا تھا۔ لالہ دو قدم پیچھے ہوئی تھی۔ تبھی فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ آواز کہیں قریب ہی تھی۔

''ایزیوش۔۔۔''اس نے کندھے اچکاتے ہوئے گئیر بدلا۔

''ضیا، رکو۔۔۔'' تیزی سے اسے آواز دیتی وہ اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اس نے ایک فراٹے سے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

 

ناول ''محبت لفظ ہے لیکن'' ابھی جاری ہے۔ اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی 10 تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

قسط نمبر 8

''ماں باپ کے سامنے بہت سوچ سمجھ کر بولا کرو کیوں کہ کبھی کبھی ان کے سامنے بولا گیا کوئی بھی برا یا اچھا کلام ہماری پوری قسمت پہ حاوی ہو جاتا ہے۔''

کیونکہ وہ یونیورسٹی کی پچھلی سائیڈ سے نکلے تھے۔۔۔تو یہ راستہ انہیں کافی لمبا پڑا تھا۔ یہ راستہ جنگل کے بالکل درمیان سے ہو کر نکلتا تھا۔ بارشوں کے بعد جگہ جگہ خودرو پودوں کی وجہ سے رک جانے والے پانی کی وجہ سے کافی خراب بھی ہو رہا تھا کیونکہ اس طرف زیادہ ٹریفک نہیں ہوتی تھی۔ صرف کالج، یونیورسٹی کے بچے اور فارسٹ ڈیپارٹمنٹ کے لوگ ہی اس طرف آتے تھے۔ انہیں ڈرائیو کرتے آدھا گھنٹا ہو چلا تھا لیکن اب بھی دونوں اطراف کے درختوں کے جھنڈ ویسے ہی گھنے تھے۔ آبادی کے آثار ہی نہیں تھے۔ ضیا بھی اس وقت سے مسلسل خاموش تھا۔ لالہ نے نوٹ کیا تھا۔ وہ مضطرب سا تھا، اس کی آنکھیں اسکرین پر جمی تھیں۔ لیکن لالہ صاف محسوس کر رہی تھی وہ کسی گہری سوچ میں تھا۔ نچلا ہونٹ مسلسل دانتوں سے کاٹتا وہ اسے بھی پریشان کر رہا تھا۔ اور پھر اس سے پہلے کہ وہ اس سے کچھ پوچھتی، اس نے کسی کو درختوں کے جھنڈ سے باہر آتے اور پھر لفٹ کے لیے ہاتھ کھڑا کرتے دیکھا تھا۔ ضیا نے اس شخص کے قریب جاتے ہی گاڑی روک دی۔

''سر۔۔۔ میری بائیک خراب ہو گئی ہے۔'' اس نے درختوں کے قریب کھڑی بائیک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''پلیز شہر تک اگر مجھے لفٹ دے دیں۔'' وہ اس سے درخواست کر رہا تھا۔

''شیور۔۔۔! ضیا کے چہرے پر وہی خوب صورت دوستانہ مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

''میں بیگ لے لوں۔۔۔'' وہ شکریہ ادا کرتا بائیک کی طرف بڑھ گیا۔

''لالہ تم پیچھے چلی جاؤ، آج کل حالات خراب ہیں، کسی کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ اس کے پاس اگر گن ہوئی تو پیچھے سے یہ ہمیں آسانی سے کور کر سکتا ہے۔ لیکن میرے ساتھ بیٹھ کر اگر ایسی کوئی حرکت کرے گا بھی تو خود بھگتے گا۔'' ضیا نے سامنے لڑکے پہ نظر رکھتے ہوئے لالہ کو ہدایت کی۔ وہ سر ہلاتی فوراً نیچے اتر کر پچھلی سیٹ پر جا بیٹھی۔ چند لمحوں بعد ہی وہ لڑکا بیگ اٹھائے فرنٹ سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا، ضیا نے اس کے بیٹھتے ہی گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔ لالہ کی جانچتی نگاہیں ابھی تک اس لڑکے کے چہرے پر جمی تھیں۔ وہ دروازے سے ہٹ کر بیٹھی تھی۔ تقریباً بیچ میں اور اس سے پہلے کہ ضیا گاڑی آگے بڑھاتا، بالکل اچانک پچھلے دونوں دروازے ایک جھٹکے سے کھلے تھے۔ اور دو گن مین لالہ کے پہلوؤں میں سیٹ سنبھال گئے۔ لالہ کا دل دھک سے ہوا تھا۔

''ضیا۔۔۔''خوف کی شدت سے اس کے لب جڑ گئے تھے۔وہ چاہ کر بھی ضیا کو نہ پکار سکی تھی۔ایک نے پسٹل کی نوک اس کی کنپٹی سے لگادی تھی۔

''گاڑی آگے بڑھاؤ۔''لب کاٹتے ضیا نے گاڑی آگے بڑھادی تھی۔

''اسے بے ہوش کردو۔''سامنے بیٹھے لڑکے نے لالہ کے دائیں طرف بیٹھے آدمی کو حکم دیا تھا۔

''نہیں،چھوڑو مجھے۔''وہ اس کا اشارہ سمجھتے ہی چلاّئی تھی۔ساتھ بیٹھے تنومند شخص نے کلوروفارم سے بھیگا رومال اس کے چہرے سے لگادیا تھا،وہ چڑیا کی طرح پھڑ پھڑا کے رہ گئی تھی۔اسے صرف چند سیکنڈ لگے تھے ساکت ہونے میں۔اس کے بے ہوش ہوتے ہی سب نے پستول واپس رکھ لی تھی۔

''کہاں لے کے جائیں گے اسے خان؟''ساتھ بیٹھے لڑکے نے ضیا سے پوچھا۔

''فارم ہاؤس۔''اس نے لب کچلتے ہوئے سخت لہجے میں جواب دیا تھا۔وہ سر ہلا گیا تھا۔

☆......☆......☆

شام ڈھلنے لگی تھی اور اقرا ابھی تک کالج سے نہیں لوٹی تھی۔زرینہ بیگم کی تو سانس پھولنے لگی تھی۔حمزہ بھی دو بار پوچھ چکا تھا۔انہوں نے کسی دوست کا نام لے کر اسے تو ٹال دیا تھا لیکن خود ان کا دل بیٹھا جارہا تھا۔حمزہ آج بھی وقت پر اسے لینے کالج پہنچ گیا تھا لیکن وہاں جاکے اسے پتا چلا کہ آج فیئر ویل پارٹی تھی اور بچیاں جلد ہی واپس گھر چلی گئی تھیں۔اس نے سوچا اقرا بھی کسی دوست کے ساتھ چلی گئی ہوگی۔گھر آکے اس نے یہی بات ماں کو بتاتے ہوئے جب پوچھا کہ اسے کالج سے اکیلے آنے میں پریشانی تو نہیں ہوئی تو زرینہ کو سانس رکتی محسوس ہوئی۔انہوں نے حمزہ کو فی الحال تو بہانہ کرکے ٹال دیا تھا لیکن اب واقعی پریشان تھیں۔انہیں لگا تھا کہ اقرا کسی دوست کے ساتھ گئی ہو یا آغا سے ہی ملنے گئی ہوگی تو بھی شام تک گھر لوٹ آئے گی لیکن شام کے سائے بھی گہرے ہونے لگے تھے۔وہ ابھی تک نہیں لوٹی تھی۔حمزہ مغرب کی نماز کے لیے نکل گیا تھا۔

''اماں کی طرف نہ گئی ہو۔''خیال آتے ہی جیسے ڈھارس سی ملی دل کو۔انہوں نے فوراً نمبر ملایا۔

''ہیلو۔۔۔''فون سبین نے اٹھایا تھا۔

''بھابھی میں ہوں زرینہ۔۔۔اقرا آئی ہے آپ کی طرف۔۔۔؟''انہوں نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

''کیا۔۔۔؟اقرا ابھی تک گھر نہیں آئی؟''پتا نہیں کیوں زرینہ کو لگا ان کی طرح سبین کا لہجہ بھی پریشان سا تھا۔

''اقرا بھی مطلب۔۔۔؟''انہوں نے رکتے دم سے پوچھا تھا۔

''زرینہ آپا۔۔۔لالہ بھی ابھی تک گھر نہیں لوٹی۔۔۔''ان کی پریشان آواز نے ایک دم ہی انہیں شانت کردیا تھا۔تسلی سی ہوئی

تھی کہ اقرا ضرور لالہ کے ہی ساتھ تھی۔ اگلے ہی پل پچھلی ساری پریشانی لہجے سے زائل تھی۔

''اور دو آزادی۔۔۔لڑکی ذات کو کھلی چھوٹ دے رکھی ہے۔ ارے اپنی لڑکی کی تو تربیت ہی ایسی ہے۔ اوپر سے اسے کھلا چھوڑ رکھا ہے۔ میری اقرا کو بھی ساتھ چمٹائے رکھتی ہے۔ سنا تھا، ایک گندی مچھلی سارے تالاب کو گندا کرتی ہے۔ زندگی میں دیکھ بھی لیا، ہائے میرا مرحوم بھائی۔۔۔'' وہ بولنے پر آئیں تو رکنا ہی بھول گئیں، سبین چپ چاپ سنے گئیں۔

''بتائے دیتی ہوں، لالہ کے چکر میں میری اقرا کے ساتھ کچھ ایسا ویسا ہوا۔۔۔تو چھوڑوں گی نہیں کسی کو۔'' کچھ انسان بھی کتنا زہر اگلتے ہیں ناں۔۔۔سبین کے وجود پر موت طاری ہونے لگی تھی۔ تبھی زور، زور سے گلی کا دروازہ بجا تھا۔

''لگتا ہے آ گئیں دونوں ایک مرتبہ پھر آوارہ گردیاں کر کے۔'' انہوں نے تلخ لہجے میں کہا اور فون رکھنے لگیں۔

''زرینہ آپا۔۔۔پلیز فون بند نہ کریں۔ لالہ ہو تو بات کروا دیں میری۔'' انہوں نے التجا کی۔ دروازہ دوبارہ کھٹکھٹایا گیا۔

''ہم۔۔۔'' انہوں نے منہ بناتے ہوئے فون ہولڈ پر رکھا۔ اور باہر آ کر دروازہ کھولا۔ باہر صرف اقرا تھی۔ اقرا کو صحیح سلامت دیکھ کر ان کی جان میں جان آئی تھی۔

''لالہ کے ساتھ تھیں تم؟'' اس سے اندر قدم رکھتے ہی انہوں نے سخت لہجے میں پوچھا۔

''نہیں۔'' اپنے کمرے کی طرف جاتی اقرا ان کی آواز پر رکتے ہوئے بولی تھی لیکن مڑی نہ تھی۔

''آغا کے ساتھ تھی میں۔'' بدلحاظی سے کہتی ماں کو وہیں گنگ چھوڑ کر وہ سیدھا کمرے میں چلی گئی اور اندر سے کنڈی لگا دی۔ زرینہ بیگم کا سارا اطمینان پل میں ہوا ہُوا تھا۔

''تو سارا دن کیا وہیں اس لوفر کے ساتھ رہی تھی۔ اور اگر وہ آغا کے ساتھ تھی تو لالہ۔۔۔؟ ہو گی اپنے کسی یار کے ساتھ۔۔۔سبین کی بیٹی ہے۔'' پریشان ہوتے ہوئے ازلی نفرت عود کر سوچوں میں لوٹی تھی۔ فون تک آتے آتے وہ خود کو اقرا کی پریشانی سے کچھ سنبھال چکی تھیں۔

''اقرا آ گئی ہے گھر۔۔۔دوستوں کی طرف تھی۔ لالہ نہیں ہے اس کے ساتھ۔'' انہوں نے منتظر سبین کو اطلاع دی تھی۔

''ایک آدھ گھنٹے تک آتی ہے تو ٹھیک ورنہ مجھے بھی ضرور بتانا۔ حمزہ ہے ناں، کافی تعلقات ہیں، ڈھونڈ لے گا اسے۔''

''رکھتی ہوں آپا۔'' سبین نے نم لہجے میں کہتے ہوئے کال کاٹ دی تھی۔

شام سے رات اور پھر رات سے آدھی رات ہو چلی تھی۔ لالہ گھر نہیں آئی تھی۔ اس کا فون بھی بند تھا۔ یونیورسٹی میں اس کی کوئی دوست نہیں تھی سوائے نمرہ کے۔ نمرہ کے علاوہ کسی کا ایڈریس ان کے پاس نہیں تھا۔ نہ ہی فون نمبر۔۔۔نمرہ نے کہا تھا کہ وہ یونیورسٹی میں اس سے ملی ضرور تھی لیکن ہنگامے کے بعد وہ بھی کافی مشکل سے وہاں سے نکلی۔ اسے لالہ کی خبر نہیں تھی۔ کچھ دوسری لڑکیوں سے نمرہ نے پتا کیا تھا۔ وہ بھی بے خبر تھیں۔ نمرہ نے معذرت کرتے ہوئے انہیں پولیس اسٹیشن جانے کا مشورہ دیا تھا۔ شاویز تو چکرا کے رہ گیا۔ اس کا جسم

جیسے بے جان ہو رہا تھا۔ سبین اور نانو کا رو، رو کر برا حال تھا۔ زرینہ بیگم کو بھی اطلاع کر دی گئی تھی۔ حمزہ اور اقرا کے ساتھ وہ دوڑی چلی آئی تھیں۔ مشکل کی اس گھڑی میں باریال بھی شاویز کے ساتھ تھا۔

''ہوسکتا ہے یار، کسی نے یونی کی ہنگامی صورتِ حال کا فائدہ اٹھایا ہو۔ آئی مین کسی وڈیرے نے۔'' باریال اب دوسری نہج پر سوچنے لگا تھا۔

''مطلب۔۔۔؟'' شاویز نے الجھی نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ اور باریال اس وقت نمرہ کے گھر سے کچھ دور سڑک کنارے اسٹریٹ لائٹ کے نیچے کھڑے تھے۔

''مطلب یہ اغوا وغیرہ کا کیس ہو؟'' اس نے خیال ظاہر کیا۔

''اللہ نہ کرے یار۔۔۔'' اس کا دل ڈوب سا گیا۔

''تو۔۔۔ کہیں لالہ خود تو کہیں انٹرسٹڈ نہیں تھی؟'' نہ جانے کیوں اسے خود اپنے لفظوں پر شرمندگی سی ہوئی۔

''نہیں یار۔۔۔ لالہ ایسی نہیں ہے۔'' شاویز سر جھٹکتے ہوئے بائیک کی طرف بڑھ گیا۔

''میرے خیال میں ہمیں پولیس کے پاس چلے جانا چاہیے۔'' اس نے بے بس لہجے میں کہا تھا۔

''لڑکی کا معاملہ ہے شاویز۔۔۔ یہاں کی پولیس کا حال تو تم اچھی طرح جانتے ہو۔۔۔ مجرموں سے پہلے گھر والوں کی وہ پیشی لگائیں گے کہ۔۔۔'' باریال کچھ سوچتے ہوئے بولا تھا۔

''میرے خیال میں کل پرسوں تک خود کوشش کر کے دیکھ لیتے ہیں۔'' اس کی بات میں وزن تھا۔ وہ سر ہلا گیا۔ اور تاریخ کی یہ ایک تلخ حقیقت ہے۔ جہاں انصاف نہ ہو وہاں مجرم نہیں، متاثرین قانون سے ڈرتے ہیں۔

☆......☆......☆

وہ واقعی بے حد ذہین اور دماغی طور پر مضبوط تھی۔ تبھی فارم ہاؤس تک پہنچتے پہنچتے اس کا نشہ دم توڑنے لگا تھا۔ وہ نشے کی حالت میں بھی خود کو بار بار جگانے اور ذہن کو بیدار کرنے کی کوشش کرتی رہی تھی۔ گاڑی فارم ہاؤس میں داخل ہوتے ہی دوران خان اور دوسرے چند پرانے گارڈز دوڑتے چلے آئے تھے۔ وہ اتر چکا تھا۔

''ابراہیم اس لڑکی کو لے آیا تھا؟''

''جی خان۔۔۔ اسے آپ کی ہدایت پر رہائشی حصے میں رکھا ہے۔'' اس کی بات پر ضیا اطمینان سے سر ہلا گیا۔

''اچھا اس لڑکی کو مہمان خانے کی طرف لے جاؤ۔۔۔ کمرا تو سیٹ کروا دیا تھا ناں۔۔۔؟'' اس نے ہدایت دیتے ہوئے پوچھا۔

''جی خان۔۔۔ سارا انتظام کر دیا ہے۔''

''اور ہاں۔۔۔تم سب لوگ جومری میں میرے ساتھ تھے، لالہ کے سامنے نہیں جاؤ گے۔جب تک میں نہ کہوں، اسے پتا نہیں چلنا چاہیے کہ اسے یہاں لانے میں میرا ہاتھ ہے۔'' وہ رہائش گاہ کی طرف جانے والی پگڈنڈی پہ قدم رکھتے ہوئے بولا۔ دوران سر ہلا گیا۔۔۔تبھی ضیا کے فون پہ میسج ٹون بجی تھی۔اس نے چلتے، چلتے ہاتھ ہلا کر دوران کو جانے کا اشارہ کیا اور آگے بڑھتا میسج بھی اوپن کر دیا۔

''ضیا، لالہ ہے تمہارے ساتھ؟'' نمرہ کا میسج تھا۔اس کے لب خود بخود بھنچ سے گئے تھے۔

''نہیں تو۔۔۔میں تو گاؤں نکل آیا ہوں آج ہنگامے کے بعد۔۔۔کیوں خیریت تو ہے ناں؟'' اس نے صاف مکرتے ہوئے ٹائپ کیا تھا۔

''ہاں بس لالہ ابھی تک گھر نہیں پہنچی تو۔۔۔خیر پھر بات ہوگی۔ٹیک کیئر۔'' نمرہ نے جیسے جان چھڑائی تھی۔اس نے بھی فون آف کر کے جیب میں ڈال لیا تھا۔

اندرونی دروازے میں قدم رکھتے ہی گلابی سا سراپا لیے زمزمہ اسے تیزی سے سیڑھیاں اترتی دکھائی دی تھی۔اس کے چہرے پر پریشانی رقم تھی۔ضیا رک گیا تھا۔

''ضیا۔۔۔'' وہ فوراً اسے پکارتی اس کی طرف آئی تھی۔

''میں نے ابھی کھڑکی سے دیکھا۔تمہارے آدمی پچھلی طرف کسی لڑکی کو زبردستی لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔''

''لڑکی۔۔۔اور میرے آدمی۔۔۔'' اس نے انجان بنتے ہوئے کندھے اچکائے۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں۔۔۔میں نے ابھی خود دیکھا۔پچھلی طرف۔۔۔لان میں۔'' وہ سخت خوفزدہ تھی۔

''تم یہاں محفوظ تو ہوناں۔۔۔؟'' ضیا نے لمبی سانس لے کر خود کو کمپوز کیا اور اس کے قریب آ کے پوچھا۔

''ہاں۔۔۔لیکن۔۔۔؟'' زمزمہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے حیرت سے بولی۔جیسے اس کا سوال نہیں سمجھ پا رہی ہو۔

''بس تو بے فکر ہو جاؤ۔۔۔ضیا کے حکم کے بغیر اس چار دیواری کے اندر کوئی کسی کو انگلی بھی نہیں لگا سکتا۔'' وہ مسکرایا۔

''لیکن ضیا۔۔۔وہ لڑکی خود کو چھڑانے کی مسلسل کوشش کر رہی تھی۔''

''میں سخت تھکا ہوا ہوں۔۔۔جاؤ آرام کرو زمزمہ۔۔۔اور مجھے بھی آرام کرنے دو۔ملازموں میں سے کسی کی بیٹی، بیوی ہوگی۔ یہ لوگ اپنی عورتوں سے ایسے ہی سلوک کرتے ہیں۔میں کل دیکھ لوں گا۔'' اس نے زمزمہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا تھا۔

زمزمہ نے اس بار کچھ نہیں کہا۔۔۔خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ضیا کچھ دیر اسے سیڑھیاں چڑھتا دیکھتا رہا۔ پھر خود بھی لب کچلتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

آدھی رات کے قریب وہ گھر لوٹا تھا۔سبھی نفوس اس کے انتظار میں صحن میں ہی جمع تھے۔نانو جائے نماز بچھائے، آنسو بہاتی مسلسل تسبیح کے دانے گرانے میں مصروف تھیں۔سبین پلر سے ٹیک لگائے بے جان وجود لیے زیرِلب دعا میں۔۔۔تو حمزہ اور اقرا کی حالت بھی ان سے کم نہ تھی۔حمزہ کو تو خبر بھی کافی دیر سے پہنچی تھی پھر شاویز کا فون مسلسل بزی ہی ملا تھا۔اس کی تو جان سولی پہ لٹکی تھی۔شاویز کو دیکھتے ہی سب تیزی سے اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

''کچھ پتا چلا؟''حمزہ نے بے قراری سے پوچھا۔

''جتنے دوستوں کا پتا تھا سب سے پوچھ لیا۔۔۔ہاسٹل بھی پتا کر آئے۔لیکن لالہ کے بارے میں کسی کو بھی کوئی پتا نہیں۔۔۔'' مایوسی سے کہتا وہ چارپائی پر بیٹھ گیا۔

''میں اسپتالوں میں چیک کرتا ہوں۔خدانخواستہ کہیں کوئی حادثہ نہ ہوگیا ہو اس کے ساتھ۔''حمزہ نے کہا۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔میں بھی چلتا ہوں تمہارے ساتھ۔''شاویز فوراً اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''بار، بار کہتی رہی ،لڑکی ذات کو اتنی چھوٹ نہ دو۔لیکن نہ۔۔۔میری یہاں سنتا ہی کون ہے۔۔۔زرینہ تو ہے ہی بری۔۔۔''ان کے گھر سے نکلتے ہی زرینہ نے زور سے ہتھڑ سینے پر مارتے ہوئے دہائی دی تھی۔

''امی پلیز۔۔۔کچھ تو موقع دیکھ لیا کریں۔۔۔''اقرا نے مسلسل روتی سبین مامی اور نانو کی طرف دیکھتے ہوئے خفیف لہجے میں کہا۔

''او بی بی کیسا موقع؟''زرینہ تو اور ہی ہتھے سے اکھڑ گئیں۔

''اسی موقع سے بچنے کے لیے ہی کہتی تھی۔۔۔میری بات پہ عمل کیا ہوتا تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔۔۔ہائے میرے مرحوم بھائی کی روح تک کو ننگا کر گئی بے غیرت۔۔۔''

''زرینہ۔۔۔''اماں کے صبر کا پیمانہ چھلکا تو چلّا اٹھیں۔

''کیا اماں۔۔۔؟اب بھی تم لوگ بچے بنو تو شاباش ہے اماں۔۔۔یوں دن دیہاڑے اچانک غائب ہوگئی لالہ۔۔۔کیا لگتا ہے آپ کو، جن اٹھالے گیا اسے۔۔۔سیدھی بات ہے اماں۔۔۔چن لیا ہوگا سبین کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے کوئی ساتھی۔۔۔لات مار گئی آپ کی چوکھٹ کو۔''زرینہ کب کسی کا لحاظ رکھتی تھیں جو اس موقع پر خاموش رہتیں۔

''حد ہوتی ہے زرینہ۔۔۔''اماں کا ضعیف لہجہ کپکپا سا گیا تھا۔

''کیسی بہن ہے تو۔۔۔؟ تیرے مرحوم بھائی کی بیٹی مشکل میں ہے۔ہم سب اس قدر پریشان ہیں اور تو۔۔۔اب بھی مرہم رکھنے کی بجائے نمک چھڑک رہی ہے ہمارے زخموں پر۔''

''میں تو صرف سچ کہتی ہوں اماں۔۔۔''انہوں نے تنفر سے نتھنے پھلائے۔

''اور پہلے کب اچھی لگی ہوں میں آپ کو۔۔۔ جو آج اچھی لگوں گی۔ آپ کے لیے تو ہمیشہ بھائی، بھابھی اور ان کی اولاد ہی مقدم رہی۔ آپ کا بس چلے تو لالہ کے کرتوت بھی اقرا پہ تھوپ دیں۔''

''استغفار۔۔۔'' اماں کا دل دہل گیا۔ اقرا لب کترنے لگی۔

''اللہ سے ڈرو زرینہ۔۔۔ دکھی دل کو اور نہ دکھا۔'' اماں ہاتھ جوڑے پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

''حد ہوتی ہے امی۔۔۔!اقرا غصے سے ماں کو گھورتی نانو کو سنبھالنے لگی۔ چپ چاپ آنسو بہاتی سیمن پلر سے سہارا لیے زمین پر بیٹھتی چلی گئیں۔

''یا اللہ میری لالہ کی حفاظت فرما۔۔۔'' اماں نے روتے، روتے دعا کی تھی۔

''ہم۔۔۔ میری لالہ۔۔۔ منہ پہ کالک مل کر چلی گئی۔ لیکن ذرا جو کسی کو پرواہو۔۔۔ پتا نہیں کس کے ساتھ ہو گی اس وقت بے غیرت لڑکی۔'' زرینہ مسلسل بڑبڑاتی رہیں۔

☆......☆......☆

ہراساں نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے اس نے اس جگہ کو پہچاننے کی کوشش کی تھی، لیکن وہ جگہ اجنبی تھی۔ چوکور کشادہ کمرے میں تین اطراف کھلی کھڑکیاں تھیں۔ جن کے سامنے لوہے کی مضبوط گرل لگی تھی۔ اور آگے دبیز پردے گرے تھے۔ مرے، مرے وجود کو گھسیٹتی کھڑکی تک آئی تھی۔ باہر رات پھیل چکی تھی۔ اس کے کمرے سے کافی دور تک لال پکی اینٹوں کا فرش اور اس کے آگے گھنے درختوں کا سلسلہ تھا۔ پردہ چھوڑ کے وہ گرنے کے سے انداز میں وہیں ننگے فرش پر بیٹھ گئی۔ آنکھوں سے بہتے آنسو کچھ دیر میں ہی اس کے گال جلانے لگے تھے۔

''یہ کیا ہو گیا۔۔۔؟ کون لوگ ہیں یہ؟'' کتنی ہی دیر تک بے جان سی آنسو بہانے کے بعد کہیں وہ کچھ سوچنے کے قابل ہوئی تھی۔

''ضیا۔۔۔ ضیا بھی تو میرے ساتھ تھا۔'' وہ یاد کرنے کی کوشش کرنے لگی تھی۔ اور اسے ذہن پر زور دینے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ ہوش اور بے ہوشی کی درمیانی کیفیت سے جنگ لڑتے ہوئے وہ مسلسل اپنے اردگرد کو محسوس کرنے، سننے کی لاشعوری کوشش کرتی رہی تھی۔ اور لاشعور بتا رہا تھا کہ ضیا ان سے ان کی زبان میں ہی بات کرتا رہا تھا۔۔۔ ضیا کے لہجے کی شناسائی بھی اسے محسوس ہوئی تھی۔

''کون ہے یہ لڑکا۔۔۔ کیا چاہتا ہے مجھ سے۔'' وہ بے بسی سے کہتی پھوٹ، پھوٹ کر رو دی تھی۔

☆......☆......☆

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا جب اس کی آنکھ کھلی تھی۔ آنکھ کھلتے ہی سب سے پہلا احساس شدید ٹھنڈک کا تھا۔ موت کی سی سردی کا۔۔۔ اس قدر شدید گرمی کے موسم میں رگ، رگ جماتی ٹھنڈک۔۔۔ وہ حیران سا اٹھ بیٹھا تھا۔ اگلے ہی لمحے اسے حیرت کا شدید

جھٹکا لگا تھا۔۔۔اس نے کیا دیکھا تھا۔ وہ برف پوش چوٹی پر برہنہ بیٹھا تھا۔ بے اختیار اس نے دونوں بازو پھیلا کر خود کو ڈھانپنے کی کوشش کی تھی۔ اسی وقت عجیب سی گڑگڑاہٹ ہوئی تھی۔ جس زمین پر وہ بیٹھا تھا ذرا سی لرزی تھی پھر سکوت طاری ہو گیا تھا۔ تبھی سامنے اسے کسی کا سر دکھائی دیا تھا۔ وہ اس سے چند سال بڑا تھا۔ وہ اس سردی میں اتنی اونچائی پر نہ جانے کیا کرنے آیا تھا۔ اوپر آتے ہی اسے دیکھ کر اس کی خوبصورت ذہین آنکھوں میں پہلے حیرت ابھری تھی اور پھر فکر۔۔۔

''سنو، اس طرف آ جاؤ۔۔۔ برف کا وہ ٹکڑا پہاڑ سے الگ ہونے والا ہے۔'' اس کی بات پر ضیا نے بے اختیار سامنے نیچے دیکھا تھا، برف کے درمیان واقعی دراڑ پڑ چکی تھی۔ وہ اپنا برہنہ پن بھول کر فوراً آگے کو ہوا تھا۔ سامنے کھڑے لڑکے نے اپنی بڑی سی شال اس پر اچھال دی تھی۔ اس کا برہنہ بدن ڈھک گیا تھا۔ تبھی گڑگڑاہٹ زور سے شروع ہوئی تھی۔

''جلدی کرو۔۔۔ ورنہ نیچے گر جاؤ گے۔۔۔'' سامنے والا لڑکا چلّایا تھا۔ اس نے کودنے کی کوشش کی تھی لیکن بے سود۔۔۔ برف کا وہ حصہ چوٹی سے جدا ہو گیا تھا۔ وہ نیچے گرتا چلا گیا۔ ٹھنڈی ہوا سے اس کا جسم چٹخنے لگا تھا۔ درد بے حساب تھا، وہ بری طرح ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا تھا۔

کمرے میں زیرو بلب کی ہلکی روشنی تھی۔ اے سی آن تھا۔ ٹھنڈک تھی پھر بھی اس کا جسم پسینے سے شرابور ہو رہا تھا۔

''وہ لڑکا۔۔۔'' اسے یاد آیا خواب میں آنے والا لڑکا وہی تھا جس نے کئی موقعوں پر اس کی مدد کی تھی۔

''تم ہمیشہ گرتے ہو۔۔۔ اور میں سنبھال لیتا ہوں۔۔۔ دھیان رہے یار۔۔۔ کئی بار ہم اتنا گر جاتے ہیں کہ کوئی ہمیں سنبھال نہیں سکتا۔۔۔ تم بھی یہ بات یاد رکھنا۔ ضروری نہیں ہمیشہ تم گرو اور میں سنبھال سکوں۔۔۔'' باریال ولی خان کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجے تھے۔ وہ بے آرام سا دونوں ہاتھوں سے اپنے بال جکڑ گیا تھا۔

☆......☆......☆

ایک رات، ایک دن گزر گیا تھا کچھ پتا نہ تھا لالہ کہاں چلی گئی تھی۔ اس کا فون بھی مسلسل بند تھا۔ یونیورسٹی کے ہنگامے میں بھی ایسی کوئی خبر نہیں تھی کہ کسی کے قتل یا غائب ہونے کی اطلاع ہوتی۔ سیکیورٹی نے بروقت کاروائی کرتے ہوئے نہ صرف حالات سنبھال لیے تھے بلکہ یونیورسٹی بھی تقریباً ویران ہو چکی تھی۔ حالات کے پیشِ نظر تین دن تک تعطیلات کا بھی اعلان ہو چکا تھا، اس لیے بھی لالہ کے تمام کلاس فیلوز سے پوچھنے میں دقت تھی۔ سبین تو رو، رو کے خاموش سی ہو گئی تھیں۔ نانو بھی نڈھال سی بیڈ پکڑے بیٹھی رہ گئی تھیں۔

شاویز، باریال اور حمزہ تینوں نے ہی سارے اسپتال، ایمرجنسی سینٹرز سب چھان مارے تھے۔ اقرا نانو کو سنبھالتی تو کبھی سبین کو۔۔۔ زرینہ بیگم کی بڑبڑاہٹیں بڑھتی جا رہی تھیں۔ اگلے دن بھی شام ڈھلے وہ تینوں ناکام گھر لوٹے تھے۔ ان کے مایوس چہرے دیکھ کر امید سے دھڑکتے دل بند سے ہونے لگے تھے۔ نانو کی بوڑھی آنکھیں سیلاب ابلنے لگی تھیں۔ بالکل اسی وقت شاویز کے فون کی بیپ ہوئی تھی۔ نمرہ کی کال تھی۔ اس نے فوراً پک کی۔

''شاویز! ابھی ایک لڑکی نے مجھے بتایا کہ کل اس نے یونیورسٹی کے بعد لالہ کو ایک لڑکے کے ساتھ گاڑی میں دیکھا تھا۔ وہ شہر کے باہر والے راستے پر تھے۔'' نمرہ نے اطلاع دی تھی۔ شاویز گرنے کے سے انداز میں چارپائی پر بیٹھ گیا۔

اسپیکر آن ہونے کی وجہ سے آواز تقریباً سبھی نے واضح سنی تھی۔

''پڑ گئی ٹھنڈ۔۔۔ کہتی تھی ناں میں منہ کالا کر کے چلی گئی ہے ہم سب کا۔۔۔'' زرینہ کی تلخ آواز بلند ہوئی تھی۔ سبین نے کانوں پر بے اختیار ہاتھ رکھے تھے۔

''میری لالہ ایسی نہیں ہے۔'' نفی میں سر ہلاتے وہ چلاّ اٹھی تھیں۔

☆......☆......☆

کمرے میں ملگجی سی روشنی تھی۔۔۔ نڈھال وجود لیے وہ کمرے کے ایک کونے میں سکڑی بیٹھی تھی۔ میز پر رکھا کھانا ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ اور اس کی آنکھوں کے چمکتے رنگ دھیمے پڑنا شروع ہو گئے تھے۔ وہ پورے ایک دن سے گھر سے غائب تھی۔ گھر والوں پہ کیا قیامت ٹوٹی ہو گی اسے اچھی طرح خبر تھی۔ زرینہ پھپھو کو تو موقع مل گیا ہو گا۔

''اُف میرے خدا۔۔۔!'' اس کی پلکیں دوبارہ بھیگنے لگیں۔ آنکھوں کے پپوٹے مسلسل بے آرامی اور رونے کی وجہ سے سوج رہے تھے۔ یاقوتی ننھا دہانہ یک دم نیلا پڑنے لگا تھا۔

''میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی ضیا۔۔۔''

وہ سب جان چکی تھی۔ ضیا کی سب تدبیروں کے باوجود وہ سمجھ گئی تھی، یہ سب ضیا کا ہی کیا دھرا ہے۔

کمرے کے باہر بھاری بوٹوں کی آواز پر وہ بری طرح چونکی اور دروازے کی سمت دیکھنے لگی۔ مضبوط دروازے کے سامنے آواز دم توڑ گئی اور ہلکی سی چرچراہٹ سے دروازہ کھلتا چلا گیا۔ وہ جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اگلے ہی لمحے اسے کچھ تسلی سی ملی تھی۔ وہ خوبصورت شخصیت کے مالک بزرگ آدمی تھے۔ وہ یقیناً ضیا کے بابا تھے۔ انہیں شاید اپنے بیٹے کی حرکت کی خبر ہو گئی تھی۔ تبھی وہ وہاں چلے آئے تھے۔ انہیں دیکھ کر اس کے چہرے پر ایک گونہ اطمینان چھایا تھا۔

''انکل۔۔۔ انکل پلیز مجھے یہاں سے باہر نکالیں، ضیا مجھے دھوکے سے یہاں لے کر آیا ہے۔'' وہ فوراً مدد کے لیے ان کی طرف بڑھی تھی۔

سہراب علی خان کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہوئی۔۔۔ اور لالہ کو حوصلہ ہوا تھا۔ وہ یقیناً اس کی مدد کرنے والے تھے۔

''انکل پلیز میری مدد کریں۔۔۔ میں بھی تو آپ کی بیٹی کی طرح ہوں۔۔۔'' وہ ان کے قریب آتے ہوئے منت بھرے لہجے میں بولی تھی۔ اور اگلے ہی پل سہراب خان کا بھاری ہاتھ اس کے گال پہ نشان چھوڑ گیا تھا۔ بھوک پیاس سے نڈھال لالہ اس کے لیے تیار نہ

تھی تبھی سنبھل نہ سکی تھی اور لڑکھڑا کے زمین پر جا گری تھی۔ اس کے گلابی ہونٹ کنارے سے پھٹ گئے تھے اور خون کی ننھی لکیر اس کی ٹھوڑی بھگونے لگی تھی۔ اس نے پھٹی نگاہوں سے اس شخص کو دیکھا تھا۔ جسے وہ باپ کی طرح سمجھی تھی۔ اسے یہ امید تو ہرگز نہیں تھی، اس سے پہلے کہ وہ سنبھل کر اٹھتی، انہوں نے اس کے لمبے کالے بال اپنے ہاتھ میں دبوچے تھے اور جھٹکے سے اسے سیدھا کیا تھا۔

''ارتضٰی زیدی کی بیٹی، میری بیٹی کی خاک سے بھی نہیں ملتی۔۔۔'' تکلیف سے کراہتی لالہ کی پروا کیے بغیر وہ تنفر سے بولے تھے۔ اور بابا کا نام سن کر لالہ سُن سی ہوگئی تھی۔ ساری تکلیف سردسی پڑنے لگی تھی۔

''کیا سمجھا تھا تیری ماں نے۔۔۔'' انہوں نے غلیظ گالی دیتے ہوئے پھنکارتے ہوئے کہا۔ لالہ کے لب ضبط سے ایک دوسرے سے سختی سے پیوست ہوئے تھے۔

''ارتضٰی کے ساتھ میرے گھر کی چوکھٹ پار کرکے، سارے گاؤں میں ہماری عزت کا جنازہ نکال کر اس کی پناہ گاہ میں محفوظ رہے گی؟'' وہ بالکل کسی زہریلے ناگ کی طرح پھنکار رہے تھے۔ لالہ کو اُن سے خوف آنے لگا تھا۔ وہ بے اختیار ان سے اپنا آپ چھڑوانے لگی تھی۔ لیکن اس عمر میں بھی ان کی طاقت اس سے کہیں زیادہ تھی۔

''سبین جانتی تھی، سہراب علی خان کی بہنیں، لال حویلی کی عورتیں کبھی شادی نہیں کرتیں۔ ان کا کسی خواب، کسی خوشی، کسی رشتے پر کوئی حق نہیں ہوتا۔۔۔ لیکن سبین۔'' انہوں نے اس کے گال اپنے پنجے میں دبوچتے ہوئے کہا۔ درد کی تیز لہر جاگی تھی۔ اس کی آنکھیں چھلک رہی تھیں۔

''سبین نے بغاوت کی۔۔۔ اور وجہ تھا تمہارا باپ۔۔۔'' ان کے لہجے میں نفرت تھی۔ لالہ کو ان کے صاف ستھرے، خوب صورت وجود سے ایک دم گھن آنے لگی تھی۔

''اب جب تم عبرت کی تصویر بن کر گھر جاؤ گی تو کیا حال ہوگا ارتضٰی کا، سبین کا۔۔۔'' وہ قہقہہ لگا کے ہنس دیے تھے۔

''ایک ایک پل جئیں گے۔۔۔ ایک ایک پل مریں گے۔۔۔ نسلیں یاد رکھیں گی کہ ہماری حویلیوں سے بغاوت کرنے والی خانزادیوں کا انجام کیا ہوتا ہے۔'' ان کے نتھنوں سے نکلتی گرم ہوا لالہ کا چہرہ جھلسانے لگی تھی۔

''کتنے برس، بیس سال سے بھی زیادہ اس دن کا انتظار کیا ہے میں نے۔۔۔ ناک کے بدلے ناک۔۔۔ عزت کے بدلے عزت۔۔۔ کہاں چھپائیں گے اس بدنامی کے داغ کو ارتضٰی اور سبین۔۔۔'' وہ وجود سرتاپا نفرت تھا اور لالہ۔۔۔ وہ سب سمجھ رہی تھی۔ ساری کہانی کھلنے لگی تھی۔۔۔ وہ ساری عمر کیا سمجھتی رہی تھی۔۔۔ اور یہاں سانپ کے روپ میں انسان دیکھ کر اسے پل بھر میں الہام ہوا تھا۔۔۔ اس کی پھولوں جیسی فطرت کی ماں ان سانپ جیسے لوگوں کے ساتھ کیسے رہ سکتی تھی، اسے تو ارتضٰی ہی پناہ دے سکتے تھے۔۔۔ صرف اور صرف اس کے بابا۔۔۔ اس کا دل درد سے پھٹنے کو تھا۔

''میں ایک بدکردار ماں کی بیٹی ہوں۔۔۔'' سہراب علی خان اب بھی بولے جا رہے تھے لیکن لالہ کو صرف اپنے الفاظ سنائی دے رہے تھے۔

''میں نہیں چاہتی اقرا کہ تمہاری ماں کا کیا تمہارے سامنے آئے۔'' اس نے کس قدر غرور سے کہا تھا۔۔۔لیکن اس کا کیا۔۔۔وہ تو بھول ہی گئی۔۔۔مکافاتِ عمل تو سب کے لیے ہوتا ہے۔

اور پھر ماں، باپ۔۔۔وہ تو سگی اولاد تھی۔۔۔زرینہ پھپھو کی طرح اس نے بھی تو ماں کا کردار ہمیشہ چاک کیا تھا۔۔۔طعنے مارے تھے۔

آج اسے اندازہ ہوا تھا۔۔۔امی نے اتنا بڑا اقدم کیوں اٹھایا تھا۔۔۔تبھی دروازے پر دستک ہوئی تھی اور دوران نے دروازے سے ہی آواز دی تھی۔

''خان۔۔۔چھوٹے خان نے حکم دیا ہے لڑکی کو گھر چھوڑ کے آنے کا۔'' اس کی آواز مؤدب تھی۔شیطانی مسکراہٹ ان کے لبوں کو چھو گئی۔

''انہوں نے کہا ہے ناں۔۔۔میں نے تو نہیں کہا۔۔۔ابھی میرا بدلہ پورا کہاں ہوا ہے۔'' انہوں نے جھٹکے سے لالہ کو چھوڑا تھا۔ وہ جہازی سائز بیڈ پر جا گری تھی۔

''تم نے ضیا کو وہ مشروب پلا دیا۔''

''جی خان۔۔۔گل بی بی نے دے دیا تھا۔'' اب وہ آدھے کھلے دروازے پر کھڑا تھا۔

''گڈ۔۔۔'' انہوں نے شیطانی نظریں لالہ پر جماتے ہوئے کہا۔شیطان مجسم روپ بھی رکھتا ہے۔لالہ نے آج اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔سہراب علی خان نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا ننھا کانچ سے بنا شوپیس اٹھایا اور اگلے ہی لمحے اپنی پیشانی پر دے مارا تھا۔ہلکی سی سسکاری بھری تھی۔اور ان کی پیشانی سے خون کی پتلی سی لکیر نکلنے لگی۔

''خان۔۔۔'' دوران پریشان سا ان کی طرف بڑھا۔لالہ بھی چیخ مار کے لاشعوری طور پر ذرا پیچھے کو کھسکی۔

''یہ آج رات بھی ہماری مہمان رہے گی۔۔۔صبح منہ اندھیرے، روشنی پھیلنے سے پہلے اسے اس کے دروازے پر ڈال آنا۔۔۔'' وہ زخم کی پروا کیے بغیر شیطانی مسکراہٹ سجائے بولے۔

''حکم خان۔۔۔'' وہ فوراً سر جھکا گیا۔

''اور تم۔۔۔'' دونوں ہاتھ بیڈ پر رکھتے ہوئے وہ اس پر جھکے تھے۔وہ کانپ سی گئی تھی۔

''تم ضیا کا انتظار کرو۔۔۔'' پھنکار کر کہتے ہوئے وہ قہقہہ لگا کے ہنسے تھے۔لالہ کا ننھا سا دل بے جان ہونے لگا تھا۔

☆......☆......☆

اسے عجیب سی گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ ذہن ماؤف سا ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔ چکر سے آ رہے تھے۔۔۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا اسے کیا ہو رہا تھا۔ شاید یہ مسلسل اسٹریس کی وجہ سے تھا۔ وہ لالہ کو یہاں لے تو آیا تھا ابھی تک وہ اس کے سامنے نہیں جا سکا تھا۔ اس نے بس باء جی کو اطلاع دے دی تھی۔ لالہ ایک دن گھر سے غائب رہی تھی۔ اس کے خیال میں یہ سزا کافی تھی اس کے خاندان والوں کے لیے۔۔۔ اسی لیے اس نے ملازموں کو بھی حکم دے دیا تھا کہ اسے واپس گھر چھوڑ آئیں رات کے اندھیرے میں لیکن یہ ایک حقیقت تھی، یہ سب کر کے وہ بے حد پریشان رہا تھا، بے حد بے سکون۔۔۔ حالانکہ یہ سب اس نے اپنے باء جی کے لیے کیا تھا۔ لیکن پھر بھی دل مطمئن نہ تھا۔۔۔ وہ خوش نہ تھا۔

ضیا کے کمرے کا دروازہ کھلا اور سہراب علی خان اندر آئے۔ دوران خان انہیں سہارا دیے ہوئے تھا۔ پیشانی پہ پٹی لگی تھی جس پر لگا خون کا دھبہ ابھی تازہ تھا۔ وہ فوراً ان کی طرف آیا تھا۔ وجود میں ہلکی لڑکھڑاہٹ تھی۔

''کیا ہوا باء جی۔۔۔ آپ ٹھیک تو ہیں۔'' اس نے پوچھا تھا۔

''خان۔۔۔ اس لڑکی نے حملہ کیا ہے بڑے خان پر۔۔۔ گلدان سر پر دے مارا ان کے۔'' دوران خان نے فوراً کہا۔

''لالہ۔۔۔!'' ضیا ضبط سے مٹھی بھینچ گیا۔

''گری ہوئی نسلوں سے یہی امید کی جا سکتی ہے زوئے (بچے)۔۔۔'' سہراب خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اس کی ہمت بھی کیسے ہوئی آپ پر ہاتھ اٹھانے کی۔ میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔۔۔ خود کو سمجھتی کیا ہے؟'' غصے سے کہتا، لڑکھڑاتا وہ باہر نکل گیا تھا۔

''یاد رہے دوران خان۔۔۔ صبح ہونے سے پہلے ہی لڑکی گھر پہنچ جانی چاہیے۔۔۔ ضیا کو بھی یہاں لے آنا، جو مشروب اس نے پیا ہے صبح سے پہلے اسے ہوش نہیں آئے گا۔''

ضیا کے باہر جاتے ہی انہوں نے حکم دیا تھا۔ دوران خان سر جھکاتا باہر نکل گیا تھا۔ سہراب علی خان کے لبوں پر وہی شیطانی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

''تیری انتہائی شکست ہی تو اصل لطف دے گی ارتضیٰ زیدی۔۔۔'' انہوں نے خود کلامی کی تھی سانپ جیسی پھنکار کے ساتھ۔۔۔

☆......☆......☆

کسی نے دروازہ پوری قوت سے کھولا تھا۔ وہ جو ماں سے کی گئی زیادتیوں پہ ندامت کے آنسو بہا رہی تھی، بری طرح چونکی تھی۔ لیکن اگلے ہی پل ضیا کو اندر آتا دیکھ کر جھٹکے سے بستر سے نیچے اتر آئی تھی۔ ضیا دروازے کو ٹھوکر سے بند کرتا کسی بپھرے شیر کی طرح اس کی طرف لپکا تھا۔

''تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی باء کو تکلیف پہنچانے کی۔'' اس کی آنکھیں لال انگارہ ہو رہی تھیں۔

''واہ۔۔۔تکلیف بھی تمہارے باء جی کو ہوئی۔۔۔اور میرا کیا۔۔۔؟ میری تکلیف کا احساس ہے تمہیں۔۔۔'' وہ اس سے خوف کھائے بنا تیز لہجے میں بولی تھی۔

''تمہاری تکلیف۔۔۔؟'' ضیا نے آگے بڑھ کر اس کی نازک کلائی اپنی مضبوط گرفت میں لیتے ہوئے کہا۔۔۔وہ پھڑ پھڑا کے رہ گئی۔

''ساری عمر میرے باء جی کو تکلیف کے کانٹوں پر گزارنے پر مجبور کرنے والوں کو آج اپنی تکلیف نظر آ رہی ہے۔۔۔واہ۔۔۔'' وہ خود کو بہ مشکل سنبھال رہا تھا۔

''اور تمہیں۔۔۔تمہیں کون سی تکلیف ہے یہاں۔۔۔ہاں۔''

''ایک لڑکی کا گھر سے ایک رات باہر گزار لینے کا مطلب تم کیا جانو ضیا۔۔۔'' وہ ہاتھ چھڑاتے ہوئے متنفر لہجے میں بولی۔۔۔ضیا نے مزید دو قدم اس کی طرف بڑھائے۔ وہ بے اختیار پیچھے ہوئی۔ دل میں خوف سا جاگا۔

''حیرت ہے، تمہیں کسی نے بتایا نہیں شاید کہ تمہاری ماں نے گھر سے بھاگ کر ساری عمر باہر گزاری۔۔۔''اس نے جیسے گالی دی تھی۔ لالہ کا دل کٹ سا گیا تھا۔ اس نے ضیا کو دھکا دیا تھا اور اتنی ہی تیزی سے اس کے منہ پہ تھوک دیا تھا۔ ضیا دم بخود رہ گیا تھا۔ اسے لالہ سے ایسی حرکت کی توقع نہ تھی۔

''پتا ہے کیا۔۔۔ساری غلطی میری ہے، میں نے یہ جانے بنا کہ تم ایک سانپ کی اولاد ہو تم پہ بھروسا کر لیا ضیا'' وہ نفرت سے اسے دیکھتی چلّاتے ہوئے بولی تھی۔ وہ بپھرے انداز میں اس کی طرف بڑھا تھا۔

''سانپ کیا ہوتا ہے آج میں تمہیں بتاؤں گا۔''

''ضیا۔۔۔'' اسے اپنی طرف یوں جارحانہ انداز میں بڑھتے ہوئے دیکھ کر لالہ کو احساس ہوا تھا، اس نے غلطی کر دی تھی۔ اور آگے بڑھتے ضیا کے قدم اس کے ہلتے ہونٹوں پر جمے تل کو دیکھ کر بس ایک پل کے لیے رکے تھے۔ اور اگلے ہی لمحے اس نے لالہ کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا تھا۔ وہ کسمسا کے رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

لال حویلی کے سناٹے میں چوبدار دروازے کے کھلنے پر کسی آسیب کے پر کھلنے کی سی آہٹ پیدا ہوئی تھی۔ دل بری طرح دھڑک اٹھا تھا۔ ایک تو رات کا وقت، اوپر سے اس جگہ قدم دھرنا جہاں باء جی نے کسی کا بھی داخلہ سختی سے منع کر رکھا تھا۔ دل تھا کہ خوف سے لرزا جا رہا تھا لیکن اندر کے تجسس سے مجبور ہو کر بہر حال اس نے اندر آ کر ہی دم لیا تھا۔ ضیا نے انہیں ابراہیم کے ہمراہ کچھ دنوں کے لیے گاؤں بھیجا تھا۔ باء جی خود بھی کام سے شہر گئے ہوئے تھے۔ ایسے میں وہ اس خوابیدہ جگہ کی مکمل سیر کر سکتی تھی۔ اس نے سب سے پہلے کمرے کی واحد قد

آور الماری پہ لگے سارے سوئچ آن کر دیے تھے۔ ہر طرف سے بند کمرا روشنی سے نہا گیا تھا۔ وہ کچھ دیر اس جنوں خیز جگہ کی ساری خوبصورتی سے نظروں کو خیرہ کرتی رہی۔ پھر دھیرے دھیرے چلتی ایک، ایک کتاب کو چھو کر دیکھنے لگی۔۔۔ وہاں ہر قسم کی کتب تھیں۔ علاقائی، غیر ملکی ادب سے، اردو ادب، عربی ادب، قرآن، حدیث سے متعلق تمام اہم کتب، شاعری کی کتابیں، جاسوسی مواد، تفریحی مواد، بچوں کی کتابیں، اسلامک اسکالرز کی اہم کتب۔۔۔ فخر سے اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ کتنی محبت کرتے تھے اس کے باء جی اپنی کتابوں سے۔۔۔ وہ بھی تو بالکل ان پر گئی تھی۔ اسے بھی تو اسی طرح کتابوں سے عشق تھا۔ اسے فخر سا محسوس ہوا، وہ اپنے باء جی کی طرح تھی۔ اور تبھی وہ ذرا آگے بڑھی تھی۔ اس کا شیفون کا دوپٹا دراز سے الجھا تھا اور اس کے تیزی سے آگے بڑھنے پہ دراز دوپٹے کے ساتھ کھسکتی کھلتی چلی گئی تھی۔ اوزگل نے حیرت سے اس کھلی دراز کی طرف دیکھا تھا۔ اس نے کئی بار دیکھا تھا باء جی یہ دراز ہمیشہ لاک کرتے تھے تو آج یہ کھلی کیسے رہ گئی تھی۔ وہ تیزی سے اسے بند کرنے کو آگے بڑھی تو دیکھا کہ لاک آدھا لگا ہوا تھا۔ مطلب باء جی نے تیزی سے لاک کیا تھا اور اسی لیے لاک صحیح بند نہیں ہوا تھا۔ لیکن انہوں نے یہی سمجھا تھا کہ لاک بند ہو گیا تھا۔ یہ کمرا وہ مہینوں میں کبھی کھولتے تھے اور اسی لیے شاید انہیں ابھی تک اس دراز کو بند کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے دراز بند کرنے لگی کہ نظر اندر پڑی ایک فوٹو پہ ٹھہر سی گئی۔ یہ دو بچوں کی تصویر تھی۔ بارہ اور دس سال کے قریب کی عمروں کے وہ بچے بہت خوب صورت اور صحت مند تھے گہری سبز آنکھوں کو دیکھتے ہی وہ پہچان گئی تھی۔

"یہ تو باء جی ہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے فوٹو اٹھالی تھی اور تبھی اس کی نظر نیچے پڑی ایک بوسیدہ ڈائری پر پڑی تھی۔ جسے دیکھ کر ہی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ تقریباً تیس، چالیس سال پرانی تھی۔ تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کے اس نے وہ ڈائری اٹھالی تھی اور باء جی کی خوب صورت منقش کرسی پر بیٹھتے ہوئے ذرا سے خوفزدہ دل کے ساتھ اس نے ڈائری کا پہلا ورق پلٹا تھا۔

"میں سہراب علی خان۔۔۔ آج قسم کھاتا ہوں۔۔۔ آفتاب ولی خان کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔۔۔ ان کی وجہ سے میرے بابا کی جان گئی۔۔۔ اور جان کے بدلے جان، عزت کے بدلے عزت۔۔۔ مال کے بدلے مال۔۔۔ میں اس خاندان کو، اس نسل کو ختم کر دوں گا۔"

کسی ننھے بچے کی ہینڈ رائٹنگ میں لکھے الفاظ اسے ساکت کر گئے تھے۔ چند لمحے یونہی ساکت بیٹھی وہ انہی لفظوں کو بار، بار دہراتی رہی تھی۔ اور پھر اس نے تیزی سے ورق پلٹنا شروع کر دیے تھے۔ اسے لگ رہا تھا وہ کوئی کہانی پڑھ رہی تھی۔۔۔ بے حد طویل کہانی۔۔۔ زندگی کی کہانی۔۔۔ اور کہانیاں مختصر کہاں ہوتی ہیں۔۔۔ اس نے بھی بیٹھے، بیٹھے ماضی کا سفر طے کیا بلکہ اب طے کرنا شروع کیا تھا۔

☆......☆......☆

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔۔۔ گلیوں کوچوں میں کتوں کے بھونکنے اور ٹڈوں کی گونجتی سیٹیاں سناٹے کا وجود چیرتی اور پھر وہی خاموشی طاری ہو جاتی۔ سنسان گلی میں رات کے اس پہر اس تنگ گلی کے سامنے کھڑی بڑی سی گاڑی سے چار نفوس نکلے اور گاڑی کی پچھلی سیٹ سے کسی بے جان وجود کو اٹھائے اس گلی میں داخل ہو گئے۔ ایک آدمی ان سب کے آگے تھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھی اور وہ

بے حد ہوشیاری سے اردگرد کا جائزہ لے رہا تھا۔ایک متوازی گیٹ کے قریب آتے ہی اس شخص نے دونوں ساتھیوں کو اشارہ کیا تھا۔انہوں نے وہ بے جان وجود وہیں چوکھٹ پر آرام سے ڈال دیا تھا۔

''تم سب جاؤ۔۔۔اور ہاں گاڑی اسٹارٹ رکھنا۔'' پستول تھامے شخص نے انہیں ہدایت کی۔۔۔وہ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے تیز قدموں سے واپس مڑ گئے تھے،اس نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے جیب سے ٹیپ نکالی اور سامنے لگی بیل پر چپکا دی۔۔۔گھر میں تیز گھنٹی کی آواز گونج اٹھی تھی۔وہ فوراً واپس مڑ گیا تھا۔گھنٹی بجتی جا رہی تھی۔

☆......☆......☆

حویلی کے طاقچوں میں رکھے دیے سرِ شام ہی روشن کر دیے جاتے تھے۔بڑے،بڑے دالانوں کے سروں پر اتنے ہی بڑے الاؤ روشن ہوتے تو دن کا سا سماں بندھ جاتا تھا حویلی میں۔۔۔سرخ اینٹوں سے بنی یہ اونچے محرابوں والی حویلی ویسے تو لال حویلی کے نام سے مشہور تھی لیکن یہاں کے رہنے والوں کے حسنِ سلوک اور محبت کی وجہ سے امن کی علامت سمجھی جاتی تھی۔

آفتاب ولی خان نہ صرف ملک کے جانے پہچانے سیاستدان بلکہ اس علاقے کے والی سمجھے جاتے تھے۔سادہ اور نیک طبیعت کے مالک آفتاب خان ہر دل عزیز شخصیت کے مالک تھے۔انہیں دیکھ کر غریبوں کے لبوں پر مسکان رقص کرنے لگتی تھی۔اسفند یار علی خان ان کے دستِ راست تھے۔ہر جگہ ان کے ساتھ ہوتے،اسفند یار نہ صرف یہ کہ ان کے بہترین دوست تھے بلکہ سگے چچازاد بھی تھے۔چچا کی عیاشیوں کی وجہ سے اسفند یار گھربار اور زمینوں کی وراثت سے ہاتھ دھو چکے تھے اور ان کی وفات کے بعد آفتاب ولی خان نے انہیں سگے بھائی کی طرح نہ صرف پناہ دی تھی بلکہ سنبھالا بھی تھا۔وہ انہیں بالکل سگے بھائی کی طرح ہی عزیز تھے۔اور خود اسفند یار علی خان بھی ان پر جان چھڑکتے تھے۔

یہ ایک ڈھلتی شام تھی۔حویلی روشن ہونے لگی تھی۔شام تک حویلی میں رہنے والی چہل پہل دم توڑ چکی تھی۔۔۔سکون سا ہر سو حصار کیے ہوئے تھا۔جب تیز گاڑیوں کے چیختے انجنوں کے شور نے حویلی کا پُرسکون ماحول لرزا کے رکھ دیا تھا اور عصر کے وقت خوش باش مسکراتے چہرے کے ساتھ زمینوں پر جانے والے اسفند یار علی خان چار کندھوں پر واپس آئے۔آفتاب ولی خان پر کسی نے قاتلانہ حملہ کیا تھا۔اسفند یار نے ان کے حصے کی گولیاں بھی اپنے سینے پر کھالی تھیں۔آفتاب خان تو بال،بال بچ گئے تھے لیکن اسفند یار موقع پر ہی جان گنوا بیٹھے تھے۔حویلی میں قیامت برپا ہوگئی تھی اور اسی دن چارپائی پر سفید لباس میں بے جان پڑے وجود کے ساتھ لگے سہراب علی خان کے سر پر آفتاب ولی خان نے دستِ شفقت رکھتے ہوئے کہا تھا۔

''آج سے میرا ایک نہیں،دو بیٹے ہیں۔۔۔سہراب علی خان آج سے میرا بیٹا ہے۔'' اور وہ آنسوؤں سے دھندلاتی آنکھوں سے یہ نہیں دیکھ سکے تھے کہ گہری سبز آنکھوں میں کس قدر زہر اُمڈ آیا تھا،ان کے پہلو سے لگتے ہی اور پھر جنازہ اٹھتے ہی ماں کے پہلو میں بیٹھتے

ہوئے اس بچے نے زہریلے لہجے میں کہا تھا۔

''اماں۔۔۔میرے ابا کا قاتل ہے یہ۔۔۔اس نے اپنی جان بچانے کے لیے ابا کو مروا دیا۔''

''نہ بیٹا، ایسے نہیں سوچتے۔''اماں نے روتے ہوئے اس ننھی جان کو خود میں سمیٹ لیا تھا۔

☆......☆......☆

نیند تو جیسے گھر کے باسیوں سے روٹھ سی گئی تھی۔زرینہ گھر جا چکی تھیں، اقرا البتہ وہیں رک گئی تھی۔سبین نے اسے زبردستی سلا دیا تھا لیکن خود مسلسل برآمدے میں ٹہلتی دعائیں مانگتی رہی تھیں۔نانو بھی تسبیح کے دانے گراتی لالہ کے لوٹ آنے کی دعا میں مشغول تھیں۔شاویز، لالہ کے کمرے میں اس کی کتابیں، نوٹس ایک، ایک کر کے دوبارہ چیک کرنے میں لگا تھا۔اگر وہ کسی کے ساتھ انٹرسٹڈ تھی تو ضرور کہیں نہ کہیں اس آدمی کا نام نمبر لکھا ہونا چاہیے تھا۔وہ خوش تھی تو اس کے لیے کافی تھا۔لیکن وہ خوش تھی بھی؟ اس کی تسلی بہرحال اسے کرنی تھی، وہ اس کے کسی لڑکے کے ساتھ بھاگ جانے کا سوچ کر مطمئن نہیں بیٹھ سکتا تھا۔اس نے بہ مشکل کچھ کتابیں ہی چیک کی تھیں کہ ڈور بیل کی چیختی آواز نے رات کا سناٹا چیر کے رکھ دیا، آواز اس قدر تیز اور مسلسل تھی کہ کتاب اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر جا گری تھی۔

''شاویز۔۔۔''سبین بے اختیار اسے پکارتی گیٹ کی طرف لپکی تھیں۔شاویز بھی تیزی سے ان کی طرف بھاگا تھا۔گیٹ کے قریب جا کر ہی وہ ایک دم رکی تھیں۔انہیں اپنے پیروں کی طرح اپنا دل بھی رکتا ہوا محسوس ہوا تھا۔گھنٹی بجتی چلی جا رہی تھی۔جیسے گھنٹی بجانے والا ہاتھ رکھ کے اٹھانا بھول گیا تھا۔شاویز نے بھاگ کے دروازہ کھولا تھا۔چوکھٹ سے لگا بے جان سا وجود اندر کی طرف گرا تھا۔چادر ڈھلک گئی تھی۔لالہ کا ویران چہرہ ان دونوں کے سامنے تھا۔سبین زمین پر بیٹھتی چلی گئیں۔

☆......☆......☆

جس طرح اچانک اس کا پروپوزل ریجیکٹ ہوا تھا۔وہ واقعی اس کے لیے کافی پریشان کُن تھا۔لیکن عین وقت پر امن کی پیشکش اور پھر اس کا خود اس پروجیکٹ میں دلچسپی لینا اسے واقعی خوشگوار حیرت میں ڈال گیا تھا۔چند دنوں کے اندر ہی ان کی کوششوں سے وہ ایک دو اور بھی اچھے اسپانسرز لینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

لالہ کے معاملے میں جس وقت وہ شاویز کے ساتھ بزی رہا تھا۔امن نے کنسٹرکشن کا سارا کام دیکھا تھا۔وہ ایک دوست کی طرح اس کے شانہ بشانہ رہی تھی۔اس کے دل میں ایک مرتبہ پھر امن کی عزت مزید بڑھ گئی تھی۔

''مجھے لگتا ہے امن۔۔۔!تم صرف اپنا وقت ضائع کر رہی ہو۔''امن رات گئے گھر لوٹی تو پاپا نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔

''ابھی تو وقت دے رہی ہوں پاپا اپنے اور باریال کے رشتے کو۔۔۔ضائع ہوتا ہے یا کامیاب، ہاں یہ وقت ہی طے کرے گا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

''میری دعا تمہارے ساتھ ہے ہمیشہ۔۔۔بس اس بار اگر نا کامی ہو تو پچھلی والی غلطی مت دُہرانا بیٹا۔'' انہوں نے اس کے گرد ہاتھ پھیلاتے ہوئے محبت سے کہا تھا۔

''تم جانتی ہو، تمہارے لیے باریاں بہت۔۔۔لیکن میرے لیے صرف تم ہو۔۔۔صرف تم۔''

''پاپا۔۔'' وہ ان کے سینے میں سما گئی تھی۔ بیٹیوں کی سب سے مضبوط پناہ گاہ ماں، باپ کا سینہ ہی تو ہوتی ہے۔

☆......☆......☆

اس کی آنکھ کھلی تو دن چڑھ چکا تھا۔ نشے کا خمار بھی اتر چکا تھا۔ پھر وہ کتنی دیر چھت کو خالی، خالی نگاہوں سے تکتا بے سدھ لیٹا رہا تھا۔ بھلے رات وہ نشے کی حالت میں تھا لیکن ایک، ایک منظر اس کی یادداشت سے بالکل واضح چمٹ کے رہ گیا تھا۔ اس کے مضبوط شکنجوں میں پھڑ پھڑاتی وہ نازک سی چڑیا، اس کی گھٹی، گھٹی چیخیں، مزاحمت کرتے اس کے کمزور، نازک ملائم سے ہاتھ، بے اختیار وہ اٹھ بیٹھا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ سفید گلابی خوب صورت ہاتھ جنہوں نے کبھی کوئی سخت کام نہیں کیا تھا۔ کل رات کس قدر کھردرے ہو گئے تھے۔ نرم و ملائم ہاتھ اس کے ہاتھوں میں پھنس کر زخمی ہو رہے تھے۔ اس نے اپنے اوپر ڈالا گیا کمبل اٹھا کر دور اچھال دیا تھا اور سلیپرز پہنتا باتھ روم میں آ گیا۔ سامنے لگے قد آور آئینے میں اس کا وجیہہ سراپا کس قدر شاندار تھا لیکن اسے بالکل بھی اچھا نہیں لگا تھا۔ اس نے سامنے پڑی خوب صورت کرسٹل بال اٹھا کے شیشے پہ مار دینی چاہی کہ ایک دم سراپا بدلا تھا۔ نرم و نازک، کومل سا سراپا کالی کٹورا آنکھیں، سمندر جیسی گہرائی لیے اور۔۔۔

اور وہ یاقوتی لب۔۔۔ننھا سا دہانہ، دھیرے سے مسکرانا پھر ایک دم جیسے درد سے نیلا پڑنے لگا تھا۔۔۔وہ یہ سب نہیں دیکھ سکتا تھا بھلے ہی وہ لالہ اور اس کی فیملی سے نفرت کرتا تھا، انہوں نے اس کے باپ کو سالوں رُلایا، اس کے چاچو، بوا سب کی موت کا باعث بنا تھا۔ پھر بھی وہ اسے لالہ کو یوں تڑپتا نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس نے چیختے ہوئے وہ بال آئینے پر دے ماری تھی۔ شور سا ہوا تھا اور آئینہ چھنا کے سے کرچیوں میں بکھر گیا تھا۔ وہ پریشان سا یونہی باہر آ کر بستر پر گر گیا۔ اسی وقت دروازہ کھلا تھا اور دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی زمزمہ اندر آئی تھی۔ اس نے نظریں اٹھا کر زمزمہ کو دیکھا۔۔۔زمزمہ کی آنکھوں میں ناراضی تھی، دکھ تھا، کرب تھا۔

''میں نے کہا تھا ناں خان۔۔۔اس لڑکی کو بچا لو۔۔۔لیکن۔۔۔'' وہ جملہ مکمل نہ کر سکی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہو گئے تھے، صبح جس وقت لالہ کو وہاں سے لے کر گئے وہ سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی تھی۔۔۔بے حس و حرکت لالہ اور نڈھال، گناہ کے بوجھ سے کپکپاتا وجود لیے ضیا۔۔۔وہ بچی نہ تھی کہ کچھ سمجھ نہ پاتی۔

''میں نے کچھ نہیں کیا زمزمہ۔۔۔'' وہ دونوں ہاتھ بالوں میں الجھا گیا۔

''تم جانتی ہو میں ایسا کچھ نہیں کر سکتا۔۔۔ضیا علی خان کو اپنا کردار کس قدر، اپنی انا کتنی عزیز ہے۔'' جھکی، جھکی پلکوں سے ندامت

کا آنسو ٹپکا تھا۔زمزمہ اس کے سامنے زمین پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گئی۔

''میں نے کہا تھا ناں خان، کچھ نشے اور حسن بہت طاقتور ہوتے ہیں۔ مدہوش کر ہی دیتے ہیں۔''

زمزمہ کا لہجہ بکھرا تھا۔سر جھکائے بیٹھا ضیا رو رہا تھا۔وہ مرد جسے وہ دنیا کا مضبوط ترین مرد سمجھتی تھی۔کس طرح کمزور پڑ گیا تھا۔برائی کی طرف کھینچ کھینچ کے لے جانے والے اس شخص نے ہمیشہ کس طرح اچھائی کی طرف خود کو مائل کیے رکھا تھا۔لیکن اچھائی اور برائی کے دوراہے پہ چلتے، چلتے کبھی تو پھسلنا ہی تھا شاید۔۔۔ٹھوکر لگنی ہی تھی۔۔۔وہ مرد تھا۔صاف راستہ چُن سکتا تھا۔صحیح راستہ چُن سکتا تھا۔لیکن اپنے باء جی کے لیے خود پر برائی کی چھاپ لگاتے لگاتے وہ کس بری طرح برائی کی دلدل میں گرا تھا کہ سارا وجود ہی کیچڑ، کیچڑ ہو گیا تھا۔۔۔زمزمہ کی آنکھیں بھی بھیگنے لگی تھیں۔

☆......☆......☆

وہ جیسے مٹی کا برتن تھی۔۔۔

یا پھر کانچ کی گڑیا۔۔۔

ایک ہی ضرب سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھی۔

کرچیوں کی صورت بکھری تھی۔

لالہ جب سے آئی تھی۔۔۔سدھ بدھ کھو بیٹھی تھی۔اماں اسے خود سے لگائے بیٹھی تھیں۔خود سے جدا کرنے پر راضی ہی نہیں ہو رہی تھیں۔سبین، شاویز، اقرا، حمزہ بار، بار اس سے پوچھتے، کریدنے کی کوشش کرتے اور وہ گم صم بس چپ چاپ ان سب کو دیکھے جاتی۔اس کی ویران آنکھیں دیکھ کر سبین کا دل کٹ جاتا۔لیکن ان کے بے حد اصرار پر بھی وہ کچھ بتانے پر راضی نہ ہوئی تھی نہ بولنے پر۔۔۔اس کی چپ کسی طور ٹوٹنے پر نہیں آ رہی تھی۔

''اب بھی سب اس منحوس کو سینے سے لگا کر رکھو۔۔۔ارے میں کہتی ہوں ایسی بھی کیا پٹی بندھی ہے اس کے عشق کی تم سب کی آنکھوں پر کہ اس کے وجود پر لگی غلاظت تم لوگوں کو نظر نہیں آ رہی۔'' زرینہ بیگم تو اطلاع ملتے ہی گھر پہنچیں تو اس پر ایسے حملہ آور ہوئیں کہ ابھی کچا چبا جائیں گی۔اس وقت بھی شاویز نے لالہ کو ان سے چھڑوالیا اور اب ان سب کو یوں اس کے آگے بچھتے دیکھ کر ان کے سینے کی جلن مزید بڑھنے لگی تھی۔

''بس امی۔۔۔''ان کی زہر فشانیوں پر حمزہ ضبط کھوتے ہوئے چلّایا تھا۔

''حد ہوتی ہے کسی بات کی بھی۔۔۔آپ کے مرحوم بھائی کی بیٹی ہے کم از کم اتنا ہی خیال کر لیں۔'' وہ لب کچلتے ہوئے بولا تھا۔

''ہائے، یہی تو افسوس ہے۔'' وہ سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے دھاڑیں۔

''میرے اتنے شریف بھائی کے منہ پر کالک مل دی اس نے۔۔۔ان کے کفن تک کو داغدار کر دیا اس منحوس نے۔۔۔'' وہ بین کرنے لگی تھیں۔شاویز کمرے کی دہلیز پر کھڑا بے بسی سے بت بنی لالہ کو دیکھتا رہا۔۔۔مضبوط سی وہ لڑکی کس طرح بکھر سی گئی تھی۔اس کے ساتھ کیا ہوا تھا، وہ سب کچھ سمجھ سکتا تھا لیکن کیوں ہوا، کیا وہ خود گئی تھی یا پھر کون ایسا تھا جو اسے نقصان دے سکتا تھا۔اس کا جواب صرف لالہ ہی دے سکتی تھی۔اور اس کے لب تو یوں سلے تھے جیسے کبھی وہ بولی ہی نہ ہو۔''

ڈور بیل کی تیز آواز پر وہ چونکا پھر تیزی سے سر جھٹکتا باہر نکل گیا۔اس نے گیٹ کھولا، سامنے آغا کھڑا تھا۔

''اقرا کو بلا دو، مجھے اقرا سے بات کرنی ہے۔'' اس نے سوچا تھا وہ کسی کام سے حمزہ کے پیچھے آیا ہوگا لیکن اس کے منہ سے اقرا کا نام سن کر اسے شدید دھچکا لگا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' شاویز کی آواز میں خود بخود غصہ امڈ آیا تھا، باہر آتے ہی حمزہ نے اس کی آواز سن کر اس کی طرف پیش قدمی کی۔

''بدتمیزی۔۔۔تم ایک منٹ کے لیے اقرا سے میری بات کروا دو، بدتمیزی میں کر رہا ہوں یا تم۔۔۔پتا چل جائے گا۔۔۔'' وہ شانے اچکا تا سینے پر ہاتھ باندھتے ہوئے بولا۔

''تم ہوش میں تو ہو۔۔۔'' اس بار ذرا آگے کو آنے والا حمزہ تھا۔

''تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی اقرا کا نام لینے کی۔'' حمزہ کی پیشانی پر سبز لکیریں تن سی گئیں۔اندر سے زرینہ کے تیز، تیز بولنے کی آواز آ رہی تھی۔

''اس بدذات کی وجہ سے اب گھر کے لڑکوں کی جان بھی خطرے میں رہے گی۔ہائے کہاں چپ بیٹھیں گے میرے حمزہ اور شاویز۔۔۔یہ دشمنی تو نسلوں تک چلتی ہے۔اب دیکھوں ذرا جا کر کس کے ساتھ بحث کرنے لگ گئے ہیں'' وہ شاید اسی طرف آ رہی تھیں۔

حمزہ خون آلود نظروں سے آغا کو گھور رہا تھا۔

''یار پلیز۔۔۔پہلے اقرا کو بلا دو۔۔۔پھر چاہے سارا دن مجھے دروازے پر کھڑے دیکھتے رہنا۔۔۔بہت ضروری کام ہے مجھے اقرا سے۔۔۔'' باہر کی طرف آتی زرینہ، آغا کی آواز پہچان کر جھٹکے سے رکیں، دل کسی انہونی کے خدشے سے دھڑک اٹھا تھا۔

''کیوں۔۔۔؟ کیوں بلائیں اقرا کو۔۔۔کیا کام ہے تمہیں اقرا سے۔'' شاویز، حمزہ کو پیچھے ہٹاتا خود آغا کے سامنے آیا اور قدرے نرم لہجے میں پوچھا۔

''کیونکہ یہ میرے شوہر ہیں شاویز بھائی۔'' اماں کے پیچھے کھڑی اقرا نے پورے اعتماد سے کہا تھا۔

''ہمارا نکاح ہو چکا ہے۔'' اس وقت ان میں سے کوئی بھی بولنے کے قابل نہیں رہا تھا۔آغا کے لبوں پر البتہ مسکراہٹ رقص کرنے لگی تھی۔''جس دن لالہ آپی غائب ہوئی تھیں۔اس دن ہم نے بھی نکاح کیا تھا۔میں آغا کے ساتھ ہی تھی۔میں نے آپ لوگوں سے جھوٹ

بولا تھا کہ میں دوستوں کے ساتھ تھی۔"

حمزہ کے ہاتھ پہلوؤں میں آگرے تھے۔زرینہ یوں ساکت کھڑی تھیں جیسے کسی نے کھڑے، کھڑے ان کی روح نکال لی تھی۔

"بہت رہ لیا اقرا یہاں یا اپنے گھر جاؤ یا میرے ساتھ چلو۔۔۔ ویسے بھی رقیبوں کا کیا بھروسا۔۔۔" وہ شاویز کو دیکھتے ہوئے اقرا سے مخاطب ہوا۔

"پھر تمہاری اماں جان کے ارادے تو ویسے بھی خطرناک ہیں۔"

"تم جاؤ، ہم آج شام گھر چلے جائیں گے۔" اقرا نے وفا شعار بیوی کی طرح اسے تسلی دی۔

"چلو ٹھیک ہے، میں شام تک انتظار کروں گا۔" وہ مڑنے لگا۔

"سنو۔۔۔" حمزہ کی آواز پر وہ رکا تھا۔

"اسے بھی اپنے ساتھ لے جاؤ۔۔۔ اقرا جاؤ چادر لے کر آؤ۔۔۔" اس نے اچانک فیصلہ کرتے ہوئے کہا تھا۔شاویز جہاں حیران ہوا تھا وہیں زرینہ کے بے جان ہوتے وجود میں حرکت ہوئی تھی۔۔۔ وہ بے اختیار آگے بڑھی تھیں۔

"ایسے کیسے حمزہ۔۔۔؟" وہ بہ مشکل بول پائی تھیں۔

"بیوی ہے وہ اس کی امی۔۔۔ ایسے کیسے کا کیا مطلب۔۔۔؟" وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔

"لیکن لوگ کیا کہیں گے؟" انہیں اپنی آواز پرائی، پرائی لگی تھی۔

"یہ تو آپ کو لالہ کے وقت بھی سوچنا چاہیے تھا ناں امی۔۔۔ اب تو لوگ وہی کہیں گے جو کبھی آپ کہتی تھیں۔۔۔ وقت کتنے خوبصورت انداز میں سب کچھ لوٹاتا ہے ناں امی۔۔۔" طنزیہ نظروں سے ماں کو دیکھتا وہ کاٹ دار لہجے میں بولا تھا۔

زرینہ اس بار کچھ نہ بول پائیں۔آغا اب منتظر کھڑا تھا۔اور زرینہ اس بار سبین کی طرح غرور سے نہیں کہہ پائی تھیں کہ۔۔۔

"میری اقرا نے کچھ نہیں کیا۔۔۔"

☆......☆......☆

"کیا کہہ رہے ہو شیرو؟" بات اتنی بڑی تھی کہ وہ اتنی آسانی سے نہیں یقین کر سکتے تھے لیکن خبر دینے والا شیرو تھا۔جو آج تک خبر لانے میں ہمیشہ سچا رہا تھا۔

"پکی خبر ہے خان۔۔۔ اپنے بندے کو ان کے شہر والے فارم میں رکھوا دیا تھا۔اسی نے ساری معلومات دی ہیں، میں نے لڑکی اور اس کے گھر والوں کے بارے میں بھی کافی معلومات حاصل کر لی ہیں خان۔۔۔" وہ مؤدب لہجے میں بولا۔اس کے لہجے کا اعتماد بتا رہا تھا واقعی خبر پکی تھی۔

''الیکشن کے دن ہیں خان۔۔۔خبر اتنی بڑی ہے کہ چاروں شانے چت گرے گا سہراب علی خان۔۔۔ایسی چوٹ تو ساری عمر اسے نہ پڑی ہوگی۔بس کسی طرح اس لڑکی کے گھر والے مان جائیں۔اتنا اچھا وکیل کریں گے کہ سہراب بچ نہ سکے گا،نہ اس کا بیٹا ضیا۔۔۔سیاست میں تو یہ خاندان ختم ہی ہو جائے گا۔۔۔اور اس کا نام ونشان بھی۔''

''یہ تو واقعی پتے کی بات ہاتھ لگی ہے۔اب آیا ناں اونٹ پہاڑ کے نیچے۔''وہ مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے بولے۔

''سارے بدلے ایک ساتھ چکانے کا وقت۔۔۔ایک،ایک حساب دینا پڑے گا سہراب علی خان کو۔۔۔''وہ تنفر سے کہہ کر ہنسنے لگے تھے،شیرو نے ان کا ساتھ دیا تھا۔



ناول ''محبت لفظ ہے لیکن'' ابھی جاری ہے۔اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی 10 تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

قسط نمبر 9

''ماں باپ کے سامنے بہت سوچ سمجھ کر بولا کرو کیوں کہ کبھی کبھی ان کے سامنے بولا گیا کوئی بھی برا یا اچھا کلام ہماری پوری قسمت پہ حاوی ہو جاتا ہے۔''

آفتاب ولی خان نے زندگی کی ہر آسائش ان ماں، بیٹے کے آگے ڈھیر کر دی تھی، وہ اس خاندان کے محسن تھے۔اور آفتاب ولی خان کا خاندان جانتا تھا کہ محسنوں کی قدر کس طرح کی جاتی ہے۔ ہر طرح کی سہولت کے باوجود بھی اسفند یار کی بیوہ غم نہیں سہہ پا رہی تھیں۔اور روز بروز اُن کی صحت گرتی جا رہی تھی۔سہراب علی خان البتہ اس مملکتِ مختصر میں آ کر بے حد خوش تھا۔یہاں آ کے اسے جو مقام دیا گیا تھا اس کا اسے بخوبی اندازہ تھا۔وہ آفتاب ولی خان کے اکلوتے جاں نشین زریاب ولی خان کی برابری کرنے لگا تھا۔آفتاب ولی خان نے اسے بیٹا کہا تھا،اس صحت مند خوبصورت بچے کو اس بات کا بخوبی ادراک تھا کہ چونکہ یہی خاندان اس سے اس کے باپ کی دوری کا باعث بنا تھا سو اس کی ہر چیز پہ اس کا برابر کا حق تھا۔

آفتاب ولی خان جب بھی بیٹھک پہ جاتے ہمیشہ زریاب ولی خان کو ساتھ رکھتے تاکہ چھوٹی سی عمر سے ہی اسے سرداری کی اونچ نیچ سمجھ آ سکے۔۔۔اسفند یار کی موت کے بعد ہر وقت کھیل کود میں وقت برباد کرنے والا سہراب علی خان بھی زریاب کی طرح ہی کلف لگے کپڑے پہن کے ساتھ جانے کے لیے تیار رہوتا۔کبھی،کبھی اس کی پھرتی آفتاب ولی خان کو بھی ورطہء حیرت میں ڈال دیتی تھی۔اس کی گہری سبز آنکھوں میں عجیب سی ذہانت چمکتی تھی۔

''مجھے تو اس بچے کی آنکھوں سے بہت خوف آتا ہے،آپ کو اسے زریاب کے اتنا قریب نہیں رکھنا چاہیے۔'' زریاب کی ماں اکثر خوفزدہ ہو کر ان سے کہہ بھی دیتیں تو وہ مسکرا دیتے۔

''اوہ پاگل۔۔۔زریاب کی طرح ہی تو ہے،معصوم سا بچہ ہے،اس سے بھی تمہیں خوف آ رہا ہے۔'' وہ انہیں تسلی دیتے۔

''یاد رکھو،خدا محسنوں کو بھول جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

اور۔۔۔بھولی بھالی اماں فوراً کانوں کو ہاتھ لگائے استغفار کا ورد شروع کر دیتیں۔

اور پھر بیٹھک میں بھی وہ آفتاب ولی خان کو اکثر حیران کر دیتا تھا،زریاب کی نسبت وہ زیادہ دلچسپی لیتا تھا ان معاملات میں،زمینداری،بدی داری،(یعنی وہ دشمنی جو نسلوں در نسلوں قتل در قتل چلتی ہے۔) کے معاملات میں خاص طور پر،آفتاب ولی خان نے یہ بھی دیکھا تھا کہ عام بچوں کی طرح وہ صرف سب کچھ جذب ہی نہیں کرتا تھا بلکہ اس اعتماد سے رائے بھی دیتا تھا جیسے ان کا اصل جانشین وہی ہو،زریاب نہیں۔۔۔

صرف چند دنوں میں ہی انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ بچہ اپنی عمر سے کئی سال آگے سوچتا تھا۔ شدت پسند تھا، بدی داری کے معاملات میں نہ صرف غیر ضروری دلچسپی لیتا تھا بلکہ حیران کُن طور پر بدلہ لیے جانے کے حق میں ہی بات کرتا تھا۔ اسے لگتا تھا معافی یا صلح نامے سے متاثرین کے دکھ کا ازالہ ناممکن تھا۔

اس کی بڑھتی عمر کے ساتھ آفتاب ولی خان جیسے یہ ماننے لگے تھے۔۔۔ وہ اسفندیار علی خان، ان کے سگے چچازاد کا بیٹا ضرور تھا، ان کا خون ضرور تھا لیکن واقعی اس میں کچھ غلط تھا، وہ اکثر اسے سمجھاتے بھی لیکن وہ انہیں یوں دلائل دیتا کہ بالآخر انہیں ہی خاموشی اختیار کرنا پڑتی۔

آفتاب ولی خان نے یہ بھی دیکھا تھا کہ سہراب، زریاب سے مرعوب ضرور رہتا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں اس کے لیے پسندیدگی کے رنگ بہت دھیمے تھے، حویلی کے ملازموں میں وہ صرف انہی بچوں کے ساتھ کھیلنا پسند کرتا تھا، جو حد سے زیادہ شرارتی تھے، ان کی شرارت سے نہ انسان محفوظ رہتے تھے نہ حیوان۔۔۔ زریاب جس قدر سلجھی ہوئی اور سمجھدار شخصیت کا مالک تھا، سہراب اسی قدر جلد باز اور منفی سوچ رکھتا تھا، وہ اب بیوی کی بات کو سوچنے لگے تھے، ایک شام ایسا واقعہ ہو گیا کہ ان کو واقعی اپنے فیصلے کے غلط ہونے کا احساس ہو گیا۔

اس دن وہ شام کے کھانے کے بعد چہل قدمی کرتے ہوئے پائیں باغ کی طرف آئے تھے۔ جب انار کے گھنے درخت کے نیچے انہوں نے ماں، بیٹے کو باتیں کرتے دیکھا۔ وہ بلا ارادہ ہی رک گئے۔

''امی، بیٹھک میں سب آدمی سادہ سفید پگڑی پہنتے ہیں اور آفتاب بابا، اتنی اونچی، چمکدار پگڑی۔۔۔ کیوں؟'' وہ ماں سے پوچھ رہا تھا۔ اس کے معصومیت بھرے سوال پر وہ مسکرا دیے تھے۔

''کیونکہ وہ سردار ہیں ناں ہمارے۔۔۔ اور سردار کی پگڑی ہمیشہ اونچی ہوتی ہے تا کہ اس علاقے کے سردار کی پہچان ہو سکے۔''

''اچھا۔۔۔'' وہ سمجھنے کے انداز میں سر ہلاتا بولا تھا۔

''مورے۔۔۔ بابا کے بعد یہ پگڑی کون پہنے گا؟'' وہ مڑنے لگے تھے جب اس کا سوال سن کر رک گئے تھے۔

''ظاہر ہے زریاب بابا۔'' نخیف سی ماں نے ہاتھوں کے پیالے میں اس کا خوبصورت چہرہ تھامتے ہوئے کہا۔ شام کے مدھر اجالے میں اس کی گہری سبز آنکھیں لہو رنگ سی ہوئیں۔

''اور میں مورے۔'' سوال بالکل اچانک تھا۔

''تم زریاب کا دایاں ہاتھ بنو گے ناں سہراب۔۔۔ اپنے بابا کی طرح۔۔۔ جس طرح وہ آفتاب لالہ کے ساتھ رہتے تھے۔''

''نہیں مورے۔۔۔ مجھے بابا کی طرح نہیں بننا۔۔۔ مجھے آفتاب بابا کی طرح بننا ہے۔ اونچی پگڑی والا۔۔۔ سردار خان۔۔۔''

''سہراب۔۔۔ ایسا نہیں بولتے بچے۔۔۔'' انہوں نے حیرت سے بچے کو خود میں سمو لیا تھا۔

اور وہاں سے بِنا آہٹ کیے واپس پلٹتے آفتاب ولی خان نے پہلی بار سوچا تھا۔ وہ واقعی اس بچے کو پہچاننے میں غلطی کر گئے تھے۔

انہیں وہ رات اچھی طرح یاد تھی جب اماں جی نے انہیں بتایا تھا۔

”اس بچے کی آنکھیں اس کا اندر کھول دیتی ہیں آفتاب خان۔۔۔اس کی تیز، روشن آنکھوں سے اس کا من جھانکتا ہے، وہ بچہ نہیں ہے۔۔۔ بلا کا شیطان ہے۔ یاد رکھنا خان۔۔۔تاریکی صرف رات کی نہیں ہوتی، تاریکی دل کی بھی ہوتی ہے۔ کالی شالا۔۔۔گھپ اندھیرا، جس طرح رات کا اندھیرا اجالے کو نگل لیتا ہے۔ ویسے ہی من کا اندھیرا ہر نیکی، ہر احسان کو نگل جاتا ہے۔ مجھے تو لگتا ہے، زریاب کل کو اس کی وجہ سے مشکل میں پڑنے والا ہے۔“ وہ ان کو سمجھا رہی تھیں اور وہ خاموشی سے سنے جا رہے تھے۔

”میں نے دیکھا ہے، جب وہ دونوں کھانا کھانے بیٹھتے ہیں ناں۔۔۔تو سہراب کسی نہ کسی طرح زریاب کی پلیٹ سے ہر اچھی چیز اٹھا لیتا ہے۔۔۔اور سیانوں کا قول ہے کہ دوست، دشمن کا فرق کھانے کی میز پر ہی پتا چل جاتا ہے، نوالے اور بوٹی پہ نظر رکھنے والا کبھی تیرا دوست نہیں بن سکتا۔“

اس رات انہیں وہ ساری باتیں صفر لگی تھیں۔ لیکن اب انہیں اپنے فیصلے پر افسوس ہونے لگا تھا۔ اب سب کچھ سمیٹنا بہت مشکل تھا۔ سہراب علی خان اس حویلی میں جگہ بنا چکا تھا۔ اور حویلی سے باہر کے لوگ بھی اب اسے ان کا بیٹا مانتے تھے، بہرحال وہ سردار تھے۔ اور سردار فیصلہ لینے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں، انہیں بھی اب جلد از جلد کچھ سوچنا تھا۔

☆......☆......☆

وہ انہیں نہیں جانتا تھا لیکن جس شخص کے بارے میں وہ اطلاع لائے تھے، اسے ان سے کسی تعارف کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ وہ اس وقت بغور انہیں اس طرح سن رہا تھا جیسے وہ واقعی اس کے ہمدرد ہوں، غمگسار، بہت پرانے دوست۔۔۔

”سہراب علی خان وہ شیطان ہے جو کسی کو بھی نگل سکتا ہے۔ اور ایسا ہی اس کا بیٹا۔۔۔تمہاری بہن اس کے فارم ہاؤس تک کیسے پہنچی۔۔۔ یہ سب تم یا تمہاری بہن بتاؤ گے۔ ہم تمہیں صرف ان ظالموں تک رسائی دیں گے۔ ہماری این جی او نہ صرف تمہاری بہن کو بلکہ تمہاری ساری فیملی کو سپورٹ کرے گی۔ در پردہ مقدمہ اور اس کا سارا خرچہ بھی ہم اٹھائیں گے۔۔۔ ہوسکتا ہے فیصلہ آنے کے بعد تمہاری ساری فیملی کو ہمارا خان کسی دوسرے ملک بھی سیٹل کروا دے۔ فی الحال تمہیں اپنی بہن کو اس پریس کانفرس میں پیش کرنا ہوگا جس کا سارا انتظام ہم کریں گے۔ تمہیں صرف اپنا دکھ، اپنا میسج بیان کرنا ہے۔ باقی کام ہم پہ چھوڑ دو، ہمارا مقصد اور تمہارا مقصد صرف ایک ہے۔ تمہاری بہن کے مجرم کی تباہی۔۔۔اور ہمارا ساتھ دے کر تم اعلیٰ اسٹیٹس بھی حاصل کر سکتے ہو اور اعلیٰ شخصیات کی ہمدردی بھی۔۔۔ فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔“ گن بردار آدمی نے ایک کارڈ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔

”جب بھی فیصلہ کر لو اس نمبر پر رابطہ کر لینا۔ سہراب علی خان سے انتقام کی اس جنگ میں تم ہمارا ساتھ دو، ہمیں اچھا لگے گا۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اور دروازے کے سامنے سے گزرتی سبین کے قدم لوہے کے ہوئے تھے۔

''سہراب علی خان۔'' خوف سے ان کا دل دھڑکنا ہی بھول گیا تھا جیسے، انہوں نے جھٹ سے گرتے وجود کو سنبھالنے کے لیے دیوار کا سہارا لیا تھا۔۔۔اندر کون تھا، انہیں غرض نہ تھی لیکن وہ بات کس معاملے پر کر رہے تھے۔انہیں یہ سمجھنے میں وقت نہیں لگا تھا، وہ مرے مرے قدموں سے لالہ کے کمرے کی طرف آئیں۔لالہ بستر پر پڑی تھی۔دروازے کی طرف اس کی پشت تھی۔وہ چل نہیں پا رہی تھیں۔تبھی بہ مشکل کانپتی ٹانگوں سے اس کے قریب بیڈ پر اپنا وجود گرا سا لیا تھا، لالہ نے چونک کر پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔اس کی پلکیں اب بھی نم تھیں۔سبین کا دل کسی نے مٹھی میں کر لیا۔

''لالہ۔۔۔'' وہ بہ مشکل اسے پکارتے ہوئے بولیں۔

''سہراب لالا۔۔۔؟'' لالہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ان کے سوکھے خشک ہونٹ ذرا سا کپکپائے تھے۔اور کتنے دنوں کی ٹوٹی پھوٹی، خاموش سی لالہ ایک دم اُن کے گلے لگ کے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔سبین کے روتے، بلکتے، لرزتے وجود کو اسے سنبھالنے میں خود وقت کا سامنا تھا۔

''تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا لالہ۔۔۔میری بد نصیبی، میرے بخت کی سیاہی تجھے لوٹ ہی گئی میری بچی۔۔۔'' وہ منہ پہ دونوں ہاتھ مارتے بین کرتے ہوئے بولیں۔اماں گھبرائی سی شور کی آواز سن کر اُن کی طرف آئی تھیں اور ماں بیٹی کو اتنے عرصے بعد یوں ایک دوسرے سے لپٹے دیکھ کر وہیں جم سی گئیں۔

''نہیں امی۔۔۔میں تو ساری عمر آپ کو طعنے مارتی رہی۔۔۔آپ کو اپنا مجرم ٹھہراتی رہی۔۔۔آپ کی نافرمانی کی ہی تو سزا ملی ہے مجھے امی۔۔۔کہ خدا نے خود میری ذات اس شیطان کے سامنے لا کھڑی کر دی امی۔۔۔'' وہ سسک سسک کے ماں کے ہاتھ چوم رہی تھی۔

''وہ مجسم شیطان، میں نے جب اپنی آنکھوں سے دیکھا امی۔۔۔تو پہلی بار میرا دل کیا کہ کاش وہ مجھے مار دے۔۔۔میرا آپ سے سامنا نہ ہو امی۔۔۔میں آپ کو کیا، کیا کہتی رہی۔۔۔بد کردار۔۔۔گھر سے بھاگی عورت۔۔۔مجھے ماریں امی۔۔۔ابھی اور اسی وقت میرا وجود توڑ پھوڑ ڈالیں۔'' وہ ماں کے ہاتھ لے کر اپنے چہرے پر مارنے لگی۔

''لالہ۔۔۔'' سبین نے اسے زبردستی خود میں بھینچ لیا تھا۔

''میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی سہراب لالا۔۔۔میرا خدا آپ کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔'' وہ زور، زور سے رونے لگی تھیں۔

لالہ ان کی گود میں سر چھپائے الگ سسک رہی تھی۔اماں نے آگے بڑھ کر سبین کا سر خود سینے سے لگا لیا تھا۔وہ اب بھی خوش قسمت تھے۔دعا ان کے ساتھ تھی۔

☆......☆......☆

آئینہ ٹوٹنے کا شور بے حد زیادہ تھا۔وہ بھاگتی ہوئی لاؤنج میں آئی تھی۔گلاس ونڈو کے سامنے ضیا کھڑا تھا۔گلاس مکمل طور پر ٹوٹ چکا تھا۔

''کتنے آئینے توڑو گے خان۔۔۔؟'' وہ دھیرے دھیرے چلتی اس کے قریب آ کے بولی۔

ضیا نے زخمی نظروں سے اسے دیکھا تھا پھر نظریں پھیر لیں۔

''جس آئینے میں بھی اس کا عکس نظر آئے گا۔'' بھاری، تھکن سے چور لہجہ۔۔۔

''باہر کے آئینے توڑنے سے دل پہ جمے عکس کہاں پیچھا چھوڑتے ہیں۔'' وہ اداس لہجے میں بکھرے کانچ کے ٹکڑوں کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''کیوں زمزمہ۔۔۔؟ کیوں۔۔۔؟'' وہ بالکل اچانک اس کی طرف مڑا تھا کہ وہ گھبرا سی گئی تھی۔

''جس سے میں شدید نفرت کرتا تھا جو اتنے سالوں سے میرے باء جی کی تکلیف کا باعث بنے تھے۔مجھے ان کے لیے اتنا برا کیوں محسوس ہو رہا ہے۔نفرت پر کچھ اور غالب کیوں آنے لگا ہے، کیوں اس کے نرم ہاتھ، معصوم لب مجھے سونے نہیں دیتے۔۔۔ضیا علی خان اس قدر ارزاں تو نہیں تھا۔۔۔وہ تو ارادوں کا پکا تھا۔کھیل کھیلتا تھا، جیت جاتا تھا، یوں کبھی محصور نہ ہوتا تھا، کیا ہے یہ۔۔۔؟ کیوں میری نفرت کمزور پڑنے لگی ہے۔'' وہ اس کا بازو پکڑے اسے جھنجوڑتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

زمزمہ کچھ دیر خاموشی سے اس کی خوب صورت گہری آنکھوں میں دیکھتی رہی تھی۔ ہر وقت کِھلا رہنے والا چہرہ کس قدر مرجھانے لگا تھا۔بڑھی شیو اور کندھوں کو چھوتے الجھے بال، اس کا حلیہ کس قدر رف ہو رہا تھا۔مرد ہونے کے باوجود وہ سنبھل نہیں پا رہا تھا، خود کو سنبھال نہیں پا رہا تھا۔۔۔تو لالہ۔۔۔اس کا کیا حال ہوگا؟ اسے تاسف گھیرنے لگا۔

''میں نے تو سمجھایا تھا آپ کو خان۔۔۔آپ اس سے نفرت نہیں، محبت کرتے ہیں، آپ کی ایک، ایک ادا پر تحریر ہوتا تھا، آپ کے ایک، ایک نقش میں اس کا عکس جگمگاتا تھا۔۔۔آپ تو خود ہی نظریں چراتے رہے خان۔۔۔'' وہ تاسف سے اس مضبوط مرد کو دیکھتے ہوئے بولی تھی جو بالکل اجڑ چکا تھا۔

''کتنی دیر کر دی ناں خان آپ نے۔۔۔سب کچھ تباہ کر دیا۔۔۔کتنا مان تھا ناں آپ کو اپنے کردار پر۔۔۔آپ کے ہوتے ہوئے کوئی کسی کو انگلی بھی نہیں لگا سکتا اس عمارت میں۔۔۔اور آپ نے خود ہی۔۔۔''اس کی آنکھیں نم ہونے لگی تھیں۔دل میں درد سا جاگا تھا، ضیا اسے بھی تو عزیز تھا۔اور اس کے لیے تو وہ فرشتوں جیسا تھا۔

''کاش آپ سہراب علی خان کے بیٹے نہ ہوتے خان۔۔۔''اس نے سرگوشی میں کہا تھا لیکن ضیا نے واضح سن لیا تھا، وہ مٹھیاں بھینچ گیا۔

''کہا تھا میں نے خان۔۔۔'' وہ واپس سیڑھیوں کی طرف مڑتے ہوئے بولی تھی۔

''یہ لفظوں کی شرارت ہے۔۔۔سمجھ کر کچھ بھی لکھنا تم،

محبت لفظ ہے لیکن۔۔۔یہ اکثر ہو بھی جاتی ہے۔''

وہ گنگناتے ہوئے اوپر چلی جارہی تھی اور ضیا وہیں بکھری کرچیوں کو تکتا صوفے پر ڈھے سا گیا تھا۔

☆......☆......☆

اس کی بات پر نہ صرف لالہ بلکہ اماں اور سبین بھی شاکڈ رہ گئی تھیں۔

''یہ تم کیا کہہ ہو شاویز۔۔۔؟'' اماں نے گرجدار آواز میں کہا۔

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نانو۔۔۔'' وہ ان کے غصے کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے آرام سے بولا تھا۔

''ایک حادثہ ہو چکا ہے، ہم اسے ٹھیک نہیں کر سکتے۔اس وڈیرے کا کچھ بگاڑ بھی نہیں سکتے لیکن خود تو کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔''

اس نے زیادتی کی انتہا کر دی تھی۔لالہ کا دل درد سے پھٹنے کے قریب تھا۔

''سارے ملک کی ہمدردیاں ہمارے ساتھ ہوں گی، ہر طرح کے فنڈز ملیں گے۔۔۔ملک کی ساری بڑی این جی اوز کی سپورٹ ملے گی ہمیں۔۔۔اور اس طرح ہم اس سردار کو بھی سبق سکھا دیں گے۔''

''بس۔۔۔ایک لفظ اور مت بولنا شاویز۔۔۔'' سبین ضبط نہ رکھتے ہوئے کمرے سے باہر نکلیں تو نانو نے چیختے ہوئے شاویز کو مزید بولنے سے منع کیا تھا۔

''ابھی بات اتنی نہیں پھیلی۔تم اسے ساری دنیا میں پھیلانا چاہتے ہو؟''

''بات پھیلتے کون سی دیر لگتی ہے نانو۔۔۔پھر جو ہونا تھا ہو چکا۔۔۔لالہ کی پاک دامنی واپس نہیں آسکتی۔۔۔تو کیا برا ہے کہ گناہ گار کو نقصان اور ہم اس موقع سے تھوڑا سا فائدہ اٹھا لیں۔''

''شاویز۔۔۔'' نانو نے اٹھ کر اس کے گال پر تھپڑ رسید کیا تھا۔۔۔وہ حیرت سے گنگ گال پر ہاتھ رکھے انہیں دیکھے گیا۔

''میں نے سوچا تھا، سبین کی تربیت نے تم سے وہ ساری غلاظت نکال لی ہوگی جو تمہارے باپ کے خون کے ذریعے تم میں شامل ہوئی تھی۔'' نانو غصے سے کانپنے لگی تھیں۔ان کا کمزور ضعیف وجود ہلکورے لینے لگا تھا۔لالہ کے آنسو متواتر اس کا دامن بھگوئے جا رہے تھے۔

''لیکن سچ کہا ہے کسی نے، اُرسی کرسی۔۔۔کندا پرے تے ٹرسی۔۔۔(جو بھی ہو دیوار بنیاد پر ہی کھڑی ہوتی ہے) ٹیڑھی بنیاد تو ٹیڑھی دیوار، سیدھی بنیاد تو سیدھی دیوار۔۔۔میں نے سوچ بھی کیسے لیا کہ تم باپ سے الگ نکلو گے۔''

''نانو۔۔۔'' وہ دکھ سے انہیں دیکھے گیا جیسے وہ اسے سمجھنے میں غلطی کر رہی ہوں۔

''میں تو ہم سب کا بھلا چاہتا ہوں، آپ خود سوچیں لالہ اور ہماری کیا عزت رہی ہے۔اس طرح کم از کم۔۔۔''

''کیا اس طرح۔۔۔اس طرح باقی بچی عزت کا بھی تم جنازہ نکالنا چاہتے ہو۔''اس نے وجود کی طرح ان کی آواز بھی کپکپا رہی تھی۔

''لالہ۔۔۔لالہ تم تو سمجھو۔۔۔''وہ سر جھکائے نیر بہاتی لالہ کے قریب آیا۔

''ہم چند دنوں میں کہاں سے کہاں پہنچ جائیں گے۔''لالہ نے سر اٹھایا، اس کی نگاہیں لہو رنگ تھیں، شکوہ، شکایت، بے حسی، لاچاری کتنے ہی رنگ اس وقت اس کی آنکھوں میں بیک وقت پڑھے جا سکتے تھے۔

''میں جانتی ہوں شاویز۔۔۔''اس کی آواز ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھی۔اس کا لہجہ بھی نم تھا۔

''میں ریپ وکٹم ہوں۔۔۔ساری عمر اپنی ماں کے کردار کی دھجیاں بکھیرنے والی ساری عمر اپنے بلند کردار کی بات کرتی رہی۔۔۔دعویٰ کرتی رہی کہ میں دکھاؤں گی، کیسے عورت خود کو بلند رکھ سکتی ہے۔اور دیکھو میرے ساتھ کیا ہوا۔''اس نے دونوں ہاتھ یوں پھیلائے تھے جیسے سب کچھ لٹا چکی ہو۔وہ خالی ہاتھ ہو۔۔۔تہی دامن۔۔۔

''میرے ساتھ جو کچھ بھی ہوا، میری ماں کو دی گئی میری ہر گالی، ہر سخت لفظ، ہر کڑوے بول کا حساب ہے اور خوش قسمت ہوتے ہیں وہ لوگ جو اسی دنیا میں حساب کا شکار ہو جاتے ہیں، مجھے قدرت کی یہ سزا منظور ہے، ساری عمر امی کو دینے والے طعنے اب میں چپ کر کے سہہ لوں گی لیکن۔۔۔''اس نے ہاتھوں سے رگڑ رگڑ کر گیلا ہوتا چہرہ صاف کیا تھا۔

''یہ سب خدا کی طرف سے ہے، عزت، ذلت صرف میرے رب کے ہاتھ میں ہے۔وہ جانتا ہے میں اس گناہ میں شریک نہیں، میں گناہ گار نہیں، میرے ساتھ ہونے والے ظلم کا حساب بھی وہی کرے گا۔میرا پردہ وہی رکھے گا۔۔۔لیکن میں خود اپنے ہاتھوں سے اپنا تماشا ہر گز نہیں بنانے دوں گی۔''اس کا لہجہ اٹل تھا، شاویز لب کاٹ رہ گیا تھا۔نانو نے اٹھ کر سسکتی لالہ کو سینے سے لگا لیا تھا۔

☆......☆......☆

اور گہری سبز آنکھوں والے اس بچے نے، سہراب علی خان نے نہ جانے کیسے ماں کے شانے پر سر رکھتے ہوئے آفتاب ولی خان کو وہاں سے پلٹتے دیکھ لیا تھا، ان کے قدموں کی سستی سے وہ اچھی طرح جان گیا تھا کہ وہ اس کی اور مورے کی باتیں سن چکے تھے۔اور اسے امید تھی کہ وہ جلد از جلد کوئی فیصلہ سنائیں گے۔بہر حال وہ مطمئن تھا آفتاب ولی خان احسان فراموشوں میں سے ہر گز نہیں تھے۔وہ بھی اس کے لیے کچھ نہ کچھ اچھا ہی کرتے۔

اور واقعی انہوں نے ان کے بابا کی قربانی کا حق ادا کر دیا تھا۔انہوں نے ایک قریبی قصبے کی ساری زمین نہ صرف سہراب علی خان کے نام کر دی تھی بلکہ وہاں موجود گھر بھی ان کو دے دیا۔اور ان کی رہائش کا سارا بندوبست بھی وہیں کر دیا۔

''میرے خیال میں بی بی، اس طرح سہراب اپنی ذمّے داریوں کو بھی سمجھے گا اور آپ کو بھی پریشانی نہیں ہو گی۔''انہوں نے

سارے انتظامات کرنے کے بعد سہراب کی امی سے کہا تھا۔

''ملازمائیں بھی آپ کے ساتھ جائیں گی اور دوسرے ملازم بھی ہر وقت سہراب کے ساتھ رہیں گے۔ جب تک سہراب میٹرک نہیں کر لیتا اس کے سارے تعلیمی اخراجات بھی میں خود اٹھاؤں گا۔ آگے پڑھے گا تو بھی اس کا ذمہ میں اٹھاتا ہوں۔''

اسفندیار کی بیگم تو تشکر کے آنسو لیے اس گھر سے رخصت ہوئی تھیں لیکن وہ زہریلی آنکھوں والا لڑکپن کی حدیں چھوڑتا لڑکا سخت ناراض تھا۔

''آفتاب بابا نے ہمارے ساتھ اچھا نہیں کیا۔'' اس بار اس نے صرف خود سے شکایت کی تھی۔

یہ پہلی بار تھا جب اس نے صرف خود سے شکایت کی تھی۔ ورنہ وہ نہ صرف ڈائری میں لکھتا بلکہ اماں سے بھی ضرور بات کرتا۔ اس دن کے بعد اس نے خود سے وعدہ کیا تھا، سہراب علی خان کی بات صرف اس تک ہی محدود رہے گی۔

قسمت نے ایک بار پھر اس کا ساتھ دیا تھا۔ صرف ایک مہینے بعد ہی امی کو ہارٹ اٹیک ہوا، وہ جانبر نہ ہو سکیں اور سہراب کی یارت (وصیت یا ہدایت کرنا) آفتاب ولی خان کو دے گئیں، صدمہ اس قدر شدید تھا کہ اس بار آفتاب ولی خان نے ذرا بھی نہ سوچا تھا اور سہراب علی خان کو گھر لے آئے تھے۔

''آج کے بعد میرے دو بیٹے ہیں، زریاب اور سہراب کوئی ان میں فرق نہ رکھے اور یہ دونوں میری ہر چیز کے مشترکہ وارث ہوں گے۔'' شام کو بچوں کے درمیان بیٹھے انہوں نے سب کو سمجھایا تھا اور وہ سب آفتاب ولی خان کے بچے تھے، فوراً سمجھ گئے تھے، سب سے بڑے زریاب نے فوراً اسے گلے لگا لیا تھا۔

اس دن کے بعد سہراب علی خان اس گھر کا بیٹا تھا، زریاب سب سے بڑے تھے۔ سبین سب سے چھوٹی اور ان سے بڑی نگین۔۔۔ اور وہ سبھی بہن، بھائی سہراب کی صورت بھائی مل جانے پر بے حد خوش تھے۔

وقت نے اڑان بھری تھی۔ زریاب اور سہراب کی شادیاں ہو گئیں۔۔۔ زریاب ولی خان کا بیٹا پیدا ہوا۔۔۔ ساری حویلی میں خوشیاں دوڑ گئیں۔۔۔ ساری رات جشن کا سا سماں رہا، شادیانے بجتے رہے۔۔۔ دور، دور سے لوگ مبارکباد کے لیے آتے رہے۔۔۔ اور سہراب علی خان اس دن سارا وقت اندر ہی اندر بل کھاتے رہے۔ آفتاب ولی خان اس قدر خوش تھے کہ اپنی حدود کے آخری دو قصبے زریاب کی بیوی جنت بی بی کے نام کر دیے تھے۔

''کان کھول کر سن لو۔۔۔ مجھے بھی صرف بیٹا چاہیے۔'' اس رات سونے سے پہلے انہوں نے بیوی صنوبر کے پیٹ پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس قدر سخت لہجے میں کہا تھا کہ وہ دھک سے رہ گئی تھیں۔ یہ روپ سہراب علی خان کا انہوں نے پہلی بار دیکھا تھا۔ اور وہ اس ساری رات سو نہ سکی تھیں۔

اور صرف تین ماہ بعد خوب صورت سی اوزگل ان کی گود میں آئی تھی۔ آفتاب ولی خان اسی قدر خوش تھے، جس قدر اپنے پوتے کی پیدائش پر۔۔۔ انہوں نے روایت برقرار رکھتے ہوئے حویلی کی پہلی بچی کے نام بھی اتنی زمین کر دی تھی۔۔۔ جتنی پہلے سپوت کو دی تھی۔

''کتنے اچھے ہیں ناں داجی۔۔۔'' صنوبر نے شام کو ان کے کمرے میں آتے ہی مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''لیکن وارث تو ان کا پوتا ہی ہو گا ناں۔۔۔ تم نے تو بچی پیدا کر لی۔''

''خان یہ تو اللہ کے فیصلے ہوتے ہیں۔''

''کمزور لوگ یہی کہہ کر ہار مان لیتے ہیں۔۔۔ لیکن میں کمزور نہیں ہوں، میں اپنے فیصلے خود کرتا ہوں۔'' انہوں نے تکبر سے کہا تھا۔ صنوبر دل تھام کر رہ گئیں۔

''اور اسے ہٹاؤ میرے سامنے سے۔۔۔ دور سلایا کرو۔۔۔'' انہوں نے ساتھ لیٹی اوزگل کو نفرت سے تکتے ہوئے تنفر سے کہا۔

صنوبر نے فوراً ننھی سی جان کو اٹھا کر گود میں بھر لیا تھا۔

☆......☆......☆

''تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے شاویز۔۔۔'' اس نے باریال سے اپنا فیصلہ شیئر کیا تھا۔ وہ تو بھڑک ہی اٹھا تھا۔

''لڑکیوں سے متعلق ویسے بھی سارے معاملات کس قدر نازک ہوتے ہیں۔۔۔ اور تم۔۔۔ تم خود اس حادثے کی تشہیر کرنا چاہتے ہو۔'' باریال کے لہجے میں دکھ تھا۔

''ہاں۔۔۔ تمہیں کیا لگتا ہے، یہ سارا معاملہ چھپا ہوا ہے؟''

''ہاں فی الحال تو واقعی ایسا ہے اور جس قدر پردہ رہتا ہے رہنے دو شاویز۔۔۔ اپنے گھر کی عزت یوں کون اچھالتا ہے یار۔۔۔''

اسے واقعی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ شاویز جیسا لڑکا اس قدر رزیل سوچ رکھ سکتا ہے۔ تاسف کے ساتھ غصہ سا بھر رہا تھا اس کے دل میں۔

''آج کل ہر چیز کیش کرنے کا دور ہے اگر ہمیں موقع مل رہا ہے تو ہم پیچھے کیوں رہیں۔''

''فار گاڈ سیک شاویز۔۔۔''

''پھر تم بتاؤ میں کیا کروں۔۔۔ لوگوں کو منہ دکھانے کے قابل تو میں ویسے ہی نہیں رہا۔''

''صرف خدا پہ بھروسا کرو۔۔۔ سب ٹھیک ہو جائے گا یار۔۔۔'' اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے باریال نے اسے تسلی دی تھی۔۔۔ وہ لب کچل گیا تھا۔

☆......☆......☆

اسے واقعی شاویز کی سوچ پر افسوس ہوا تھا۔ وہ اپنے ذرا سے فائدے کے لیے اس قدر بھی گر سکتا تھا کہ اپنی ہی بہن سے اس کے

ساتھ پیش آنے والے حادثے سے بھی فائدے کا سوچ سکتا تھا۔ خود اس نے دیدے تک سے یہ بات چھپائی تھی۔ بلکہ بار، بار شاویز کو بھی یہی تلقین کرتا رہا تھا۔ جس قدر لالہ کو وہ جانتا تھا وہ اچھی سلجھی ہوئی لڑکی تھی۔ کام سے کام رکھنے والی، باوقار سی شخصیت کی مالک۔۔۔ اسے یقین تھا کہ وہ ہرگز کوئی غلط قدم نہیں اٹھا سکتی تھی۔ اور اب جب سب کچھ کلئیر ہو چکا تھا اسے کسی امیر ماں، باپ کی بگڑی اولاد نے رول کے رکھ دیا تھا تو باریال کے دل میں اس کے لیے ہمدردی ہی ہمدردی تھی۔

اسے اس پیاری سی لڑکی کے لیے سچ میں افسوس محسوس ہوا تھا۔ وہ خود کتنے ہی دن ڈسٹرب رہا تھا۔ امن نے بہر حال اس صورتِ حال میں اس کا سارا کام بخوبی سنبھالا تھا۔ اور اب شاویز کی سوچ جان کر وہ مزید تاسف میں گھر گیا تھا ایک تو تباہ حال لڑکی، اوپر سے گھر والوں کا یہ پریشر، اس کی حالت واقعی قابلِ رحم تھی۔ وہ لاکھ خود کو کام میں مصروف رکھتا، وہ سادہ سی معصومیت لیے لڑکی اس کے حواسوں پر سوار رہتی۔

''کاش میں اس کے لیے کچھ کر سکتا۔'' بے بسی سے وہ صرف سوچ کے رہ جاتا۔ اور کبھی، کبھی قدرت ہماری قسمت میں وہی لکھ دیتی ہے جیسا ہم سوچتے ہیں، شاید باریال کے ساتھ بھی ایسا ہونے لگا تھا لیکن اسے خبر نہ تھی کہ۔۔۔

☆......☆......☆

''وہ تو تھی ہی بے عقل۔۔۔ تم ہی عقل کر لیتے حمزہ۔۔۔'' زرینہ تو صبح شام کا چین کھو بیٹھی تھیں۔ کتنے ارمان تھے ان کے دل میں اقرا کی شادی کے۔ کتنے ہی سوٹ انہوں نے بنوار کھے تھے۔ حمزہ کے غصے نے ان کے خواب چکنا چور کر دیے تھے۔

''ٹھیک ہے غلطی ہو گئی اس سے۔ ہم سدھار بھی تو سکتے تھے۔'' وہ نم لہجے میں بولیں۔

''جیسے لالہ سے غلطی ہو گئی۔'' حمزہ نے زخمی لہجے میں کہا۔

''سدھار سکتی ہیں اس کی غلطی۔۔۔ میں اب بھی اسے اپنانے کے لیے تیار ہوں۔'' اس کی آواز میں طنز ابھر آیا تھا۔

''نام نہ لینا اس منحوس کا۔۔۔ میری اقرا کو بھی اسی نے شہہ دی ہے۔'' سدا کا تنفر پھر سے لہجے میں بھر گیا تھا۔

''کاش کبھی دوسروں کی بیٹیوں کی عزت کی ہوتی آپ نے تو آپ کی اور ہماری عزت یوں خراب نہ ہوتی۔''

''عزت ہماری خراب ہوئی ہے یا اس لالہ نے کی ہے ملیا میٹ سارے خاندان کی عزت۔۔۔ میری اقرا کی تو جوتی کے برابر بھی نہیں ہے وہ۔'' حمزہ تاسف سے انہیں دیکھے گیا۔

''آغا جیسے لڑکے کے لیے وہ ہم سب کے منہ پر تھوک کے چلی گئی ہے امی۔۔۔ کس بات کا غرور ہے پھر اب بھی آپ کو؟'' لب کاٹتے ہوئے تنفر سے کہتا وہ باہر چلا گیا تھا۔ زرینہ بڑبڑاتے ہوئے دوبارہ بین کرنے لگیں۔

☆......☆......☆

حادثہ بہت بڑا تھا لیکن وہ بھی بے حد بہادر تھی۔۔۔ سنبھلنے لگی تھی۔۔۔ پہلے جیسی تو وہ نہیں رہی تھی لیکن بہر حال وہ کمزور بھی نہیں

تھی۔ اسے خود کو باور کرانا تھا جو کچھ بھی ہوا تھا وہ اسے بھلا سکتی تھی۔۔۔ یا کم از کم بھولنے کی کوشش تو کر ہی سکتی تھی۔۔۔ لیکن پھر بھی اندر کی ٹوٹ پھوٹ اس قدر زیادہ تھی کہ بار، بار اس کی پلکیں نم ہو جاتیں۔ بار، بار دل میں خلش سی جاگتی، کاش وہ ماں کی بات مان لیتی اور کبھی یونیورسٹی نہ جاتی۔ کاش ضیا کبھی یونیورسٹی نہ آتا۔۔۔ یا وہ ہی اسے دیکھتے ہی پہچان لیتی۔۔۔ اس کی آنکھوں کے رنگ سمجھ کے بھی انہیں اگنور نہ کرتی یا جس دن اس کے اور ضیا کے حوالے سے بات شروع ہوئی تھی یونیورسٹی میں، کاش وہ اسی روز یونیورسٹی چھوڑ دیتی۔

لیکن کاش کہاں پورا ہوتا ہے۔۔۔

کاش کا تو مطلب ہی ایسی حسرت ہے کہ جو انسان کے ساتھ ہی دم توڑتی ہے۔۔۔ اسے بھی شاید اب اپنے آخری دم کا انتظار کرنا تھا۔

نمرہ کو پتا چلا اس کی واپسی کا تو وہ اسی وقت اسے ملنے چلی آئی تھی۔ لالہ اس سے نظریں نہیں ملا پا رہی تھی لیکن اندر ہی اندر خود کو مضبوط بھی کر رہی تھی۔ اسے خود کو نارمل رکھنا تھا۔

”تم ٹھیک تو ہوناں لالہ۔۔۔؟“ کافی دیر کی خاموشی کے بعد نمرہ نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

”بالکل۔۔۔“ وہ مصنوعی مسکراہٹ لبوں پر سجاتے ہوئے بولی تھی۔ نظریں البتہ ہنوز جھکی تھیں۔

”لالہ اتنی کمزور نہیں کہ ضیا کے ذرا سے فلرٹ سے دل ہار کے بیٹھ جائے۔ لیکن پھر بھی میں خود کو کچھ وقت دینا چاہتی ہوں۔“ وہ پاؤں کے انگوٹھے سے کارپٹ کا سرا دباتے ہوئے بولی۔

”مجھے سچ میں حیرت ہے لالہ۔۔۔ تم جیسی لڑکی جو ماں کو بھی ہر وقت اپنے لیے طعنہ کہا کرتی تھی۔ یہ قدم کیسے اٹھا سکتی ہے۔“ نمرہ کے لہجے میں طنزیہ کاٹ تھی۔

لالہ کی بائیں آنکھ سے ایک آنسو لڑھکتا اس کے دوپٹے میں کہیں جذب ہو گیا۔

”میں بھی خود کو ایسا ہی سمجھتی تھی نمرہ۔۔۔ لیکن یہ دل ہے ناں۔۔۔ یہ کبھی، کبھی ہمیں یونہی بے اختیار کر دیتا ہے۔ مجھے بھی خبر نہ ہوئی کب میں نے ضیا کا ہاتھ تھام لیا۔“ جھوٹ بولتے ہوئے اس کا دل درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ وہ اپنے زخم چھپانے کے لیے سارا الزام اپنے سر کتنے آرام سے لے رہی تھی۔ حالانکہ دل کر رہا تھا چیخ، چیخ کر نمرہ کو ضیا کی حقیقت بتائے۔۔۔ جو اسے ہمیشہ اچھا سمجھتی تھی۔۔۔ لیکن وہ یہ نہیں کر سکتی تھی۔ سبین نے ہی تو اسے سمجھایا تھا۔

”سارے پردے عورت کی زبان چاک کرتی ہے۔ اپنے دل اور زبان کو قابو میں رکھنا لالہ۔۔۔ اللہ پردہ رکھنے والا ہے۔ وہ ہماری بھی عزت رکھے گا۔“

اور اس بار اسے ماں سے کوئی گلہ نہ تھا۔ اس نے ان کی بات رکھ لی تھی۔ نمرہ جیسی دوست کو بھی اپنے لٹنے کا وہ نہیں بتا سکتی تھی۔

''یہ تو اللہ کا شکر ہے کہ مجھے وقت پہ ضیا کی اصلیت پتا چل گئی۔ اور میں نے اپنی راہیں جدا کر لیں، ورنہ واپسی کے سارے راستے بند ملتے۔'' اس کے طویل جواب پر نمرہ کافی دیر خاموشی سے اس کا بجھا بجھا چہرہ تکتی رہی۔

''یونیورسٹی کب تک جوائن کرو گی؟'' کافی دیر بعد اس نے پوچھا تھا۔

''ابھی نہیں، ویسے بھی فائنل ہونے والے ہیں۔ اب شاید ایگزامز میں ہی appear ہوں۔'' اس نے پیر سے کارپٹ کریدنے کا عمل جاری رکھا تھا۔

''Allah bless you Lalaa'' نمرہ اٹھتے ہوئے بولی تھی۔

''آمین۔۔۔'' وہ مسکرا نہ سکی تھی۔

☆......☆......☆

وہ جس قدر خود کو ڈھانپنا چاہ رہی تھی۔ شاویز نہ جانے کیوں اسی قدر اس کی چادر کھینچنے پہ تلا ہوا تھا۔ اس نے سنا تھا کہ انسان موسموں کی طرح بدلتے ہیں لیکن اب اسے یقین ہونے لگا تھا۔ واقعی ایسا ہی تھا۔ اس حادثے میں اسے یقین تھا کہ شاویز اس کی ڈھال بننے والا تھا۔ اگر کوئی اسے کچھ کہتا تو یقیناً وہ اس کا منہ نوچ لے گا۔

لیکن۔۔۔ یہاں الٹ ہوا تھا۔ بات اتنی نہیں اچھلی تھی جتنی وہ اچھالنا چاہ رہا تھا۔

اس کمزور سی لڑکی کا دل کئی بار ٹکڑوں میں بٹ جاتا اور وہ دوبارہ زخم، زخم ہونے کے لیے دل کو پھر سے تیار کر لیتی۔۔۔ ماں سے کی گئی زیادتی کا خسارہ شاید اسے یونہی ساری عمر بھرنا تھا۔

''اگر تمہارے چھوٹے سے عمل سے میری، ہم سب کی تقدیر سنور سکتی ہے تو تمہیں اعتراض کیوں ہے لالہ۔۔۔؟'' اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ لالہ کو زبردستی گھسیٹ کر ان اخباری نمائندوں کے سامنے لے جاتا جو ضیا کی مخالف پارٹی بھیجنے پر بضد تھی۔ وہ لالہ کو صرف ایک بار پریس کے سامنے لانے اور ضیا کے خلاف بیان دینے کی کتنی ہی پُرکشش پیشکش کر چکے تھے۔ اور شاویز جانتا تھا کہ ایک مرتبہ لالہ میڈیا پہ آ جاتی تو ملک کی بڑی بڑی شخصیات اور این جی اوز بھی ان تک پہنچنے میں دیر نہ لگاتیں۔

لالہ کچھ دیر نم آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی پھر نظریں پھیر لیں۔

''میری زندہ لاش پہ تمہاری کامیاب زندگی کی بنیاد کس طرح کھڑی ہو سکتی ہے شاویز۔ خدارا مجھے اور ذلیل نہ کرو۔''

''ذلیل۔۔۔'' اس نے حیرت سے کندھے اچکائے، شاویز نے دونوں ہاتھ اٹھا کے دوبارہ یوں گرائے جیسے اسے لالہ کی سوچ پر شدید تاسف ہوا ہو۔

''تمہیں اس لفظ کے معنی پتا ہیں۔ حیرت ہے۔'' اس کی آواز میں کھلا طنز تھا۔ لالہ کے دل میں درد سا جاگا۔ وہ اٹھ کر اس کے پہلو

سے نکلنے لگی تھی جب اچانک شاویز نے اس کا بازو پکڑا تھا۔ وہ بے اختیار دو قدم پیچھے آئی تھی۔

''ہم سب کے منہ پر ذلالت کی کالک مل کر تمہیں اپنی عزت، ذلت کا خیال آ رہا ہے۔'' وہ ایک، ایک لفظ چباتے ہوئے بولا تھا۔ اس کی گرفت اس قدر سخت تھی کہ لالہ کراہ اٹھی۔

''شاویز چھوڑو مجھے۔'' وہ سسکتے ہوئے ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولی تھی۔

''کل صبح وہ لوگ آئیں گے اور اس بار تمہیں ہر صورت ان کے سامنے آنا پڑے گا۔'' اس نے لالہ کے بازو پر گرفت سخت کرتے ہوئے سخت لہجے میں جیسے حکم دیا تھا۔

''نہیں۔۔۔تم جو چاہے کر لو شاویز۔۔۔ میں سرِ بازار اپنا تماشا نہیں لگاؤں گی۔'' لالہ نے بھی مضبوط لہجے میں کہا تھا۔

شاویز کچھ دیر غصیلی نظروں سے اسے گھورتا رہا پھر بپھرے ہوئے انداز میں اس کی طرف بڑھا۔ لالہ اس کے انداز کو نہیں سمجھ پائی تھی۔ بالکل اچانک ہی اس نے لالہ کے لمبے بالوں کی چٹیا کو مضبوطی سے پکڑا تھا اور انہی بالوں سے کھینچ کے اسے زمین پہ گرا دیا۔

وہ اس حملے کے لیے قطعی تیار نہ تھی۔ تبھی بری طرح فرش سے ٹکرائی تھی۔ درد کی تیز لہر نے اس کی کمر چیر کے رکھ دی تھی۔ وہ سسکاری بھرتی دُہری ہوئی تھی۔

''(گالی) ہم سب کی عزت خاک میں ملا کر اب تجھے اپنی عزت یاد آ رہی ہے۔'' غصے سے لال ہوتا وہ بری طرح اس کی پسلی میں لاتیں برسانے لگا تھا۔

درد سوا ہوتا جا رہا تھا۔ وہ پوری قوت سے چلّانا چاہ رہی تھی لیکن آواز جیسے گھٹ کے رہ گئی تھی۔ اِدھر شاویز جیسے جنونی ہو گیا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا آج لالہ کو جان سے مار دے۔ درد کی تیز لہر نے کمر سے پیٹ کو لپیٹ میں لیا۔

''امی۔۔۔'' لالہ کے منہ سے کربناک آواز نکلی تھی اور اگلے ہی لمحے وہ بے جان سی ہو گئی تھی۔ سبین اور نانو بھاگ کے اندر آئی تھیں۔ انہیں دیکھتے ہی شاویز پیر پٹختا باہر نکلا تھا۔ نانو کے سخت الفاظ نے اس کا پیچھا کیا تھا۔

☆......☆......☆

سرداروں کا ایک خاص تاثر بن گیا ہے۔ ظالم جابر۔ سب کو اپنے سے نیچے جاننے والے۔ خدا کی حدود کو پار کرنے والے (استغفار) سردار جب رخصت ہوتے ہیں تو لوگ خوش نہیں ہوتے اور ڈر جاتے ہیں۔ لیکن کہنے والے کہتے ہیں اس دن اس لال حویلی کے باہر وہ طویل ہجوم زار، زار رو رہا تھا۔ ہر کوئی خود کو یتیم کہہ رہا تھا۔ لال حویلی کے لال اینٹوں والے صحن میں بچھی دریوں پہ بیٹھی عورتیں زار، زار اپنے سر سے چھایا اٹھ جانے کا ماتم کر رہی تھیں۔ سب رو رہے تھے، نڈھال تھے۔ مضبوط جسم کا مالک زریاب بھی آج جیسے موم ہوا جاتا تھا۔ آنسو آنکھوں سے لڑیوں کی صورت رواں تھے۔

رات اچانک آفتاب ولی خان کی طبیعت ذرا بگڑی اور چند لمحوں میں سب کے دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کرلیں۔کوئی بھی یقین نہیں کر پا رہا تھا کہ یوں اچانک اس طرح بھی وہ ساتھ چھوڑ سکتے ہیں۔ایسے میں اگر کوئی مضبوط تھا تو وہ تھا سہراب علی خان۔اس کی گھنی مونچھوں تلے دبے لبوں پہ نہ جانے کیوں خبیث سی مسکراہٹ رقصاں تھی۔کوئی ایک بھی اس کا نوٹس نہیں کرسکا تھا۔سب صدمے سے نڈھال تھے۔

لیکن تیسرے دن ہی اس کی مسکراہٹ دم توڑ گئی تھی کہ جب پھوڑی (میت کے گھر تین دن تک ایک جگہ دری بچھانے کو کہتے ہیں جہاں لوگ فاتحہ پڑھنے آتے ہیں) کے تیسرے دن قل خوانی کے موقع پر جب وارث کی دستار بندی کا اعلان ہوا اور وراثت کے علاقائی اصولوں اور خان کی وصیت کے مطابق دونوں بھائیوں کو برابر جائیداد اور بڑے ہونے کے ناتے خان کی بلند دستار زریاب ولی خان کو پہنانے کا فیصلہ کیا گیا۔علاقے کے سب معزز لوگوں نے زریاب کے بڑے بھائی ہونے اور علم و عمل میں بھی سہراب سے دو قدم آگے ہونے کی بِنا پر اگلے سردار کے لیے زریاب کا انتخاب کیا تو سہراب علی خان کو گہرا دھچکا لگا۔صرف عمر اور تعلیم کی وجہ سے وہ زریاب سے ہار گیا تھا۔اوراس کے سر پہ بندھی وہ بڑی سی پگڑی دیکھ کے اس کے سینے میں آگ سی جل اٹھی تھی۔

زریاب سب سے گلے ملتا اپنی ذمّے داری بابا کی طرح احسن طریقے سے نبھانے کے وعدے کرتا رہا اور اِدھر سہراب علی خان اس کی بربادی کے وعدے خود سے۔صرف ایک کانٹا بچا تھا اور یہ کانٹا نکالنا اس کے لیے زیادہ مشکل نہیں تھا۔

☆......☆......☆

سرکاری اسپتال کے بوسیدہ سے بیڈ پہ پڑا وہ کمزور، زرد سا وجود اس وقت دواؤں کے زیرِ اثر دنیا و مافیہا سے بے خبر تھا۔اس سے ذرا فاصلے پہ کرسی پہ بیٹھی سبین کی نم آنکھیں اس کے وجود پہ جمی تھیں۔انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے دھیرے، دھیرے ان کا دم نکلتا جا رہا تھا۔اور کاش کہ یہ دم نکل ہی جاتا۔۔۔کچھ تو تکلیف کم ہوتی۔۔۔کچھ تو نجات کا سامان ہوتا۔۔۔لیکن وہ جانتی تھیں۔زندگی سے فرار ممکن نہیں۔جو ہے اسے قبول کرنا پڑتا ہے۔

ہر حال میں جینا پڑتا ہے۔

انہیں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی لق و دق صحرا میں برہنہ سر کھڑی ہیں اور کہیں پناہ نہیں ہے۔

ذہن خالی تھا مگر کانوں میں بار، بار اس لیڈی ڈاکٹر کے الفاظ شور مچا دیتے تھے جس نے درد سے بے حال لالہ کی مسیحائی کی تھی۔

''مجھے حیرت سے زیادہ دکھ ہے۔اس حالت میں بھی کوئی اپنی بیوی کو اس طرح مار سکتا ہے۔''ڈاکٹر کی آواز میں صدمہ تھا اور سبین ان کے الفاظ کے معنی تلاشنے میں لگی تھیں۔

کون سا شوہر۔۔۔؟

کون سی حالت۔۔۔؟

کس حالت میں۔۔۔؟

''انسان ہے یا جانور۔ میرا دل کر رہا ہے پرچہ کروا دوں اس رذیل انسان کے خلاف۔'' ڈاکٹر سخت غصے میں تھی۔

''اس کی اس حرکت سے ماں، بچے دونوں کی جان کو خطرہ ہو سکتا تھا۔ ویسے بھی لڑکی بہت کمزور ہے۔ ایسے میں اگر ذرا سی اونچ نیچ ہوئی تو یہ بھی اپنی جان گنوا سکتی ہے۔''

ڈاکٹر بولے جا رہی تھی اور سبین کو لگ رہا تھا جیسے وہ ابلتا سیسہ ان کے کانوں میں ڈال رہی تھی۔ درد بے انتہا تھا۔

ڈاکٹر کے جانے کے بعد وہ یونہی بے جان آنکھوں سے لالہ کو تکتی رہی تھیں۔

''اس حالت میں کوئی اپنی بیوی کو اس طرح کیسے پیٹ سکتا ہے۔'' اور تبھی دھندلی آنکھوں کے سامنے کچھ منظر واضح ہوئے تھے۔ وہ شاویز تھا جو لالہ کو بالوں سے پکڑ کر گھسیٹ رہا تھا۔ پھر اس نے زور کی لات اس کی پسلی میں دے ماری تھی۔

''شاویز۔۔۔''

''شوہر۔۔۔؟''

اِک خیال سا اُن کے ذہن میں کوندا تھا۔

''ہاں شاویز ہماری عزت رکھ لے گا۔ وہ مجھے کبھی نہ نہیں کرتا۔'' ایک دم سے سکون سا ان کے دل میں سرایت کرنے لگا تھا۔ انہوں نے ایک مطمئن نگاہ لالہ کے زرد چہرے پہ ڈالی اور تلخ سا مسکرا دی تھیں۔

☆......☆......☆

وہ قد آور آئینے کے سامنے کھڑا خود پہ گہری نظریں جمائے لف لنکس بند کر رہا تھا۔ موبائل کی تیز آواز پر اس کے بجھے بجھے چہرے پر جمی ناگواری سوا ہوئی تھی۔ اس نے اپنا کام جاری رکھتے ہوئے ایک اچٹتی سی نگاہ سیل فون پہ ڈالی تھی۔ نمرہ کے جگمگاتے نام پہ اس کے ہاتھ ایک دم سے رک گئے تھے۔ اس نے نچلا لب دانتوں سے کترتے ہوئے فون اٹھایا اور کچھ سوچتے ہوئے یس کا سائن پریس کیا۔

''ضیا۔۔۔؟'' فوراً پوچھا گیا۔

''ہم۔۔۔'' وہ بس ہنکاری بھر گیا۔

''میں تمہیں کتنا اچھا سمجھتی تھی ضیا۔۔۔ مجھے اپنی سوچ پہ افسوس ہو رہا ہے آج۔'' اس کا تاسف اس کے لہجے سے واضح ہو رہا تھا۔

ضیا نے دوبارہ سے نظریں سامنے آئینے میں اپنے عکس پہ جما دیں۔

''کتنے خوب صورت تھے ناں تم۔ تمہیں دیکھتے ہی نہ جانے کیوں خود بہ خود میں خیالوں ہی خیالوں میں لالہ کو تمہارے ساتھ کھڑا

کر دیتی تھی۔ مجھے لگتا تھا اگر تمہیں کوئی مکمل کر سکتا ہے تو وہ صرف لالہ ہے۔۔۔لیکن۔۔۔"

وہ کہتے کہتے رکی۔ضیا ویسے ہی خاموش کھڑا رہا۔

"جب اس کا ہاتھ تھام ہی لیا تھا تو کیوں چھوڑ دیا ضیا۔تم تو ہر طرح سے مضبوط تھے پھر ایسی کمزوری کیوں دکھائی ضیا۔۔۔کیوں اسے یہ راہ دکھا کے خود ہی راستہ بدل دیا۔کیوں ضیا آخر کیوں؟تم نے مجھے بہت ہرٹ کیا ہے۔تمہاری وجہ سے اب لالہ پیپرز بھی نہیں دے گی۔اسے پھر سے اپنا لو ضیا۔۔۔اس سے معافی مانگ لو۔اسے کہہ دو تم مذاق کر رہے تھے۔کچھ بھی کہہ دو مگر اسے یوں رد نہ کرو۔دیکھو،لالہ بہت معصوم ہے ضیا۔۔۔"

وہ بولتی جا رہی تھی اور وہ بس خاموشی سے سنتا رہا تھا۔لالہ نے شاید اس سے حقیقت چھپائی تھی۔تبھی وہ اب بھی اس سے عزت سے بات کر رہی تھی۔ورنہ تو شاید وہ اسے گالیاں دیتی اس کے پاس آ کر گریبان چاک کر دیتی اس کا۔

اس نے اور اس کے باپ نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی لیکن اللہ پاک نے اب بھی لالہ کا پردہ رکھا ہوا تھا۔ایک گونہ اطمینان اس کے دل میں سرایت کرنے لگا۔دوسری طرف نمرہ،ضیا،ضیا پکارتی رہی اور کوئی جواب نہ پا کر تھک کر کال کاٹ دی۔

ضیا نے فون سامنے صوفے پہ اچھالا اور ڈریسنگ پہ پڑا چائے کا کپ اٹھا کے ساری چائے سامنے نظر آتے اپنے وجیہہ وجود کے عکس پر انڈیل دی تھی۔۔۔شیشہ دھندلا گیا تھا۔اس کے نقوش بگڑنے لگے تھے۔

☆......☆......☆

اپنے پہلے ہوٹل کی شاندار کامیابی کے بعد باریال بہت خوش تھا۔شاویز کے مسائل کی وجہ سے یہ خوشی ذرا دھیمی پڑی تھی اور نہ جانے کیوں وہ دل سے اس جانب توجہ نہیں دے پا رہا تھا۔گل لالہ سے اس کی ملاقات دو تین بار ہی ہوئی تھی اور وہ بھی ایسے کہ لالہ ہمیشہ خود کو چادر میں ڈھانپے رکھتی تھی۔اس کے غائب ہونے کے بعد واپسی پہ وہ ایک بار اسے دیکھنے میں کامیاب ہوا تھا۔جب شاویز اسے صحن میں پریس کے سامنے پیش ہونے پہ دباؤ ڈال رہا تھا۔تب بیٹھک کی کھڑکی سے یونہی ایک نظر باہر ڈالنے پہ اس کا زرد معصوم سا چہرہ دیکھا تھا۔وہ فوراً وہاں سے ہٹ گیا تھا لیکن وہ چہرہ جیسے دماغ کے پردے سے چمٹ سا گیا تھا۔جاگتے سوتے وہ شفاف سا عکس،ایک دوسرے سے پیوست گلابی ہونٹ اور شکوہ کرتی غلافی آنکھیں اسے بے انتہا ڈسٹرب کر دیتیں۔وہ خود کو اس پریشانی سے نہیں روک سکا تھا۔کچھ تو تھا کہ وہ لڑکی اس کے حواسوں پہ چھانے لگی تھی۔۔۔لیکن وہ اپنی اس کیفیت کو صرف ہمدردی کا ہی نام دے سکا تھا۔جو بھی تھا لیکن اس چہرے نے اس کے کام کو بھی متاثر کیا تھا۔امن نے اس دوران اس کا خوب ساتھ دیا تھا۔اس کے شاندار آئیڈیاز اور پیکجز کو امن نے کچھ بڑے بزنس آئیکونز سے ڈسکس کیا تو بہت جلد اسے اچھے پارٹنرز مل گئے۔کچھ تو اس کے کام سے اس قدر متاثر تھے کہ اس کے آئیڈیاز کی بیس پہ دوسرے ملکوں میں بھی پراجیکٹ کرنا چاہتے تھے۔اور یہی تو باریال کا خواب تھا۔اسے لگ رہا تھا وہ اب تعبیر کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا۔

اب بھی وہ امن کی ہدایت پہ کہیں جانے کے لیے تیار ہونے لگا جب دیدے اس کے کمرے میں آئیں۔

''باری۔۔۔'' وہ اس قدر کھویا، کھویا سا تھا کہ ان کی آمد کا نوٹس ہی نہیں لیا۔ انہوں نے پکارا تو باریال بہت بری طرح چونکا۔

''دیدے۔۔۔'' انہیں اپنے بے حد قریب کھڑے دیکھ کر وہ واقعی حیران ہوا تھا۔

''آپ کب آئیں؟'' اس کے لہجے میں حیرت تھی۔ دیدے مسکرا دیں۔

''کہاں کھوئے رہتے ہو؟ لگتا ہے بہت جلد میری بہو آنے والی ہے۔'' ان کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

''اچھا۔۔۔وہ کیسے۔۔۔؟'' باریال مسکرایا۔

''تمہاری کھوئی سی آنکھیں، یہ رف سا حلیہ۔'' انہوں نے اس کی بڑھی شیو کی طرف اشارہ کیا۔

''اور سب سے بڑھ کر چہرے پہ چھائی وحشت۔۔۔ مجھے تو یہ سب کسی خوب صورت حادثے کا پتا دیتی ہے۔'' کہتے وقت ان کی آنکھوں میں اس قدر روشنی تھی کہ باریال حیران رہ گیا۔ کچھ دیر وہ یونہی کھڑا اماں کی مسکراتی آنکھوں کی خوشی دیکھتا رہا۔ پھر ان کے قدموں میں بیٹھتے ہوئے بولا۔

''خوب صورت نہیں دیدے۔۔۔کافی بھیانک حادثہ ہوا ہے۔''

''خدایا خیر۔۔۔'' وہ دہل گئیں۔ ساری خوشی ایک لمحے میں دھیمی پڑی تھی۔

''ایک دوست ہے میرا کافی پرانا۔ اس کے ساتھ کچھ ایسا ہوا ہے دیدے کہ میں اپ کو بتا بھی نہیں سکتا اور سچ بتاؤں تو چاہ کر بھی خود کو پریشان ہونے سے بھی نہیں روک سکتا۔'' وہ واقعی مضطرب تھا۔

''شاویز تو ٹھیک ہے؟'' ان کو فوراً شاویز کا خیال آیا۔

''ہاں، وہ ٹھیک ہے۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ کیونکہ اب اسے جھوٹ بولنا تھا اور ماں سے آنکھیں چرانی تھیں۔ دیدے کے سامنے بیٹھا رہتا تو وہ اس کی چوری پکڑ لیتیں۔

''کسی اور دوست کے ساتھ ہوا ہے یہ حادثہ، آپ نہیں جانتیں۔'' اس نے جھوٹ بولا۔

''اللہ پاک سب کو اپنی امان میں رکھے۔ میں دعا کروں گی اس کے لیے۔ تم بس پریشان نہ ہو۔ اس کے ساتھ رہو اسے حوصلہ دو۔۔۔'' انہوں نے کسی قسم کی تفصیل جاننے کی کوشش کیے بنا اسے ہدایت کی۔ وہ مسکرا دیا۔ دیدے تھیں ہی ایسی۔۔۔ کبھی کسی بات کو خود سے نہیں کھولتی تھیں۔ کوئی جتنا بتا دے ٹھیک۔ وہ کبھی سوال کر، کر کے بات نہیں کریدتی تھیں۔

''اچھا دیدے میں چلوں۔ امن نے ایک پارٹی کے ساتھ میٹنگ رکھی ہے۔ دعا کریں میں اپنے مقصد میں کامیاب رہوں۔'' اس نے اجازت مانگی۔

''ہاں جاؤ، اللہ پاک تمہارا مددگار ہو۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے دعا دی۔

☆......☆......☆

سبین نے حسبِ عادت بات اماں کو بتائی تھی اوران کے سامنے شاویز اور لالہ کے رشتے کی بات بھی رکھی تھی۔اماں توسن ہو کے رہ گئیں۔

''اماں! ڈاکٹر کہتی ہے ہم لالہ کی جان کو لے کر کوئی رسک نہیں لے سکتے۔مجھے لگتا ہے اماں شاویز لالہ کی زندگی بچا سکتا ہے۔وہ میری بات کبھی نہیں ٹالے گا۔''

اماں کئی لمحے خالی خالی نظروں سے زمین کو تکے گئیں پھر سر اٹھا کے سبین کے چہرے کی طرف دیکھا۔

''شاویز اور لالہ تو ہمیشہ بہن، بھائی کی طرح رہے ہیں۔وہ اس بات کے لیے کبھی راضی نہیں ہوگا۔''

''تو پھر اماں۔۔۔؟''سبین کا چہرہ بجھنے لگا۔

''پہلے میں زرینہ سے بات کرتی ہوں۔حمزہ اور زرینہ ضرور ہماری بات رکھ لیں گے۔''

''لیکن اماں، زرینہ بی بی تو ویسے بھی لالہ کے خلاف رہتی ہے۔اب جب کہ یہ بچہ بھی۔۔۔وہ کیسے اس رشتے کے لیے ہاں کرے گی اماں۔''

''زرینہ نہیں مانے گی تو شاویز سے بات کرلیں گے لیکن پہلے ایک بار بات تو کرنے دو مجھے۔اور پھر اتنی کٹھور نہیں ہو سکتی زرینہ۔آخر اس کے اکلوتے بھائی کی نشانی ہے میری لالہ۔۔۔''نانو نے نم لہجے میں کہتے ہوئے انہیں تسلی دی تھی۔اور ضعیف آنکھوں کے گرد کی جلد چھل سی گئی تھی۔وہ لالہ کے لیے رونا نہیں چاہتی تھیں۔انہیں ہی اب اپنی لالہ کے لیے کچھ کرنا تھا۔

اور اگلے ہی دن وہ شاویز کے ساتھ زرینہ کے گھر پہنچ گئیں۔عجیب سی ویرانی پھیلی تھی وہاں۔سوکھے پتوں اور گرد و غبار نے گھر پہ ڈیرا سا جما لیا تھا۔بیٹی کے حال پہ دل کڑھا تھا پھر حمزہ اور لالہ کی خوشیوں کی بہار یاد آتے ہی انہوں نے صاف بات کر دی تھی۔زرینہ کا چہرہ غصے سے لال پڑ گیا تھا۔

''یہ کیا کہہ رہی ہیں اماں۔۔۔؟''وہ تقریباً چلّا اٹھی تھیں۔

''عربی بول دی میں نے یا فارسی جو تجھے سمجھ نہیں آرہی۔''اماں چڑ کر بولیں۔

''کاش عربی، فارسی ہی بولی ہوتی اماں۔۔۔مجھے سمجھ تو نہ آتی۔آپ کو بہو، پوتی کا گند چھپانے کے لیے میرا ہی گھر ملا تھا۔''

''تمیز سے بات کر زرینہ۔وہ تیری بھی کچھ لگتی ہیں۔''اماں نے انہیں ڈپٹا۔

''ارتضیٰ بھائی کے مرتے ہی ان دونوں سے میرا رشتہ ختم ہو گیا تھا اماں اور اب جو گند لالہ نے کیا ہے اس کے بعد حمزہ اور لالہ۔۔۔؟نہیں کبھی نہیں۔''ان کا لہجہ اٹل تھا۔اماں نے تاسف سے انہیں دیکھا۔

''لیکن پھر بھی آپ کے لیے میں اس رشتے کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور سوچتی۔''ان کے غصے بھرے چہرے کو دیکھتے ہی انہوں نے

انداز بدلا۔اماں کا کھنچا کھنچا چہرہ کچھ نرم پڑا۔

''لیکن کیا ہے ناں اماں۔میں نے تو شزا کی ماں کو زبان دے دی ہے۔''اماں چونکیں۔

''بلکہ ہم تو بہت جلد کوئی فنکشن رکھنے والے تھے اگر درمیان میں یہ لالہ کا قصہ نہ اٹھتا۔''ان کی آواز میں طنز تھا۔

''اور اقرا کا قصہ بھی۔۔۔''اماں نے بھی ویسے ہی لہجے میں تیر چلایا تھا۔زرینہ تڑپ سی گئیں۔

''کیسی ظالم ہیں اماں۔۔۔نواسی ہے وہ آپ کی۔''وہ فوراً شکایت کرتے ہوئے منہ بنا گئیں۔اماں اٹھتے ہوئے چادر لینے لگیں۔

''لالہ بھی تو بھتیجی ہے تمہاری۔''سخت لہجے میں کہتے ہوئے وہ باہر کی طرف بڑھیں۔

''اب کہاں جا رہی ہیں۔حمزہ آتا ہی ہوگا،چھوڑ دے گا آپ کو۔''وہ ان کے پیچھے تھیں۔

''رکشے سے چلی جاؤں گی۔حمزہ کو شزا کی ماں کے کاموں پہ لگا دینا۔مجھے نہیں ضرورت۔''ناراض لہجے میں کہتیں وہ دروازے سے باہر نکل گئی تھیں۔زرینہ روکتی رہ گئیں۔

''مجال ہے جو سبین یا اس کی پھاپھے کٹنی بیٹی کے بارے میں ایک لفظ سن لیں۔''انہوں نے بڑبڑاتے ہوئے دروازہ بند کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

آگے ڈائری خالی تھی۔وہ حیران ہوئی تھی۔سہراب علی خان،اس کے بابا اس قدر نفرت اپنے اندر پالتے رہے تھے۔اور ڈائری میں لکھے اور نام کہاں تھے؟اسے یاد تھا کچھ،کچھ۔۔۔جب وہ چھوٹی تھی تب ان کے ساتھ ایک کاکا بھی ہوتے تھے۔بہت خوب صورت۔بہت مضبوط جسم والے اور بہت ہی پیاری فطرت والے ایک مکمل انسان۔وہ جب بھی گھر آتے،سب سے پہلے اسے ہی گود میں لیتے تھے۔ایک دلہن بھی اس کے دماغ کے پردے پہ اکثر عکس دیتی۔اور وہ دیکھتی کہ وہ دلہن اپنے ہاتھوں سے اپنا عروسی دوپٹا،اپنی چوڑیاں،اپنا زیور سب خود اتار کے دور،دور پھینک رہی ہے۔رو رہی ہے،چیخ رہی ہے لیکن وہ کون تھیں؟یہ نہیں تھا اسے یاد۔۔۔اللہ لوک تو تھیں ہی ساتھ۔۔۔

البتہ سبین بوا بھی اسے یاد تھیں۔وہ اچانک ہی گھر سے چلی گئی تھیں اور اس نے بابا کو چلّاتے سنا تھا کہ کوئی بھی اس گھر میں ان کا نام دوبارہ نہیں لے گا اور ایسا ہی ہوا تھا۔اس گھر میں اس نے کسی کو سبین بوا کو یاد کرتے نہیں دیکھا تھا۔پھر کچھ دن بعد ہی زریاب کاکا نے بھی آنکھیں بند کر لی تھیں۔سب نے کہا بہن نے بھائی کو نگل لیا۔وہ کتنا عرصہ گاؤں والوں کو یہ دعا کرتے سنتی رہی۔''اللہ کسی کو بیٹی نہ دے۔''

اتنا بڑا خاندان تھا بابا کی ڈائری کے مطابق تو وہ سب کہاں تھے اب۔کوئی نہ کوئی تو ان کے ساتھ ہوتا۔کاکا کی ڈیتھ ہو گئی تھی لیکن ان کی بیوی،بچہ اور باقی سب۔۔۔؟

وہ پہلی بار پرانے رشتوں کو سوچ رہی تھی۔وقت نے جو گرد ڈالی تھی،وہ آہستہ آہستہ اڑنے لگی تھی۔وہ سوچ رہی تھی۔اتنی بڑی حویلی کے مکین صرف اس کے بابا اور وہ ہی کیوں تھے۔آفتاب ولی خان دا کے سب بچے کہاں تھے۔کوئی تو ان کے ساتھ ہوتا۔

زریاب کاکا کی فیملی۔۔۔

وہ روتی چلاتی اجڑی دلہن۔۔۔

کوئی بھی۔۔۔کوئی تو ہوتا۔۔۔

افسردہ سی سوچوں سے نڈھال وہ ڈائری واپس رکھنے اس کمرے میں آئی تھی۔ چوبدار دیومالائی دروازہ کھولتے ہی وہی چنگھاڑ گونج اٹھی تھی۔اسی طرح اس کا دل زور سے دھڑک اٹھا تھا۔ بابا ابھی الیکشن کے سلسلے میں کچھ دن حویلی نہیں آنے والے تھے۔لیکن وہ ڈائری چونکہ نامکمل تھی تو وہ وقت پہ اسے واپس کرنے آئی تھی۔اس نے دراز بند کی اور پھر پورے کمرے میں اِدھر،اُدھر دیکھنے لگی۔اس کی نظر الماری سے ذرا اوپر بنے روشن دان پہ پڑی۔ یہ کافی بڑا روشن دان تھا۔جس سے آتی تازہ ہوا اسے یہاں تک محسوس ہو رہی تھی۔

''باء جی نے کیا کمرہ بنوایا ہے اپنے مطالعے کے شوق کے لیے۔۔۔''وہ سراہے بِنا نہیں رہ سکی تھی۔

اس نے ایک طائرانہ جائزہ لیا اور واپسی کے لیے مڑی۔ دیوقامت دروازے کو بند کرنے کے لیے اپنی طرف کھینچتے ہوئے اس نے پوری طاقت لگائی تھی اور قریب تھا کہ وہ دونوں دروازوں کو یکجا کر لیتی کہ اس کے ہاتھ ایک دم رکے تھے۔وہ ایک مانوس سی آواز تھی، جس کی صرف سرسراہٹ سی اس نے سنی تھی لیکن اس سرسراہٹ کی دھن اس کے دل کے اس قدر قریب رہی تھی کبھی کہ وہ ایک لمحے میں اسے پہچان گئی تھی۔اس نے دروازے وہیں چھوڑ دیے تھے اور بھاگ کر کمرے میں آئی تھی۔وہ دل و جان سے متوجہ تھی۔ وہی سرسراہٹ ایک مرتبہ پھر سے سننے کے لیے۔بھلے یہ اس کا وہم ہی ہو۔

لیکن بس ایک بار پھر۔۔۔

اور یونہی کئی لمحے سناٹے میں سرک گئے۔

مایوس ہو کے وہ واپس پلٹی اور ابھی اس نے قدم بھی نہیں بڑھائے تھے کہ سرسراہٹ اس بار دور سے سنائی دینے والی سرگوشی کا روپ دھار گئی۔

''جدوں حد مکدی اے۔''

سرگوشی روشندان کی طرف سے آ رہی تھی۔وہ اور قریب آ گئی۔آواز کچھ واضح ہوگئی۔''سب مک جانداں اے۔''اس نے تیزی سے قریب رکھا اسٹول اٹھا کے الماری کے قریب رکھا اور اوپر چڑھنے لگی۔کوئی زور،زور سے تالی بجا رہا تھا۔

وہ اوپر آ گئی۔ کھلے روشندان سے سامنے کا منظر واضح تھا اور دور بھربھری مٹی سے بنی عمارت جو تقریباً گر چکی تھی کے اندر سے آتی آواز بھی۔۔۔

''تیری حد مک گئی۔۔۔ہاہاہاہا۔۔۔

تیری حد مک گئی۔"

وہ جو کوئی بھی تھا نظر نہیں آ رہا تھا لیکن اوزگل کو اسے پہچاننے کے لیے اسے دیکھنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔

اس نے حیرت سے سرگوشی کی تھی۔

"اللہ لوک۔۔۔!"

☆......☆......☆

انہیں بالآخر سبین کی بات ماننی ہی پڑی تھی اور ان دونوں نے مل کر شاویز سے بات کرنے کا سوچا تھا۔ رات کو لالہ کے سوتے ہی وہ اس کمرے میں آئی تھیں۔ سبین نے اماں کے اشارے پہ خود ہی بات شروع کی تھی۔ لالہ کے بارے میں نئے انکشاف نے اسے ہلا کے رکھ دیا تھا۔

"اب ہم سب کی عزت تمہارے ہاتھ میں ہے شاویز۔۔۔!" سبین نے امید بھری نظروں سے اسے دیکھا تھا اور شاویز نے انہیں الجھی سوالیہ نظروں سے۔

"میں کیسے امی؟"

"لالہ سے شادی کر لو شاویز۔ اسے اپنا لو۔ اس بچے کو اپنا نام دے دو۔" نانو نے گویا اس کے سر پہ بم پھوڑ دیا تھا۔ وہ اچھل کے کھڑا ہوا تھا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہیں امی آپ۔۔۔؟" صدمے سے اس کی آواز پھٹ سی گئی تھی۔ سبین نے اماں کی طرف مدد طلب نگاہوں سے دیکھا۔ انہوں نے نظروں ہی نظروں میں انہیں تسلی دی۔

اور واپس شاویز کی طرف دیکھنے لگیں۔

"ہم جانتے ہیں شاویز کہ تم اور لالہ ہمیشہ بہن بھائی کی طرح رہے ہو۔ لیکن اس رشتے کی شرعی طور پہ کوئی حیثیت نہیں بیٹا۔ شادی ہوتے ہی ترجیحات خود بخود بدل جاتی ہیں۔" نانو اسے نرم لہجے میں سمجھا رہی تھیں اور وہ حیرت سے پھٹی ہوئی نگاہوں سے انہیں دیکھے جا رہا تھا۔

"بالکل بھی نہیں نانو۔۔۔ اگر آپ مجھے پہلے کبھی اس رشتے کے لیے کہتے تو شاید میں ہاں کر بھی دیتا کیونکہ اتنی شریعت میں بھی جانتا ہوں لیکن اب۔۔۔" وہ غصے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ سبین کا دل ڈوب سا گیا تھا۔

"کسی کے منہ کی تھوک کون چاٹتا ہے بھلا۔ پھر اتنی بڑی قربانی میں ہی کیوں دوں۔ حمزہ سے کہیں، وہ تو ویسے بھی پسند کرتا ہے لالہ کو۔" نانو کی پلکیں بھیگنے لگی تھیں۔

"کوئی تو پناہ گاہ بن جاؤ میری لالہ کی۔۔۔ اور تمہیں تو خود سبین نے کس قدر پیار سے پالا پوسا، بڑا کیا۔ اس کے احسان ہی یاد کر لو۔" نانو منت پہ اتر آئیں۔ سبین کا سر جھک سا گیا۔

''احسان۔۔۔خدا کا نام لیں نانو۔۔۔احسان کا مطلب یہ تو نہیں کہ کسی اور کا گند میں اپنے دامن پہ مل لوں۔اور پھر لالہ۔۔۔ یہ سب اس کی اپنی غلطی ہے، میں کیوں اس کے گناہ کی بھینٹ چڑھا دوں اپنی ساری زندگی۔'' سبین کے سینے میں درد سا جاگا تھا۔ دروازے کی اوٹ سے لگی لالہ کا دل بھی درد سے پھٹا جا رہا تھا۔

''اور میری بات مانیں تو کسی رشتے والی خالہ سے کہیں اور کسی بال بچے والے دوسری، تیسری شادی والے ہی سہی، مناسب جگہ اس کی شادی طے کر دیں۔کیونکہ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں اب اپنے بابا کے پاس رہوں گا۔ان کا سب کچھ میرا ہی تو ہے تو اب ضد اور انا کا کیا فائدہ؟ آپ اور امی بھی میرے ساتھ رہیں گی۔لیکن لالہ کے لیے معذرت۔میری بات مان لی ہوتی اس نے تب بھی میں اس کے لیے کچھ نہ کچھ کر لیتا۔لیکن اب مجھ سے کوئی امید نہ رکھیے گا۔لالہ کے معاملے میں تو ہرگز نہیں۔'' اس نے تو جیسے بات ہی ختم کر دی تھی۔لالہ اپنا مرا، مرا وجود گھسیٹتے اپنے کمرے میں آئی تھی۔امی اور نانو کے تاریک چہرے دیکھنے کی ہمت اس میں نہ تھی۔

''اللہ تمہیں ذلیل و برباد کر دے سبین'' اس نے روتے ہوئے بددعا دی تھی۔بہت دور کسی کے دل میں بددعا جیسا ہی درد جاگا تھا۔ لیکن لالہ بے خبر تھی۔

☆......☆......☆

اوزگل تیزی سے وہ کمرہ لاک کرتی باہر آئی تھی اور حویلی کے پیچھے جانے والی ماربل سے بنی کالی پگڈنڈی پہ تقریباً بھاگتی ہوئی حویلی کے پچھلے لان میں آ گئی۔روشنیاں اس قدر زیادہ تھیں کہ رات میں بھی دن کا سماں معلوم ہوتا۔وہ تیزی سے دوڑتی لان سے نکل آئی۔ یہ حصہ خاصا پرانا اور اجاڑ تھا۔یہ حویلی سے باہر کچھ غیر آباد زمین کا ٹکڑا تھا۔جہاں حالیہ ہونے والی تیز بارشوں کے بعد اب ہری بھری گھاس سر اٹھانے لگی تھی۔حویلی کا کچھ آخری حصہ اسی زمین میں آتا تھا۔جس میں وہ خوب صورت کمرہ بھی تھا جو باء جی نے اپنے مطالعے کے شوق کو پورا کرنے کے لیے بنوایا تھا۔اس حصے میں آتے ہی اسے ڈر لگنے لگا تھا۔یہاں صرف ویرانی ہی ویرانی تھی۔

''کہیں میں نے اللہ لوک کی روح کو تو نہیں سنا۔'' ڈر سے اس کے وجود میں سنسنی سی دوڑنے لگی تھی۔پھر بھی وہ پیچھے کی طرف نہیں مڑی تھی۔ذرا اور آگے چلی تھی۔

اور تبھی ٹھٹک کے رکی تھی۔

وہ ہنسنے کی تیز آواز تھی۔یہ ہنسی بلاشبہ اللہ لوک کی ہی تھی۔ان کی آواز سنتے ہی وہ تجسس سے اور آگے بڑھی تھی۔اور کچھ دور جا کر ہی ایک عجیب سے احساس میں گھر گئی تھی۔چونکہ یہ حصہ حویلی سے باہر تھا تو اس طرف روشنی کا بھی کچھ خاص انتظام نہ تھا۔چاند کی چاندنی نے البتہ اندھیرے کا دم گھوٹ رکھا تھا۔لیکن جس چیز نے اسے ساکت کیا تھا وہ تھی زمین کی درزوں سے چھن، چھن کے باہر آنے والی روشنی کی کرنیں۔۔۔کرنیں زرد بلب کی تھیں اور تھیں بھی بہت کمزور۔اس روشنی کو دیکھتے ہی وہ تیزی سے اس طرف آئی تھی۔اور نیچے بیٹھ کر اس جگہ کا

معائنہ کرنے لگی تھی۔ یہ مضبوط لوہے کے روشندان تھے۔ اس نے قریب ہو کے دیکھا۔ وہ کسی بوسیدہ کمرے کی چھت تھی۔ اس نے اِدھر، اُدھر اندر دیکھنے کے لیے اور جگہ ٹٹولی لیکن سبھی روشندان چھت ہی دکھا سکتے تھے۔ چھت سے نیچے کا منظر اوجھل تھا۔ وہ کچھ دیر بیٹھی سوچتی رہی۔

پھر گھاس پھوس ہٹاتی آگے بڑھی۔ کچھ دور جا کر ہی ایک دروازہ دکھائی دیا جو زمین سے ذرا نیچے ہی تھا اور غور سے دیکھنے پہ ہی دکھائی دیتا تھا۔ دروازے پر بڑا سا تالا تھا وہ یہاں سے مایوس ہو کے اور آگے بڑھی۔ کافی دوران روشنیوں کے تعاقب میں آتی اچانک اسے زنجیر کھنکنے کی آواز نے چونکا دیا۔ آواز بہت واضح تھی۔ مطلب یہاں بھی کوئی کھلی جگہ تھی۔ وہ فوراً آواز کے پیچھے اس طرف آئی اور اگلے ہی پل اس کا چہرہ کِھل اٹھا تھا۔ اس کی محنت بیکار نہیں گئی تھی۔ اسے اندر جانے کا راستہ مل گیا تھا۔ یہ ایک روشندان ہی تھا۔ جس کے لوہے کا دروازہ شاید موسموں کی تاب نہ لا کر کب کا نیچے گر گیا تھا۔ جگہ اس قدر تھی کہ وہ آسانی سے نہ صرف نیچے بلکہ واپس اوپر بھی آ سکتی تھی۔

''پہلے جا کر کسی اور کو بلا لوں یا اکیلے ہی چلی جاؤں؟'' وہ سوچنے لگی۔

''تیری حد مک گئی، حد پوری ہو گئی۔'' نیند میں ڈوبی آواز پہ وہ چونکی۔

''کچھ تو ہے یہاں۔ اگر کسی کو بتا دیا تو پھر یہ موقع ہاتھ نہیں آئے گا۔ مجھے اکیلے ہی جانا چاہیے۔'' فیصلہ کرتے ہی وہ روشندان سے اندر جانے لگی۔

دونوں طرف پھنسی لوہے کی ٹوٹی کڑیوں سے لگنے پہ اس کے پہلو چھل سے گئے تھے۔ وہ ہلکا سا کراہی اور نیچے پھسل گئی۔ سامنے کا منظر ہولناک تھا۔ اس کی آنکھیں پھٹنے کو تھیں۔ دونوں طرف لمبی قطار میں چھوٹے تنگ کمرے، ان کے سامنے لگی موٹی لوہے کی مضبوط گرلیں اور اندر قید ننگ دھڑنگ مریل سے انسان جن کی ہڈیوں کے پنجرے تک نظر آ رہے تھے۔ وہ خوف سے پیچھے کو ہوئی تھی۔ جب کسی نے اچانک زور سے اس کا پاؤں پکڑا تھا۔ اس نے خوفزدہ ہو کے نیچے دیکھا۔ اور کمزور، تنی سبز رگوں سے بھرے ضعیف سے ہاتھ کو اپنے پاؤں پکڑے دیکھ کے بے اختیار اس کے منہ سے چیخ نکلی تھی اور تہہ خانے کی دیواروں سے ہی ٹکرا کے دم توڑ گئی تھی۔۔۔



ناول ''محبت لفظ ہے لیکن'' ابھی جاری ہے۔ اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی 10 تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

اس کی چیخ سے سارا تہہ خانہ زنجیروں کی چھنکار سے گونج اٹھا۔ وہ نہ جانے کن لوگوں کے آرام میں مخل ہوئی تھی۔ وہ شاید نیند میں کسمسائے تھے۔ کیونکہ فوراً ہی دوبارہ وہی خاموشی چھا گئی۔

موت کے جیسی خاموشی۔۔۔

☆......☆......☆

خوف سے آنکھیں بند کئے وہ دوبارہ چیخنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن آواز جیسے گلے میں ہی کہیں پھنس گئی تھی۔ نہ ہی وہ اپنے وجود کو حرکت دے پا رہی تھی۔ وہ خوف سے جیسے پتھر کی ہو گئی تھی۔۔

"تو یہاں کیوں آ گئی؟" اور جیسے چھن سے شیشہ سا ٹوٹا تھا۔ سارا خوف ایک لمحے میں زائل ہوا تھا۔ اس آواز میں جو اپنائیت تھی وہ کبھی اس کی زندگی کی اساس رہی تھی۔ اس نے آواز کی سمت نگاہیں نیچے کیں تھیں۔ لمبے اجڑے بکھرے بالوں میں وہ چہرہ اب بھی گم تھا لیکن اب وہ اسے مکمل طور پہ پہچان چکی تھی۔ وہ بے شک اللہ لوک تھی۔

اس کی اللہ لوک۔۔۔

اس کی ماں جیسی اللہ لوک۔۔۔

"اللہ لوک" اسے پہچانتے ہی وہ تیزی سے زمین پہ اس کے سامنے بیٹھتی چلی گئی۔ اللہ لوک نے اب کی بار دھیرے سے چہرہ اٹھایا تھا۔ اس کی لال آنکھیں اس کے رتجگوں کا پتہ دے رہیں تھیں اور ہونٹ سوکھ کے پھٹ سے گئے تھے۔ اس عمر میں ان کا یہ حال دیکھ کر اوزگل کی آنکھیں بھر آئیں۔

"اللہ لوک" اس نے سلاخوں کے اندر ہاتھ بڑھا کر نرمی سے ان کے ضعیف چہرے کو چھوا۔ جسے اتنی ہی نرمی سے اللہ لوک نے واپس کر دیا۔۔

"تو یہاں کیوں آئی ھے۔ کس نے تجھے یہاں کی راہ دکھا دی۔ جا چلی جا۔۔۔ ورنہ وہ تجھے بھی ساری عمر کے لئے اس جگہ قید کر لے گا۔" وہ محبت سے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے بولیں تھیں۔

" کون۔۔ کون قید کر لے گا اور کیوں اللہ لوک" وہ واقعی نہیں سمجھ پا رہی تھی۔ اس کے بابا کے ہوتے ہوئے یہ جراءت کون کر سکتا تھا۔ اس نے اسی وقت فیصلہ کیا تھا وہ جا کر یہ سب بابا کو بتا دے گی۔

"ہاں ہاں۔۔ جا۔۔۔

جا کر بتا دے اپنے باء جی کو کہ تو نے اللہ لوک کو زندہ دیکھا ھے" وہ اس کی آنکھوں کو پڑھنا جانتی تھیں۔ یہ اسے بھی معلوم تھا۔

"ہاں اللہ لوک۔۔میں ابھی جا کر بتاتی ہوں" وہ فوراً سر ہلا گئی۔

"اور اس سے یہ ضرور پوچھنا۔۔کہ اللہ لوک تو زندہ ھے پھر اس کے سامنے مرا کون۔۔کس کو دفنا آیا وہ۔" وہ جو باپ تک بات پہنچانے کے خیال سے پر جوش سی ہوئی تھی۔چونکی۔۔۔

"باء جی"

"ہاں۔۔تیرا باپ۔۔۔" اللہ لوک کے منہ سے رال ٹپکنے لگی یہ اس بات کی نشانی تھی کہ اسے غصہ آ رہا تھا۔

وہ جلال میں آ چکی تھی۔

دور کہیں سے مرغے نے بانگ دی تھی۔اللہ لوک نے سر گرا دیا۔اس کے چہرے پہ بال بکھر گئے تھے۔

"پلیز اللہ لوک مجھے پوری بات بتاؤ۔۔ہمارے شہر جانے کے بعد تمھارے ساتھ کیا ہوا۔۔؟

باء جی نے اتنا بڑا جھوٹ کیوں بولا۔۔؟؟

اور کیا وہ بھی واقعی باخبر ہیں کہ تم یہاں ہو..؟" وہ ایک ہی سانس میں کئی سوال پوچھ گئی تھی۔کیونکہ اوزگل جانتی تھی۔اللہ لوک جب بھی جلال میں آ جاتی تو کسی سے بات نہ کرتی تھی۔

"حد مل گئی تیری" اس کی آواز بلند تھی۔۔

"تے جدوں حد مک جاندی اے۔۔کُکھ نئیں رہیندا اے۔۔

سب کچھ اوکھا پیندا اے۔۔۔" وہ بار بار الفاظ دہرانے لگی تھی۔بے بس ہو کے اوزگل اٹھنے لگی۔جب اچانک اس نے اوزگل کا ہاتھ تھام لیا۔

"ہو سکے تو کل رات یہاں آ جانا۔۔بہت کچھ تیرا میرے پاس ھے۔تجھے لوٹانا ھے۔لیکن ایسے ہی آنا۔چور راستے سے۔۔ورنہ تو بھی کچھ نہیں کر پائے گی۔۔کچھ نہیں" وہ اب پشتو میں اسے کہہ رہی تھی۔اس نے سر ہلایا اور ایک نظر دوسرے قدرے تاریک زندانوں پہ ڈال کے اس روشندان کی طرف بڑھ گئی جہاں سے وہ اندر آئی تھی۔باہر سے آتی فجر کی اذان بھی اس کے دل کا بوجھ کم نہ کر سکی تھی۔۔

☆......☆......☆

زندگی ان کے لئے کچھ آسان تو نہیں رہی تھی لیکن اس قدر مشکل بھی کبھی نہ تھی کہ سانس لینا دوبھر ہو رہا تھا۔۔پھر اس بار بات ان کی لالہ کی تھی۔ ان پہ بیتتی تو شاید ہمیشہ کی طرح لب سیئے سہہ جاتیں لیکن اب کی بار دل نہ جانے کیوں پھٹا جا رہا تھا۔شاویز کا یوں اچانک بدلاؤ مزید دکھ کا باعث تھا۔لیکن وہ انہیں جس قدر عزیز تھا۔وہ اسے کچھ کہہ بھی نہیں سکتیں تھیں۔اور لالہ کو اب سمجھ آ رہی تھی۔ ناانصافی سہنا تو جیسے ان کی عادت تھی۔اور اسی وجہ سے شاید وہ اسی قدر آرام سے لالہ اور زرینہ کی باتیں بھی سہن کر جاتیں تھیں۔

شاویز کے معاملے میں بھی ان کا یہی ردعمل تھا۔وہ الٹا اسے ہی صبر کا کہتیں۔شاویز کے سامنے نہ آتیں۔بات برداشت سے باہر ہو جاتی تو اس جگہ سے اٹھ کر چلی جاتیں۔لیکن کبھی شاویز کو روک نہ پاتیں۔لالہ کا وجود مزید بکھرنے لگا تھا۔گھر سے مایوس ہو کے امی دادو اب جلد سے جلد باہر کا کوئی رشتہ تلاش رہیں تھیں۔

خالہ زہرہ بھی نہ جانے کہاں کہاں سے رنڈوے،عمر رسیدہ کنوارے اور دوسری تیسری شادی والے نکال نکال کے لانا شروع ہو گئیں۔

"زندگی کا کیا ھے لالہ۔۔ہر صورت گزر ہی جاتی ھے۔بس عزت کے بغیر نہیں گزرتی۔" سبین اس کے آگے اس کے باپ کی عمر کے مردوں کی تصویریں رکھتیں اسے سمجھائے جاتیں اور لالہ خالی خالی نظروں سے ان کے چہرے کو تکے جاتی۔سبین دل ہی دل میں اس کی چپ پہ خون کے آنسو روئے جاتیں لیکن اس کے سامنے خود پہ ضبط رکھتیں اور اسے بھی مضبوط بننے کا کہتیں۔حالانکہ اس کی چپ ان کا سینہ چاک کیئے جاتی تھی۔ایسی چپ تو اسے اجڑ کے بھی نہ لگی تھی جتنا گھر والوں کا رویہ اسے بخش گیا تھا۔دادو بھی اس سے دور ہی رہنے لگیں تھیں۔نہ جانے کیوں اسے دیکھتے ہی ضبط کھو بیٹھتی اور یوں پھوٹ پھوٹ کے روتیں کہ لالہ مزید بکھر جاتی۔۔

"تم یہ تصویریں دیکھ لو۔انہوں نے تو بنا دیکھے ہی ہاں کر لینی ھے۔پری جیسی لڑکی کے لئے بھلا کون نہ کرے گا" وہ تصویریں اس کے سامنے ڈالتے ہوئے اسے ہدایت کرتے ہوئے پیار سے کہتیں تو لالہ کا دل کرتا وہ ان کے گلے لگ کے خوب روئے اور کہے کہ بے شک اسے قتل کر دیں لیکن اس طرح ذلیل نہ کریں۔لیکن وہ لب سیئے رہتی۔خالی نگاہوں سے ان تصویروں کو دیکھتی جاتی۔اور پھر عکس دھندلاتے اور سبین کے کمرے سے جاتے ہی وہ سسک اٹھتی۔۔۔

" کون ہوگا جو یہ بوجھ اٹھائے گا۔ گناہ کا یہ بوجھ میں نہیں اٹھا پا رہی۔کوئی اور کیسے اسے سہارے گا۔قبول کرے گا"

وہ بھی جیسے شکست کھا چکی تھی۔اب تو یہی خواہش بچی تھی۔کوئی بھی ہو بس اسکی ماں اور دادو کی پریشانی ختم کر دے۔اسے پناہ دے دے۔اس کا اپنا آپ تو جیسے مر چکا تھا۔نہ اسے کسی اپنی کسی خواہش کی چاہ تھی نہ ہی اب کسی بہترین ساتھی کی چاہ ۔۔بس کوئی ہو جو اس گناہ کی پوٹلی کو اس سے دور کر دے۔"اور اس دن روتے روتے نہ جانے اسے کیا ہوا تھا۔وہ اچانک ہی چیخنے چلانے لگی تھی۔دادو اور سبین دوڑتی ہوئیں اس کے پاس آئیں تھیں۔وہ بری طرح اپنے پیٹ میں مکے جڑ رہی تھی۔

"لالہ۔۔"وہ دونوں تیزی سے اس کی طرف بھاگیں

"لالہ۔۔میرے بچے۔۔"دادو نے اسے خود میں سمیٹ لیا۔

"سنبھالو خود کو لالہ۔۔سب ٹھیک ہو جائے گا" سبین نے روتے ہوئے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔بیٹی کا دکھ ان کی روح تک کو گھائل کیئے جا رہا تھا۔لیکن وہ بے بس تھیں۔کسی بھی طرح اس کی اجڑی ہستی کو سمیٹ نہیں پا رہی تھیں۔۔

"امی مجھے مار دیں۔ پلیز مجھے مار"لالہ چلاتے ہوئے بولی تھی۔۔۔

"مجھے اس گند کو نہیں پالنا۔امی۔ پلیز اس سے میرا پیچھا چھڑوا دیں پلیز" وہ ہاتھ جوڑتے ہوئے ماں سے بولی تھی اور سبین اس کے ہاتھ تھامتیں انہیں ہاتھوں پہ سر ٹیکتے خود بھی رو دیں تھیں۔اب وہ اسے کیا بتاتیں کہ وہ زندگی کے اس موڑ پہ تھیں جہاں صرف قدرت کی چلتی ھے۔انسان بلکل بے بس ہو جاتا ھے۔وہ بھی بے بس تھیں۔اپنی جان سے پیاری بیٹی کے لئے بھی چاہ کر بھی کچھ نہیں کر پا رہیں تھیں۔انہوں نے اب سب کچھ رب پہ چھوڑ دیا تھا۔۔اس کے علاوہ ان کے پاس کوئی چارہ نہ رہا تھا۔۔۔اور بے شک اللہ ہی بہترین مددگار ھے۔۔۔

☆......☆......☆

"باری! ادھر دیکھو۔۔یہ ڈریس کیسی ھے؟" وہ تین دن کے لئے اسلام آباد آئے ہوئے تھے۔امن کی کوششوں کی وجہ سے کئی بڑے ہوٹلز کے اونرز سے وہ بات کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔بلکہ اسے اچھے انویسٹرز بھی ملے تھے۔یہاں آ کے تین دن وہ مسلسل آفس کے کاموں میں بزی رہے تھے۔اور آج فری ہوتے ہی امن ضد کر کے مارکیٹ لے آئی تھی۔

" کتنے کنجوس ہو تم باری۔ اتنی اچھی سٹارٹنگ کے بعد بھی ابھی تک کوئی گفٹ نہیں دیا مجھے۔جبکہ میرے خیال میں تمھاری اکلوتی بیسٹ فرینڈ ہوں میں" خوشگوار میٹنگ کے اختتام پہ بلڈنگ سے باہر آتے ہی امن نے اس سے گلہ کیا تھا اور اس نے فوراً اس کی ناراضگی ختم کرنے کے لئے حامی بھر لی تھی۔ اور اب پچھلے ایک گھنٹے سے سانٹارس میں کتنی ہی شاپس چھان لینے کے باوجود وہ کچھ بھی پسند نہیں کر پائی تھی۔باریال جلد ہی بیزار ہو گیا تھا۔اس کے بدلتے موڈ کو دیکھتے ہی اس نے کچھ سوٹ پسند کر کے اسے دکھاتے ہوئے پوچھا تھا۔ باریال بس سر ہلا گیا تھا جیسے اسے اس سب سے کوئی مطلب ہی نہ ہو۔امن نے اس بار بدلی سے وہی دو ڈریسز پیک کروائیں اور مزید شاپنگ کا ارادہ ملتوی کرتی باہر کی طرف بڑھی۔

"بس ان دو ڈریسز کے لئے اتنی دیر ادھر ادھر گھومتی رہی تم؟" باریال کو حیرانگی ہوئی۔

"نہیں۔۔صرف تمھارے ساتھ رہنے کے لئے۔۔" وہ رکے بنا بولی تھی اور گلاس ڈور سے باہر نکل گئی۔باریال ٹھہر سا گیا تھا۔نہ جانے کیوں سایہ سا اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا تھا۔ وہ تیزی سے سر جھٹکتا باہر آیا۔امن گاڑی میں بیٹھ چکی تھی۔وہ بھی اس طرف آیا اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال گیا۔۔

"اگر اتنی سی بات تھی تو صاف بتا دیا ہوتا کہیں بیٹھ کر وقت بتا لیتے۔ یہاں تو تھکن سے برا حال ہو گیا" اس کے لہجے سے دبی مسکراہٹ صاف ظاہر تھی۔

"پلیز باری۔۔میں نے تمھیں کئی بار کہا ھے۔میری فیلنگز کا مذاق مت بنایا کرو۔یکطرفہ سہی لیکن یہ ایک حقیقت ھے تمھارا ساتھ میرے لئے بہت اہم ھے۔تم ساتھ ہوتے ہو نہ تو کسی اور چیز کی طلب نہیں ہوتی مجھے۔شاپنگ تو بس بہانہ تھا۔مجھے تمھارا ساتھ چاہئے تھا۔

ورنہ تو ہوٹل جاتے ہی تم اپنے روم میں بند ہو جاتے ہو۔دس دفعہ کال کرو تب کہی جا کر بات کرتے ہو اور اگر کہیں گھومنے کا کہو تو صاف جواب۔۔میں کام کر رہا ہوں" وہ آج جیسے سارے پرانے کھاتے بے باک کرنے والی تھی۔بات کے آخر میں اس نے باریال کے لہجے کی نقل کرتے ہوئے کہا تھا۔باریال کا قہقہ بے ساختہ تھا۔

"توبہ امن۔۔تم تو بھری بیٹھی ہو" وہ ہنستے ہوئے بولا تھا۔۔

"شکر ھے تمھیں بھی خبر ہوئی" وہ منہ بنا گئی۔

"اچھا اب بتاؤ۔ ڈنر کہاں کریں۔آج کی شام صرف تمھارے نام" وہ مسکرایا۔لیکن اس کی مسکراہٹ بھی امن کا موڈ درست نہیں کر پائی تھی۔اس نے سیدھا ہوٹل جانے کی ضد برقرار رکھی تھی۔ہار مانتے ہوئے باریال نے گاڑی ہوٹل کی طرف موڑ دی تھی۔

☆......☆......☆

لال حویلی کے پرانے کنویں کی ٹوٹی لال اینٹوں والی منڈیر پہ بیٹھے چاند کی روشنی میں وہ بس اسے تکے جا رہی تھی اور وہ حیاء کے دیس کا شہزادہ نگاہیں کنوئیں کے اندر نظر آتی سیاہی پہ جمائے یوں باادب بیٹھا تھا۔جیسے نگاہ اٹھائے گا تو اس محبت کی دیوی کے حسن کو ناپاک کر دے گا۔۔اور اس کی یہی ادا تو تھی جس نے گل مینہ کو پاگل بنا دیا تھا۔وہ اس پہ نظر ڈالتا بھی تو جیسے سو بار نظر کا وضو کر کے۔اسے خود پہ رشک آتا۔۔

"خانزادی۔۔۔"رات کے سناٹے میں جیسے کوئی مقدس سر جاگا تھا۔

مینے نے کنوئیں کی منڈیر پہ لگا وہ واحد زرد پھول بھی جڑ سے اکھاڑا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔ابراہیم نے اس کی طرف دیکھے بنا ہی وہ پھول تھام لیا تھا۔۔

"میں نے سنا ھے خانزادی۔۔حویلی کی بیٹیوں کو محبت راس نہیں آتی۔ابھی بھی وقت ھے اس راہ سے پلٹ جائیں"

"تم پلٹ سکتے ہو۔۔؟؟"اس نے الٹا سوال کر دیا۔ابراہیم نے اس بار اس کی طرف دیکھا اور پھر گل مینہ کی نظروں سے نظریں ملتے ہی وہ فوراً نظریں جھکا گیا تھا۔

"میری حیثیت کیا ھے آپ اچھی طرح جانتی ھیں۔ادب کی راہ ہمیشہ میرے لئے محبت کی راہ سے مقدم رہے گی" وہ بولتے ہوئے دور کہیں خلا میں دیکھنے لگا تھا۔۔گل مینہ کھلکھلاء۔

"توبہ۔۔تم نہ بادشاہ اکبر کے دور میں پیدا ہوتے۔قسم سے کبھی کبھی مجھے ایسے لگتا ھے کسی شاہی غلام کی روح گھس گئی ھے تم میں"

"میں نے اپنے بڑوں سے سنا تھا خانزادی۔۔۔حویلی کی عورتوں کو محبت راس نہیں آتی" وہ اس کے لئے فکر مند تھا۔

"پھر میں خان بابا کے ساتھ ساتھ ضیاء کو بھی اچھی طرح جانتا ھوں۔وہ کبھی اس بات کے لئے راضی نہ ہوں گے کہ ایک

ملک کا رشتہ اپنی بیٹی کے ساتھ طے کر دیں۔" اس کی بات میں سچائی تھی گل مینہ بھی جانتی تھی۔ لیکن اسے باتوں کو جھٹلانا جانتی تھی۔

"جو قدرت کو منظور ہوتا ہے نہ تو اسے کون روک سکتا ہے ابراہیم... لال حویلی کی عورتوں کو بھی محبت راس آتی ہے۔ یہ میں دنیا کو دکھاؤں گی" وہ ایک ادا سے کہتی اس کا ہاتھ تھام گئی تھی۔ اس نے جھٹکے سے ہاتھ چھڑا لیا اور کپڑے جھاڑتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"رات ڈھل رہی ہے۔ میرے خیال میں اب اپکو جانا چاہئے" اس نے حویلی کے اندرونی حصے کی طرف دیکھتے ہوئے مینے سے کہا تھا۔ یہ حصہ حویلی کے باہر صرف ان مہمانوں کے استعمال میں رہتا جو شہر سے مہمان بن کے آتے تھے۔ ابراہیم اور ضیاء کے دوسرے دوست بھی اکثر یہیں قیام کیا کرتے تھے۔

اور یہ ایک حقیقت تھی کہ اس طرف عورتوں کا آجانا واقعی ناممکن تھا۔ لیکن اس پاگل لڑکی کے جنون کے آگے وہ بھی مجبور ہو جاتا تھا۔ وہ کسی نہ کسی طرح ان دو حصوں کی درمیانی حد پار کر ہی لیتی تھی۔ اس کے اسی جنون سے کبھی کبھی اسے سخت خوف آتا تھا۔ وہ احسان فراموش ہرگز نہ تھا۔ لیکن لال حویلی کی اس پری میں ایسا کچھ تھا جو اسے بھی مجبور کر دیتا تھا کہ وہ اس کی محبت کے آگے سرنگوں ہو جائے۔ خود پہ اختیار تو وہ کب کا کھو چکا تھا۔ بس اب اس پری کی عزت کا پاس تھا۔ محبت پہ اختیار نہیں ہوتا لیکن نفس پہ اختیار مضبوط مرد کی شان ہے۔ اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ نفس کے کسی ایسے ہی کمزور لمحے کی زد میں آ کے وہ اس مقدس رشتے کو داغدار کر لے۔

"جائیں خانزادی۔ اور خدارا کل اس طرف مت آیئے گا۔" وہ چند قدم دور جا ٹھہرا تھا۔ مینے نے خفا سی نگاہ اس کی چوڑی پشت پہ گاڑ دی۔ پھر دھیرے دھیرے چلتی کنوئیں کے قریب آ گئی۔ کنوئیں کے پانی میں چاند اور اس کا عکس آپس میں گڈمڈ ہونے لگے تھے۔

"میں تو کل رات بھی آؤں گی۔ مجھے بھلا کون روک سکتا ہے" وہ پانی میں اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے دلفریبی سے مسکرا دی۔

"ٹھیک ہے۔۔ آپ کی مرضی" ابراہیم ٹھنڈک سانس بھر کے رہ گیا۔۔

"لیکن پھر آپ کو اکیلے اس خوفزدہ مقام پہ وقت گزارنا ہوگا کیونکہ کل رات میں یہاں نہیں آؤں گا۔۔" وہ کہہ کے آگے بڑھا۔

"ابراہیم حیات کو جب جب گل مینہ بلائے گی اسے آنا پڑے گا" وہ اس کی طرف مڑی۔ ابراہیم کے بڑھتے قدم رکے۔

"اور اگر نہ آئے تو۔۔؟" مڑے بغیر ہی اس نے سوال کیا تھا۔

"تو حویلی کی تاریخ ایک اور گواہی دے گی کہ لال حویلی کے پرانے کنویں کے سیلن زدہ پانی نے ایک اور خوبصورت خانزادی کو نگل لیا تھا" اس کے لہجے میں موت کی سی سچائی تھی۔ ابراہیم کا جسم جیسے پتھر کا ہو گیا تھا۔۔ وہ مڑ نہیں سکا تھا۔ گل مینہ نے قدم بڑھائے۔

"اور تم جانتے ہو ابراہیم حیات۔۔ مینہ موت سے بھی نہیں ڈرتی" چلتے چلتے وہ اس کے قریب سے گزرتے ہوئے بولی تھی۔

ابراہیم ساکت کھڑا اسے حویلی کے دوسرے پار غائب ہونے تک دیکھتا رہا تھا۔۔

☆......☆......☆

"میرا موبائل دیکھا ھے تم نے؟" وہ صبح سے موبائل ڈھونڈ ڈھونڈ کے تھک گئی تھی۔آغا گھر آیا تو اقراء نے اس سے پوچھ لیا۔

" کیوں؟ موبائل کی کیا ضرورت پڑ گئی تمھیں" وہ واسکٹ اتار کے اسے پکڑاتے ہوئے بولا۔

" کیا مطلب ضرورت پڑ گئی۔۔"اس نے آغا کے ہاتھ سے واسکٹ تھامتے ہوئے کہا۔

" کالز کرنا ہوتیں ھیں۔امی نانو سب سے بات کرنا ہوتی ھے" وہ اس کے لئے کپڑے نکالتے ہوئے بولی تھی۔لہجہ تیز تھا۔

"تو میرے موبائل سے کر لیا کر نہ۔خالہ کا نمبر بھی سیو ھے اور تمھارے اس کھڑوس بھائی کا نمبر بھی۔نانو کا سیو کر لو۔بات ختم" وہ ہاتھ جھاڑتے ہوئے بولا جیسے واقعی سارا کام نبٹا لیا ہو۔

"نہ مطلب کیا ھے تیرا؟" کپڑے لئے وہ تیزی سے اس کی سائیڈ پہ آئی تھی۔ت۔ھارے سے تیرے پہ آنے سے صاف ظاہر تھا اس کا موڈ بگڑ چکا ھے۔آغا نے غصیلی نگاہ اس کے خوبصورت چہرے پہ ڈالی تھی اور پھر اچانک ہی آگے بڑھ کے اس کے گال دبوچ لئے تھے۔

"مطلب یہ کہ تیرا موبائل میں نے بیچ دیا اور سم ضائع کر دی۔اب تجھے جس سے بھی بات کرنی ہو میرے موبائل پہ کر لینا" اس کی گرفت اس قدر سخت تھی کہ اقراء کی آنکھیں بھر آئیں۔اس کے آنسو دیکھ کے آغا کے دل کو کچھ ہوا۔اس نے فوراً ہاتھ ہٹا لئے اور اس کے ہاتھوں سے اپنے کپڑے لینے لگا۔

"ویسے بھی ابھی تیری عمر ہی کیا ھے۔یہی سترہ اٹھارہ کی ہوگی مشکل سے۔ اور میں نہیں چاہتا میری طرح تو کسی اور سے بھی عشق معاشقہ کر لے۔عورت کی عقل تو ہوتی ہی گٹوں میں ھے۔۔چل جا کھانا نکال میرے لئے" اسے سائیڈ پہ دھکا دیتا وہ باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔اور وہ بس اس کے آخری جملے کو سوچتی وہیں کھڑی رہ گئی تھی۔۔

"عورت کی عقل تو گٹوں میں ہوتی ھے"

اس کی غلطی تھی یا اماں کی لالہ کے بارے میں کہی باتیں سامنے آ رہی تھیں۔وہ اندازہ نہی لگا پائی تھی۔

☆......☆......☆

کل رات اس نے جو کچھ بھی تہہ خانے میں دیکھا تھا۔وہ اس کے رونگٹے کھڑے کر دینے کے لیے کافی تھا۔بات معمولی نہی تھی۔وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ حویلی میں پر مارنے والے پرندے تک کی خبر ہوتی ھے باء ∟ جی کو،تو ایسا کیسے ممکن تھا کہ اللہ لوک زندہ ہو اور باء جی کو خبر نہ ہو۔

ان کے سامنے وہ اللہ لوک کے لئے کس قدر اداس تھے۔رو رہے تھے۔تو کیا یہ سب باء جی کے حکم پہ۔

" نہی۔۔۔۔نہیں۔۔۔"وہ فوراً نفی کر گئی۔

"باء ∟ جی تو اتنی پیاری فطرت کے مالک ہیں۔وہ بھلا ایسا کس طرح کر سکتے ہیں" وہ اس نہج پہ سوچنا بھی نہیں چاہ رہی تھی۔

لیکن دل تھا کہ بار بار باء.جی کے خلاف ہی ہوا جا رہا تھا۔

" کیا میں کسی اور سے یہ سب ڈسکس کرلوں ۔"اس نے جیسے خود سے سوال کیا۔

"ضیاء یا مینے سے؟؟"ان کے علاوہ اعتماد کے قابل اور کوئی تھا بھی نہیں۔

"نہیں ۔۔نہیں "اس نے فوراًا اپنی نفی کی تھی۔ "اللہ لوک نے کہا تھا کسی کو پتہ نہ چلے۔چور راستے سے آنا۔۔۔"اس نے جیسے خود کو باور کروایا۔

" مجھے فی الحال اس بات کا ذکر کسی سے نہیں کرنا ہوگا۔ورنہ ہوسکتا ھے ایک بار پھر میں اللہ لوک کو کھودوں اور اس بار شاید ہمیشہ کے لئے "اس نے خود کو مضبوط کرتے ہوئے فیصلہ کیا۔دن نکل آیا تھا۔اسے رات کا انتظار کرنا تھا۔ساری رات جاگتے رہنے سے اب سر میں بھی درد ہو رہا تھا۔وہ رات کا پلان مرتب کرتی بیڈ پہ لیٹ گئی۔کچھ ہی دیر میں وہ گہری نیند سو چکی تھی

☆......☆......☆

شادی کا گھر تھا۔ڈھول کی تیز تھاپ اور پٹاخوں کے شور سے کان پھٹنے جا رہے تھے۔وہ مسلسل کانوں پہ ہاتھ رکھے جیسے اس شور سے بچنا چاہیے رہا تھا۔سر درد تھا کہ بڑھا جا رہا تھا۔تبھی شور اٹھا تھا۔

"دلہن ۔۔ہائے دلہن " کی ہوا تھا۔اسے حیرت ہوئی۔وہ بھی ماجرہ دیکھنے کو ذرا سا آگے ہوا۔تو حیرت سے اسے شدید جھٹکا لگا۔دلہن کے خوبصورت روپ میں وہ بلا شبہ لالہ تھی۔اس کے لبوں اور ناک سے خون کی لکیر سی بہہ رہی تھی۔تبھی اچانک اس کے سر سے زرتاش دوپٹہ کسی نے زور سے کھینچا تھا اور اس کے بال بکھر گئے تھے۔تکلیف سے اس کی آنکھوں میں آنسو بھرنے لگے تھے۔تبھی وہ اچانک اٹھ کر بھاگی تھی اور نہ جانے کس چیز سے ٹھوکر کھا کے گرنے لگی تھی جب باریال کے مضبوط بازوؤں نے اسے تھام لیا تھا۔

"لالہ "وہ بے اختیار پکارا تھا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔۔اس نے اپنے چاروں طرف کا جائزہ لیا

وہ اس وقت اپنے کمرے میں تھا اپنے بیڈ پہ۔

"لالہ۔۔۔"اس نے زیرلب وہ نام دہرایا تھا۔دل نے بے اختیار ہی ایک بیٹ مس کی تھی۔

وہ اس پری پیکر کو سوچتا سیدھا لیٹ گیا۔نیند اب آنکھوں سے بہت دور تھی۔فجر کی نماز ادا کر کے وہ سیدھا دیدے کے پاس چلا آیا۔

" آج تو بڑا بختاور دن ھے باری خود جاگا ھے نماز کے لئے "اسے رات کو دیر سے سونے کی عادت تھی۔تبھی ہمیشہ فجر کے لئے دیدے ہی اسے جاتیں تھیں۔آج اسے جاگا دیکھ کے خوشگوار حیرت سے بولی تھیں۔

" کہیں میری ہونے والی بہو نے تو نہیں جگا دیا"ان کے لہجے میں شرارت تھی۔باریال کی نگاہوں میں دلہن بنی لالہ کا سراپا لہرا گیا۔

"بہو۔۔۔؟"وہ زیرلب بڑبڑایا۔

"ہاں نہ۔امن نے کال شال کر کے تو نہیں جگایا"اب کی بار پہ نہ جانے کیوں باریال کا منہ بن گیا۔

"نہیں دیدے۔خود جاگا ہوں۔اور وہ آپ کی ہونے والی بہو نہیں ھے۔میں بتا چکا ہوں آپ کو"اس نے یاددہانہ کروائی۔

دیدے کا قہقہ بے ساختہ تھا۔

"کتنی پاگل ھے وہ تمھارے پیچھے۔تمھیں تو ویسے بھی کوئی اور نہیں پسند۔اسے ہی تسلیم کر لو۔ مجھے بھی چین ملے"وہ اٹھ کر کچن میں آ گئیں۔باریال بھی ان کے پیچھے تھا۔

"ایک بات بتائیں دیدے"انہوں نے چائے کے لئے پانی رکھا تو وہ سلیب سے ٹیک لگا کر پوچھنے لگا۔

"ہاں۔۔۔"

"اگر کسی کا دکھ آپکو پریشان کرے تو آپ کو کیا کرنا چاہئے؟"

اس نے ماں کا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھا۔۔

"سادہ سی بات ھے۔اس کا دکھ بانٹ لینا چاہئے"ان کا چہرہ ہمیشہ کی طرح پرسکون تھا۔

"اور اگر دکھ بہت بڑا ہو"وہ مطمئن نہ ہوا۔۔

"تب تو اور بھی جلدی کرنی چاہئے۔۔"وہ اس کی طرف مڑتے ہوئے مسکرائیں۔

"کیونکہ بانٹ لینے سے بڑے سے بڑا دکھ بھی چھوٹا ہو جاتا ھے۔۔۔ہاں مگر خلوص شرط اول ھے۔"ان کے لہجے میں بھی ان کی شخصیت کے رنگ بولتے تھے۔اسے ماں پہ فخر ہوا۔

"اچھا۔اب جلدی سے اس کا نام بتا دو جس کے رنگ تمھاری آنکھوں میں لو دینے لگے ہیں"وہ جیسے اس کی چوری پکڑ چکی تھیں۔

وہ سر کھجا گیا۔

"ایسی کوئی اتنی نہیں دیدے بس کسی کی پریشانی سہی نہیں جا رہی"

"تب تو بالکل صاف ھے۔جا کے اس کا دکھ بانٹ دو۔دونوں کے لئے سہنا آسان ہو جائے گا"انہوں نے مسکراتے ہوئے حل بتایا۔وہ اب آملیٹ بنا رہی تھیں۔۔

"یہ آسان نہیں ھے دیدے"وہ پاؤں سے زمین پہ نہ جانے کیا تراشے جا رہا تھا۔۔

"دکھ بہت بڑا ھے اور میرا ظرف بہت چھوٹا"

"کاش لالہ کے لئے یہ فیلنگز پہلے جاگیں ہوتیں"آخری بات اس نے جیسے خود سے کہی تھی۔

"اچھا"انہوں نے آملیٹ پلیٹ میں ڈالتے ہوئے حیرت سے کہا۔

"میرے خیال میں تو تم اب بلکل تیار ہو۔۔

اب دیکھنا یہ ھے کہ تم خود کو کب سمجھتے ہو" مسکرا کر اس کے گال تھپتھپاتے ہوئے وہ اس کے لئے ناشتہ ٹیبل پہ رکھنے لگیں۔وہ ساکت سا کھڑا انہیں دیکھے گیا۔۔

☆......☆......☆

جب سے وہ اس حادثے سے گزری تھی۔زندگی میں جیسے تاریکی اتر آئی تھی۔آج بھی سر شام گھر آنے والے بادلوں نے ہر طرف اندھیرا سا پھیلا رکھا تھا۔اور اسے اب اندھیروں سے خوف سا آنے لگا تھا۔وہ جائے نماز لئے اندر کمرے میں آ گئی اور سارے بلب آن کر دئے۔کمرہ روشنیوں میں نہا سا گیا تھا۔اس نے دروازے اور کھڑکیوں پہ پردے گرا دئے اور کھڑکی کے قریب ہی جائے نماز بچھا کے نماز پڑھنے لگی۔تیز ہوا اور بارش شروع ہوئی تو پردوں سے بوچھاڑ سی اندر آتی اور اسے ہلکے سے بھگو دیتی۔سکون سا اس کی ذات کا حصار کرتا اور رب کا ذکر کرتی وہ بے آواز رونے لگتی۔آنسو جیسے روح کی ساری غلاظت دھوتے محسوس ہوتے۔وہ نہ جانے کتنی دیر ایسے ہی آنسو بہاتی رہتی جب سبین کی کمزور آواز پہ چونک پڑی۔۔وہ اس کے قریب ہی کارپٹ پہ بیٹھی اسے پکار رہیں تھیں۔

"اتنی گم سم کیوں ہو جاتی ہو لالہ کہ سب ویران سا لگنے لگتا ھے مجھے۔۔

زندگی میں بہت کچھ ایسا ہوتا ھے جس کے بارے میں ہم سوچنا بھی نہیں چاہتے لیکن اس سب کا مقابلہ کرنا ہی اصل ھے زندگی کی۔سب کچھ ہار کے بیٹھ جانا تو کوئی حل نہیں نہ" اس نے نم آنکھوں سے ماں کے دھندلے پڑتے چہرے کو دیکھا تھا۔

"امی۔۔۔وہ حادثہ گزر جاتا تو میں بھی شاید سنبھل جاتی" اس کے گال مسلسل بھیگ رہے تھے۔

"لیکن یہ حادثہ تو جیسے ٹھہر سا گیا ھے میری زندگی پہ۔۔زندگی چھوٹے تو کہیں جا کے امان ملے امی۔۔ اور آپ بتائیں اب اس زندگی سے ہاتھ چھڑاوں تو کیسے۔۔"

"نہ میرا بچہ".. سبین نے فوراً اسے خود میں سمیٹ لیا۔

"ایسی باتیں نہیں کرتے۔سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ اس کا سر آہستگی سے تھپتھپاتے ہوئے کہنے لگیں تھیں۔

"شاویز بتا رہا تھا۔ایک بہت اچھا رشتہ ملا ھے تمھارے لئے۔اپنا کماتا ھے۔الگ گھر ھے کوئی اتنی بڑی فیملی بھی نہیں ھے۔دو بھائی ہیں وہ بھی اپنی فیملیز کے ساتھ دوسرے شہر میں سیٹل ہیں۔پہلی بیوی سے اولاد نہیں ہوئی تو طلاق ہو گئی۔اگر تم کہو تو کل انہیں گھر پہ بلا لیں" انہوں نے ڈرتے ڈرتے اصل مدعا بیان کیا۔لالہ ان کے سینے میں منہ چھپائے خاموش رہی۔

"پرایا بوجھ بھی اپنا سمجھ کے دل سے لگا لے گا۔ شاویز تو کل ہی نکاح کا کہہ رہا ھے تاکہ اور دیر نہ ہو اور کسی طرح ہمارا پردہ رہ جائے۔وہ ٹھہرا بے اولاد آدمی اسے اس بات کی خبر بھی نہ ہو پائے گی کہ بچہ اس کا ہے ہی نہیں" وہ جیسے شاویز کے ہی لہجے میں سارا منصوبہ بتا

رہیں تھیں۔لالہ کا دل کٹنے لگا۔وہ آہستگی سے ان سے الگ ہوگئی۔

"میں تیار ہوں امی۔آپ انہیں کل شام کا کہہ دیں" دھیرے سے انہیں اقرار سونپتی اس نے جیسے ان کے سر سے ایک بڑا بوجھ اتارا تھا۔وہ اسے دعائیں دیتیں باہر نکل گئیں اور وہ سارا بوجھ دل پہ لئے دوبارہ رونے لگ گئی تھی۔باہر برستی بارش میں ایک دم تیزی آئی تھی۔بوچھاڑ اب بھی پردے سے ٹکراتی اسے بھگو رہی تھی۔

☆......☆......☆

سمندر کی تیز لہریں اس کے قدم چھوتیں اور اتنی ہی تیزی سے واپس بھی پلٹ جاتیں۔اور وہ بیزاری سے چند قدم ان کے پیچھے آگے بڑھتا اور پھر ان کے واپس آتے ہی خود بھی پیچھے ہو جاتا۔اس عمل میں وہ اس قدر محو تھا کہ قریب موجود لوگ اسے حیرت سے دیکھنے لگتے۔بلیو جینز پہ وائٹ شرٹ کی آستینیں فولڈ کئے وہ نہ جانے کتنے وقت سے اس مشغلے میں مصروف تھا۔قریب سے گزرتی لڑکیاں اس کی شخصیت کے سحر میں جیسے گرفتار ہوتیں اسے پلٹ کے دیکھنے پہ مجبور ہو جاتیں۔اور وہ خود سے بے نیاز سمندر کی لہروں سے وہی کھیل جاری رکھے ہوئے تھا۔یہ کھیل اور کتنی دیر چلتا جب اس کے موبائل پہ ہونے والی تیز بپ نے اسے چونکا دیا۔اس نے دور سمندر کے بیچوں بیچ ڈوبتے اس نارنجی گولے پہ نظریں جماتے ہوئے فون نکالا اور بنا نظر ڈالے ہی کال پک کر لی۔

" کہاں ہو خان؟" زمزمہ کی پریشان آواز پہ اس نے نچلا لب ہلکے سے دانتوں تلے دبایا تھا۔یوں جیسے اس وقت اس کی کال اسے سخت ناگوار گزری ہو اور وہ ناگواری چھپانے کی کوشش کر رہا ہو۔

" کراچی آیا ہوا ہو دوستوں کے ساتھ "اس نے دوستوں کے بارے میں جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔جبکہ وہ یہاں اکیلے آیا تھا۔

"اتنے دنوں سے غائب ہیں اور کال بھی نہیں اٹھا رہے۔بندہ ایسے تھوڑی کرتا ھے۔میں پریشان ہوگئی تھی"

"اس میں پریشانی والی کون سی بات ھے؟"وہ اب پانی کو پاؤں سے دور اچھال رہا تھا۔

"اصل میں خان یہاں"..وہ اسے کچھ بتانے لگی تھی لیکن پھر خاموش ہوگئی تھی۔ضیاء کو لگا وہ جیسے دوسری طرف کسی کے نہ ہونے کی تسلی کر رہی تھی۔

" کیا بات ھے زمزمہ..؟کھل کے بتاؤ"وہ فوراً پریشان ہوا تھا۔

"خان صبح میں نے آپکے خاص ملازم کو فون پہ بڑے خان سے بات کرتے سنا تھا۔وہ بتا رہے تھے کہ کوئی سیاسی رقیب لالہ والے واقعے تک پہنچ گیا ھے اور وہ لالہ کو بڑے خان کے خلاف استعمال کرنا چاہتے ہیں۔"

"تو۔۔" آدھی بات سن کر ہی ضیاء گاڑی کی طرف چل پڑا تھا

"اور کیا بات ہوئی۔جلدی بتاؤ؟"وہ صرف چند سیکنڈز میں گاڑی تک آیا تھا۔اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے بے تابی سے بولا تھا۔

"خان وہ بڑے خان کو کہہ رہا تھا کہ یہ لڑکی ان کے لئے کوئی بڑا خطرہ بن سکتی ھے۔ پھر بڑے خان نے پتہ نہیں اسے کیا حکم دیا وہ بس جی خان جی خان کرتا رہا"

"اچھا۔ٹھیک ھے۔تم فون رکھو میں رات تک پہنچتا ہوں"

"ٹھیک ھے خان۔۔خدائے پہ امان" اس نے فوراً کال کاٹ دی تھی۔ساحل سمندر پہ گاڑی دوڑاتے ہوئے اس نے کال ملائی تھی۔

"سنو مجھے ابھی پشاور کے لئے نکلنا ھے۔میری ٹکٹ کنفرم کروا کے مجھے اطلاع دو" اس نے دوسری طرف اپنے ملازم کو ہدایت کی تھی اور اس کا جواب سنتے ہی فون ڈیش بورڈ پہ اچھال دیا تھا۔سڑک پہ آتے ہی اسکی کار فراٹے بھرنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

اسلام آباد سے واپس آتے ہی وہ سب سے پہلے شاویز سے ملنے اس کے گھر گیا تھا۔نہ جانے کیا بات تھی کہ دل مسلسل اس لڑکی کو سوچ کے پریشان تھا۔اس کے بارے میں وہ اپنے جذبات کو اب بھی نہیں سمجھ پا رہا تھا لیکن وہ یہ ضرور جاننا چاہتا تھا کہ اب وہ کیسی ھے؟ شاویز نے اپنی ضد چھوڑی یا اس لڑکی نے ہتھیار ڈالے۔لیکن شاویز کی بیٹھک میں قدم رکھتے ہی اسے کچھ انہونی ہونے کا احساس سا ہوا تھا۔بیٹھک کھلی تھی۔تبھی وہ شاویز کے اشارے پہ اندر چلا آیا تھا۔بیٹھک میں ایک ادھیڑ عمر شخص پہلے سے موجود تھا۔اس کا رنگ کافی گہرا تھا۔سر کے سامنے سے بال غائب تھے اور دائیں طرف سے چہرے سے لے کر گردن تک مکمل جلنے کے نشان تھے۔اسے دیکھ کے نہ جانے کیوں باریال کو اس سے کوفت سی محسوس ہوئی۔یہ نہیں تھا کہ وہ کم صورت لوگوں سے نفرت کرنے والوں میں سے تھا۔لیکن اس شخص میں کچھ تو ایسا تھا جو اسے وہ اچھا نہیں لگا تھا۔

"دیکھیں۔اس لڑکی کو ہم نے پال پوس کے بڑا تو کر دیا لیکن اب مجھے کہیں اور شفٹ ہونا ھے اور اسے بھی میں یوں اکیلے چھوڑ کے نہیں جا سکتا۔اور اسی لئے ہمیں آپ جیسے کسی سمجھدار اور اچھے آدمی کی ہی تلاش ھے جو ہمارے بعد اپنوں کی طرح اس کا خیال رکھے" شاویز اس آدمی سے مسلسل بات کرنے میں مصروف تھا اور باریال اس آدمی کا جائزہ لینے میں۔اسے ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کا کوئی اندازہ نہیں ہو پا رہا۔تقریباً پندرہ منٹس بعد معاملہ طے ہوا اور وہ شخص جانے کے لئے اٹھا تو باریال نے سکون کا سانس لیا۔۔

" کچھ عجیب نہیں تھا یہ شخص اور اس کی شادی سے تمھارا کیا لنک۔۔میرج بیورو تو نہیں کھول لیا" اس کے جاتے ہی وہ اپنی اسی دوستانہ جون میں واپس آیا تھا۔

"نہیں یار۔وہی لالہ والا معاملہ سیٹ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں" شاویز بیزار سا صوفے پہ بیٹھتے ہوئے بولا۔

"لالہ۔۔۔مطلب کیا ھے تمھارا۔۔۔؟ اس شخص کا کیا تعلق لالہ کے معاملے سے؟" شاویز کی بات پہ اس کی سانس اکھڑنے لگی تھی۔جو اسے سمجھ آ رہی تھی اب وہ اسے جھٹلانا ہی چاہتا تھا۔

"مطلب صاف ہے یار۔ لالہ کی شادی طے کر دی ہے۔ کل شام کو نکاح ہے سادگی سے"

"تم ہوش میں تو ہو شاویز۔۔ لالہ کی شادی اور اس آدمی سے۔ دماغ تو ٹھیک ہے تمھارا" وہ ضبط سے ہونٹ کچلتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"جس طرح کے حالات ہیں نہ اس میں یہ رشتہ بھی ایک نعمت سے کم نہیں. پھر یہ سب خود لالہ کا کیا دھرا ہے. اب بھگتے ساری عمر" وہ خود غرضی کی انتہا چھونے لگا تھا۔ باریال کو اس کی دوستی پہ پہلی بار افسوس ہوا تھا۔

"اور آنٹی۔۔ وہ اس بات کے لئے مان گئیں؟"

"انہیں ماننا ہی پڑا باری۔ لالہ از پریگننٹ۔۔ اور اب زیادہ عرصہ یہ بات چھپائی نہیں جا سکے گی" اس نے گویا بم پھوڑا تھا۔ باریال شاکڈ کھڑا رہ گیا تھا۔

"اسی لئے میں نے اسے اپنی مجبوری بتا کے کل شام ہی نکاح اور سادگی سے رخصتی کے لئے تیار کیا ہے تا کہ لالہ کو بھی آگے کوئی مسئلہ نہ ہو" شاویز کا لہجہ مطمئن تھا۔ باریال کو اس وقت اس پہ شدید غصہ آ رہا تھا۔ لیکن وہ خود پہ ضبط کئے کھڑا رہا۔

"پھر بھی شاویز۔ یہ آدمی اور وہ بھی لالہ کے لئے۔ ہم کوئی اچھا آپشن بھی تو ڈھونڈ سکتے ہیں"

اس کی بات پہ شاویز کی آنکھوں میں طنز سا جاگ اٹھا تھا۔

"تم نے شاید میری پوری بات سنی نہیں۔۔ شی از ایکسپیکٹنگ مائی ڈیئر۔ اور ایسی حالت میں اس سے بہتر آپشن بھلا اور کون ہوگا۔ کون ہے جو کسی اور کی تھوک اپنے دامن سے صاف کرے گا۔ میں یا تم۔۔" اس کے لہجے میں طنز تھا۔ زہر تھا۔ باریال لب کاٹے گیا۔

"یہ بھی اس بات سے لاعلم ہے ورنہ شاید یہ بھی راضی نہ ہو۔ لالہ اب وہ لالہ نہیں رہی۔ پاک صاف چمکتی سی لالہ۔ اس کے ماتھے پہ سجا داغ ابھی نہیں تو چند دن بعد واضح ہو جائے گا۔ اور اسی لئے میں نے ان صاحب کا انتخاب کیا ہے۔ ورنہ یہ ساری سچائی جاننے کے بعد لالہ کو کون اپنا سکتا ہے۔۔ ہاہ" کہتے ہوئے اس نے دونوں ہاتھ یوں نیچے گرائے تھے جیسے اسے باریال کی لالہ کے لئے ہمدردی پہ بھی افسوس ہوا ہو۔ باریال نے تب بس ایک نظر اس پہ ڈالی تھی اور اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"میں اپناتا ہوں اسے اس کے ہر گناہ ہر داغ کے ساتھ۔ آج رات آٹھ بجے نکاح کا انتظام کرو میں اپنے آدمی لے کر پہنچ جاؤں گا۔" اس کا لہجہ بلکل صاف تھا۔ ذرا سی لغزش ذرا سا تذبذب نہ تھا اس کی آواز میں۔

شاویز جیسے ساکت رہ گیا تھا۔

"اور ہاں رات آٹھ بجے ہی میں اسے ساتھ لے جاؤں گا۔ سادگی لیکن پوری ایمانداری کے ساتھ۔" کہہ کر وہ رکا نہیں تھا۔ باہر نکل گیا تھا۔ دروازے سے لگ کے کھڑی سبین کی جیسے خدا نے سن لی تھی۔ وہ وہیں زمین پہ سجدہ ریز ہو گئیں۔۔

☆......☆......☆

سر شام گھر آنے والے بادلوں کی وجہ سے آج اندھیرا قدرے زیادہ تھا۔ پھر بھی اس کے انداز سے کل والا خوف مفقود تھا۔ وہ

آج بے خوف سی حویلی کے اس ویران بیرونی حصے کی طرف آئی تھی۔اور ٹھیک اس جگہ آئی جہاں اس نے کل نشانی رکھی تھی۔کل رات جاتے ہوئے اس نے ایک ٹوٹی ہوئی لمبی شاخ یہاں سوراخ کے سہارے کھڑی کر دی تھی تا کہ اس کا وقت ضائع نہ ہو اور وہ سیدھا زندان کے اسی روشندان سے اندر جائے جس کے سرے پہ اللہ لوک کا کمرہ تھا۔

وہاں پہنچ کے اس نے وہ لکڑی نکال کے پاس ہی رکھ دی۔پھر قریب رکھی بوسیدہ سی سرخ اینٹ اٹھائی اور آہستہ سے سائیڈز پہ ابھرے نوکیلے کیلوں پہ مارتے ہوئے انہیں اندر دھکیل دیا۔اب جگہ صاف تھی۔اور وہ آسانی سے اندر جا سکتی تھی۔اس نے کچھ دیر وہیں بیٹھ کے ارد گرد کا جائزہ لیا۔۔

"جدوں حد مک جاندی اے۔۔۔

ککھ نئیں رہندا۔۔۔

سب کیتا ای اوکھا پیندا۔۔۔"

اللہ لوک کی بڑبڑاہٹ واضح ہونے لگی تھی۔اس نے اینٹ ایک طرف اچھالی

اور خود سمٹ کے روشندان کے اندر پھسل گئی۔اس بار وہ آسانی سے اندر آ گئی تھی۔ورنہ کل رات ان کیلوں کی وجہ سے اس کے پہلو اچھے خاصے چھل گئے تھے۔نیچے آ کے اس نے اپنے کپڑے آہستگی سے جھاڑے اور اللہ لوک کے تنگ و تاریک کمرے کی طرف آ گئی۔اللہ لوک دیوار کے سہارے ٹیک لگائے لیٹی ہوئیں تھیں لیکن پھر بھی پیر سلاخوں سے باہر آ رہے تھے۔انہیں مکمل لیٹنے میں کس قدر تکلیف ہوتی ہو گی سوچ کر ہی اس کی آنکھیں بھرانے لگیں۔۔

اللہ لوک کا سر جھکا تھا اور لمبے کھلے بکھرے بالوں نے ان کا چہرہ ڈھانپ رکھا تھا۔وہ مسلسل وہی الفاظ دہرا رہیں تھیں جو وہ اکثر کہتی رہتیں تھیں۔وہ اندازہ نہیں لگا پا رہی تھی کہ اللہ لوک جاگ رہیں تھیں یا نیند میں تھیں۔

"اللہ لوک "اس نے دھیرے سے پکارا۔تا کہ اگر وہ سو بھی رہیں ہیں تو ڈسٹرب نہ ہوں۔اسنے طے کر لیا تھا اگر وہ سو رہی ہیں تو وہ ایسے ہی واپس چلی جائے گی۔لیکن اس کی اس دھیمی پکار پہ ہی انہوں نے فوراً سر اٹھایا تھا۔اوزگل نے ایک لمبی سانس بھری۔اللہ لوک کچھ دیر بالوں کے اندر سے ہی اسے گم سم سی گھورتی رہیں پھر ایک جھٹکے سے آگے آئیں۔اوزگل بے اختیار کچھ پیچھے ہوئی۔

"آنکھیں کھول دے اس سے پہلے کہ کالک تجھے بھی کالا شاہ کر دے "وہ سلاخوں کے اندر سے سر اس کے قریب لاتے ہوئے یوں سرگوشی میں بولیں جیسے کوئی گہرا راز بتا رہی ہوں۔۔

"اللہ لوک۔میں نے بابا کی ڈائری پڑھ لی۔لیکن میں حیران ہوں "وہ اللہ لوک کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے اسے بتانے لگی۔

"اس ڈائری میں اتنے سارے لوگوں کا ذکر ہے۔اور ان میں سے کچھ مجھے تھوڑا تھوڑا یاد بھی ہیں۔لیکن اب وہ سب کہاں ہیں۔ ہمیں اور باء جی کو انہوں نے کیوں چھوڑ دیا۔کیا آپ جانتی ہیں۔۔؟"اس نے ان سے پوچھا تھا۔وہ جانتی تھی کہ اللہ لوک ہی ایک ایسی ہستی

تھی جسے سب پتہ ہوسکتا تھا۔ یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ اللہ لوک صرف اس سے ہی بات کرتی تھی ورنہ عام لوگ انہیں پاگل ہی مانتے تھے۔ صرف اوزگل ہی جانتی تھی کہ وہ نہ صرف عام لوگوں کی طرح بات سمجھتی اور بولتیں تھیں بلکہ کبھی کبھی ان کی باتیں خود اوزگل کو بھی حیران کر دیتیں تھیں۔ حلیئے اور حرکات سے وہ واقعی اللہ لوک ہی لگتی تھیں لیکن اوزگل ہی صرف اسبات کی گواہ تھی کہ جب وہ بولنے پہ آتیں تو انتہائی کام کی بات کرتیں۔ ابھی بھی اوزگل کی بات سن کر انہوں نے چونک کر پہلے اس کی طرف دیکھا تھا۔ پھر بے اختیار ہنسنے لگیں تھیں۔۔

"حد مک گئی۔

پردے چکن دا ٹیم آ گیا اے" وہ تالیاں بجاتے ہوئے بولیں۔ اس کا مطلب ابھی وہ بات کرنے کے لئے راضی نہ تھیں۔

"اللہ لوک۔۔۔ آپ اس طرح کریں گی تو میں چلی جاؤں گی۔ اور پھر کبھی یہاں نہیں آؤں گی" وہ خفا ہوئی

"ہاہاہا۔۔۔ سب کچھ تو ننگا ہونے والا ھے۔

سب ظاہر ہو جائے گا۔

حد مک گئی اے۔۔

ککھ رہ جائے گا۔

سب واپس پلٹ جائے گا۔

ہاہاہا۔۔" وہ اور زور سے ہنسنے لگیں۔ اوزگل مایوسی سے کچھ دیر انہیں ہنستا دیکھتی رہی۔ پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تجھے کیا بتاؤں؟" روتے روتے وہ اچانک سسک دیں تھیں۔ اوزگل کے بڑھتے قدم رکے تھے۔

" کیا کیا حساب باقی ھے۔؟

کیا کچھ نگل گیا ایک سنپولیا۔۔" وہ رونے لگیں تھیں۔ اوزگل مڑ کے دوبارہ ان کے پاس بیٹھ گئی۔

"سب بتا دیں اللہ لوک۔

اپنے اندر اترا کچھ زہر مجھے بھی دان کر دیں۔ کچھ تو آسانی ہو" وہ ان کا کمزور سا ہاتھ تھامتے ہوئے بولی تھی۔ اور اللہ لوک دھاڑیں مارنے لگی تھی۔

زندان کا بند علاقہ دردناک آواز سے گونج اٹھا تھا۔ اوزگل ابھی بھی ان کے بولنے کی منتظر تھی

☆......☆......☆

یہ لال حویلی کا وہی لال اینٹوں والا کنواں تھا۔ جس کی منڈیر پہ سر ٹکائے لمبے کالے بال کھولے وہ پری پیکر ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ اس کے خوبصورت چہرے پہ محبت لو دے رہی تھی۔ اس کی خوبصورت نیلی آنکھیں سامنے بیٹھے شاہ عیسیٰ پہ جمیں تھیں۔ جو ایک نظر اس پہ ڈالتا اور فوراً یوں آسمان کی طرف پھیر لیتا جیسے اس نے اس پری پیکر کے حسن کی توہین کر دی ہو۔

" لگتا ھے تمھیں واقعی مرنے کا شوق ھے شاہ عیسیٰ جو روز اس طرف آجاتے ہو" لمبے بالوں کو ہاتھوں سے سنوارتے ہوئے وہ ایک غرور سے بولی تھی۔

"جبکہ تم جانتے ہو اس لال کنویں کے سیاہ پانی نے کتنے ہی اجلے رنگین آنچل اپنے کالے دامن میں سمیٹے ہیں۔ کتنے ہی خوبصورت جوان اس کنویں کے سامنے اپنی زندگی ہارے ہیں۔ کیوں اپنی اور میری جان کے در پے ہو۔ پلٹ جاؤ" اس شہزادے نے ایک نظر اس وجود پہ ڈالی تھی اور جھکا لی تھی۔

"یہ کنواں اس لال حویلی کی ہر محبت کا گواہ ھے۔ یہ میری بھی گواہی دے گا۔ کہ شاہ عیسیٰ نے محبت کی تھی اور جان لٹا دی تھی"

"اور اس سب کا فائدہ؟" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"محبت فائدہ یا خسارہ کب دیکھتی ھے۔ یہ تو بس ہو جاتی ھے۔ کاش کاکا کی شادی پہ یہ سونے جیسا روپ میرے سامنے نہ آتا ورنہ خدا کی قسم شاہ عیسیٰ ایسے مات کھانے والوں میں سے نہیں تھا۔" اس کے لہجے میں کردار کا غرور تھا۔ شہزادوں جیسی شان رکھنے والا وہ شخص اس کے پیچھے دیوانہ تھا۔ جس کے پیچھے پانچویں کلے کی لڑکیاں بھی پاگل تھیں۔ وہ دل ہی دل میں خود پہ نازاں تھی۔

" تمھارا یہی کردار ہی تو مجھے یہاں تمھاری بات سننے کے لئے نے پہ مجبور کر دیتا ھے۔ میں خود کو لاکھ سمجھانے کے باوجود بھی تمھاری راہ پہ قدم دھرنے سے نہ روک سکی۔ لیکن خدا گواہ ھے شاہ عیسیٰ مجھے ہماری محبت سے زیادہ تمھاری جان عزیز ھے۔ پلٹ جاؤ اس سے پہلے کہ دیر ہو جائے" وہ جانے کے لئے مڑ چکی تھی۔

" میں کل زریاب لالہ سے ہماری شادی کی بات کرنے آرہا ہوں۔ اپنے کاکا کی کے ساتھ" اس پری پیکر کے پاؤں پتھر کے ہوئے تھے۔ وہ پلٹ نہ سکی تھی۔

"وقت طے کر دے بہت جلد۔۔ محبت یا موت۔۔

مجھے تمھارے لئے یہ دونوں بخوشی قبول ہیں" کوئی کہتے ہوئے ذرا سا ادب سے جھکا تھا۔ پھر اس نے بھاری قدموں کی چاپ الٹی جانب دور،، بہت دور جاتی سنی تھی۔ لیکن وہ خود اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکی تھی۔



ناول "محبت لفظ ہے لیکن" ابھی جاری ہے۔ اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی 5 تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

رات کے دو بج رہے تھے۔ جب نامانوس سے شور سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ یہ بیل ڈور کی آواز تھی۔ وہ کیونکہ اکتوبر کے آخر تک باہر سونے کا عادی تھا۔ تبھی اس نے یہ آواز سن لی تھی۔ ورنہ رات کو بند کمروں میں ڈور بیل کی آواز سنائی ہی نہیں دیتی تھی۔

"اس وقت کون ہوسکتا ھے۔۔؟" شاویز ساتھ پڑے موبائل پہ وقت دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔۔ بیل دوبارہ چنگھاڑی تھی۔ ناچار اسے اٹھنا ہی پڑا تھا۔ بیل دوبارہ بجائی گئی تھی۔۔ اس نے تیزی سے آگے بڑھ کے بنا پوچھے ہی دروازہ کھول دیا۔

تین چار گن بردار تیزی سے اندر آئے تھے اور اسے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ کچھ دیر تک تو وہ ساخت سا کھڑا انہیں دیکھتا رہا۔۔ پھر یکدم ہی اس کی آنکھوں میں حیرت کی جگہ اب غصے نے لے لی تھی۔

"یہ کیا بدتمیزی ھے۔؟" اس نے تیز لہجے میں کہا۔۔

"سہراب علی خان تم سے بات کرنا چاہتے ہیں" ان میں سے ادھیڑ عمر مضبوط جسم کے مالک آدمی نے اسے اتنے ہی تیز لہجے میں جواب دیا تھا۔

" کون سہراب علی خان" وہ کندھے آچکا گیا۔ حیرت انگیز طور پر اس کے چہرے پہ خوف کا شائبہ تک نہ تھا۔ اس سے پہلے کہ ان میں سے کوئی اس کی بات کو جواب دیتا۔ سہراب علی خان نے قدم دروازے سے اندر دھرے تھے۔۔

"میں سہراب علی خان۔۔۔ ضیاء علی خان کا باپ۔۔۔" ان کی بھاری آواز پہ شاویز ایک پل کے لئے چونکا۔ پھر فوراً ہی اس کے لبوں پہ کمینی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"اوہ۔۔ تو خبر پہنچ گئی آپ تک"

"شکر کرو کہ پہنچ گئی۔۔ ورنہ دیر ہوجاتی تو نقصان تمھارا ہی ہونا تھا بچے۔۔ سہراب علی خان کا آج تک کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکا۔ اس کی قسمت بھی نہیں" ان کے لہجے میں غرور تھا۔

"اتنا اعتماد بھی اچھا نہیں ہوتا خان صاحب۔۔ بعض دفعہ ہمیں وہیں مات ہوجاتی ھے جہاں جیت ہماری نظر میں یقینی ٹھہرتی ھے۔" وہ بھی انہی کے انداز میں بولا تھا۔

" کافی تیز ہو اچھا لگا تم سے مل کر" انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کے کاندھے پہ ہاتھ رکھا۔

"میرے خیال میں کام کی بات ہو جائے۔؟" اس نے آہستہ سے ان کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا۔ سہراب علی خان کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

"میرا خیال تھا تم کام سمجھ گئے ہوگے"

"میرا بھی یہی خیال تھا کہ آپ کافی سمجھدار ہوں گے۔ کام بغیر دام کے تو ہوتے نہین" اس نے خباثت سے ہاتھ سے کیش کا اشارہ کیا۔

"میں میڈیا کے سامنے بہن لانے سے انکار کردوں گا لیکن بدلے میں ہمیں۔۔۔۔۔"

"دوران۔۔۔اس سے بینک اکاونٹ اور دوسری معلومات لے لو۔اور دیکھو اسے کوئی شکایت نہیں ہونی چاہئے" سہراب علی خان نے تیز نظروں سے اسے گھورتے ہوئے گھنی مونچھوں کو تاو دیتے ہوئے دوران کو حکم جاری کیا۔۔

"جی خان" وہ سر جھکا گیا۔

" آپ بھی بے فکر ہو جائیں۔کل ہی میری بھن کی شادی ھے۔ وہ یہاں سے دور چلی جائے گی" شاویز نے دانت نکالتے ہوئے انہیں بے فکر کیا۔

"صرف بہن نہیں۔۔تم سب بھی۔۔" سہراب خان کے لہجے میں تحکم تھا۔

"ہم سب۔۔۔؟؟ مطلب۔۔۔؟؟؟" وہ حیران ہوا۔۔

"تم سب بھی یہاں سے کسی دوسرے شہر چلے جاو۔ پیسے کی فکر نہ کرو۔بس تمھاری فیملی کا کوئی بھی آدمی ضیاء یا میرے دشمنوں کے ہاتھ نہ لگے۔۔سمجھ گئے" ان کی بات پہ شاویز کے ماتھے پہ سوچ کی شکنیں گہری ہوگئیں۔

"فائدے کی بات میں اتنا سوچا نہیں کرتے برخوردار۔" انھوں نے اس کا کاندھا تھپکا۔۔

"امید کرتا ہوں۔آئندہ ہماری ملاقات کی نوبت نہیں آئے گی۔ کیونکہ دوسرا چانس سہراب علی خان اپنوں کو بھی نہیں دیتا۔" عقابی نظروں سے اسے وارن کرتے ہوئے وہ واپس مڑ گئے تھے۔ان کے بدرگوں نے بھی ان کی پیروی کی تھی۔اور شاویز اس نے بے اختیار جھرجھری لی تھی۔

"اف ان کی آنکھیں کتنی خوفناک تھیں" اس نے گیٹ بند کرتے ہوئے خود کلامی کی تھی۔

"بلکل سانپ کی طرح۔۔۔زہریلی سی"۔۔۔۔

لیکن ان خوفناک آنکھوں کا اثر جلد ہی زائل ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد ہی بستر پہ لیٹا وہ اپنی بدلی زندگی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس کے لبوں پہ مسکراہٹ رقص کرتی رہی تھی۔

☆......☆......☆

باریال تو اسی دن نکاح کا خواہاں تھا۔لیکن شاویز نے سبین کے کہنے پہ اسے کل رات کا وقت دیا تھا۔

دوسرے دن

شام سے کچھ دیر پہلے باریال لالہ اور سبین کو لینے آیا تھا۔اس کے مطابق لالہ کا بھی حق تھا کچھ خواہشوں پہ۔لالہ نے تو فوراً انکار کر دیا تھا۔لیکن سبین اور دادو تو جیسے کھل اٹھیں تھیں۔خصوصاً دادو تو خوشی سے چہکنے لگیں تھیں۔ انہوں نے لالہ کو سبین اور باریال کے ساتھ جانے کے لئے کسی نہ کسی طرح منا ہی لیا تھا۔

"ویسے اماں، میں سوچ رہی تھی کہ زرینہ بی بی کے گھر کے راستے سے گزریں کیوں نہ انہیں بھی دعوت دیتی آوں۔"

"خبردار۔"دادو نے فوراً ہی انہیں ٹوک دیا۔۔

"اس خوشی کے موقعے پہ وہ آفت کا پرکالہ دور ہی رہے تو بہتر ھے۔"

انہوں نے قطعی لہجے میں کہا۔۔

"پھر بھی اماں۔لالہ کی اکلوتی پھپھو ہیں وہ۔اتنے اہم موقعے پہ ان کو نہ بلایا تو ناراض ہو جائیں گی"سبین پریشان ہوئیں۔

"ہاں پہلے تو بڑی راضی ھے وہ ہم سب سے"اماں نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔لہجے میں اس قدر ناگواری تھی جیسے یہ موضوع ہی تکلیف دے رہا ہو ان کو۔۔

"اور پھر اس قدر مشکل دور میں جو کردار نبھایا ھے نہ اس اکلوتی پھپھو نے۔وہی کافی ھے۔تم بس چپ چاپ بسم اللہ کرو۔سب کچھ جس قدر خاموشی سے ہو جائے اتنا بہتر ھے"انہوں نے فیصلہ سنایا۔سبین اس بار خاموشی سے سر ہلا گئیں۔

وہ اور لالہ چادر لے کر باہر آئیں تو گاڑی کے بونٹ پہ بیٹھا موبائل میں بزی باریال ان کا منتظر تھا۔ان کے باہر آتے ہی وہ فوراً آگے بڑھا اور گاڑی کا دروازہ ان کے لئے کھول دیا۔لالہ تیزی سے پچھلی سیٹ پہ بیٹھ گئی۔

"آنٹی آپ آگے بیٹھ جائیں"باریال نے مسکراتے ہوئے ان کے لئے دروازہ کھولا۔سبین مشکور نگاہوں سے اسے دیکھتیں آگے بیٹھ گئیں۔۔ان کے بیٹھتے ہی باریال نے دروازہ بند کیا اور خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی۔کچھ دیر بعد ہی وہ پشاور کے مشہور ڈیزائنر زرلائی کے بوتیک کی چمکتی گلاس بلڈنگ کے سامنے رکے تھے۔

"آپ لوگ آجائیں"باریال نے گاڑی سے اترتے ہوئے ان سے کہا تھا اور خود پھر سے موبائل پہ مصروف ہو گیا۔سبین باہر نکل آئیں۔لالہ نے ایک نظر گلاس ونڈوز سے نظر آتے عروسی ملبوسات پہ ڈالی تھی۔اس نے خود کو اس بندھن کے لئے کس قدر پاک رکھا تھا۔ ہر ایک لمحہ اپنی اور اپنے خیالات کی حفاظت کی تھی۔لیکن جس قدر مشکل سے اس نے اپنا کردار بچایا تھا اسی قدر آسانی سے وہ روز ماں کے کردار کے کتنے پرخچے اڑا دیا کرتی تھی۔اور آج دامن پہ وہ داغ لگا تھا کہ شادی جیسا پوتر بندھن گناہ کی طرح چھپ چھپا کے ہونے جا رہا تھا۔اس کی آنکھیں جلنے لگیں تھیں۔

"لالہ" سبین نے اس کی طرف آ کے شیشہ بجایا۔لالہ نے چونک کر نظریں اٹھائیں۔سبین اس کی منتظر تھیں۔عین اسی وقت باریال نے بھی اس کی طرف دیکھا تھا۔اوران کٹورا آنکھوں کی شکستگی اسے اداس سا کر گئی تھی۔اسے دیدے نے ہی بتایا تھا۔

" کچھ لوگوں سے ہمارا روح کا رشتہ ہوتا ھے۔کسی بھی طرح کا رشتہ نہ ہو پھر بھی انکی مسکراہٹ ہمیں خوشی اوران کے آنسو ہمیں تکلیف دیتے ہیں۔۔"

اوراس معاملے میں اس کے ساتھ واقعی ایسا ہوا تھا۔لالہ کو بے بس دیکھ وہ بھی اسی قدر بے بس ہو جاتا تھا۔اکثر شاویز کے گھر آتے جاتے اس نے اس چادر میں لپٹے اس نازک وجود کو دیکھا تھا۔لیکن ہمیشہ بس ایک جھلک۔۔۔نامکمل۔۔چادر میں چھپا سنہرا سا عکس۔۔

مکمل عکس اس دن اس کے سامنے آیا تھا جب شاویز اسے میڈیا کے سامنے آنے پہ تنگ کر رہا تھا۔اس دن بے بس سی آنکھیں لئے وہ لڑکی اسے دل کے بہت پاس محسوس ہوئی تھی اور بے اختیار ہی اس کا دل کیا تھا وہ اس کے سارے غم،سارے پچھتاوے سمیٹ لے۔اسے ہر پریشانی سے آزاد کر دے۔۔

یہ بھی صحیح تھا کہ وہ یہ فیصلہ کرنے کا ظرف نہیں کر پا رہا تھا۔۔لیکن شاید دیدے صحیح تھیں۔وہ واقعی فیصلہ کر چکا تھا۔بس خود کو سمجھنے کا وقت شاید ابھی نہیں آیا تھا اور پھر آج شاویز اور اس آدمی کی باتوں نے وہ آگہی بھی اسے سونپ دی تھی۔۔وہ واقعی تیار تھا۔

" چلیں بیٹا۔۔۔"لالہ کے باہر آتے ہی سبین نے باریال کو پکارا تو وہ چونک کے سیدھا ہوا۔۔

"جی۔۔۔"اس نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔۔۔

اندر آ کے سبین ہی لالہ کے لئے کپڑے سیلیکٹ کرتی رہیں۔وہ وہاں ہو کے بھی وہاں سے غائب تھی۔باریال کاونٹر کے قریب رکھی چیئر پہ بیٹھا دونوں ہاتھوں کی پوائنٹنگ فنگرز ہونٹوں پہ جمائے کبھی گلاس سے باہر کبھی لالہ پہ نظر جما لیتا۔۔

"لالہ۔۔صرف نکاح کے لئے تو سوٹ خود پسند کر لو بچے" سبین نے کچھ عروسی ملبوسات اس کے سامنے پھیلاتے ہوئے کہا۔

لالہ نے نظریں اٹھا کے مرے مرے انداز سے انہیں دیکھا۔

" آپ دیکھ لیں نہ امی" وہ اداسی سے بولی

"یاد ھے جب تم اور نمرہ اکثر شادی کے کپڑوں پہ بات کرتی تھیں۔اور تم ہمیشہ کہتی تھیں۔۔۔تم تو بس وہ رنگ پہنو گی جو وہ پسند کریں گے تمھارے لئے۔۔۔"سبین نے اس کے چہرے پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے پیار سے کہا۔۔وہ بس نظریں چرا گئی۔۔

"بس یہ پیک کر دیں" سبین نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے ایک عروسی اور تین چار سادہ سے ملبوسات منتخب کر کے فائنل کر دئے۔باریال نے پیمنٹ کا کہہ کر ان کو باہر گاڑی میں ویٹ کرنے کا کہا اور خود کاونٹر پہ واپس آیا۔۔

"مجھے سرخ رنگ کا عروسی لباس دکھایئے۔"اس نے فرمائش کی۔

'جی سر "ڈیسک کے اس پار کھڑا نوجوان فوراً آگے بڑھ گیا۔

"فاسٹ پلیز۔"باریال نے اسے ایک ہی جگہ مصروف دیکھ کے تیز لہجے میں کہا تو وہ سر ہلاتا اس کے پاس آگیا۔ ہاتھوں میں سرخ رنگ کے دو روشنی کی کرنیں بکھیرتے لباس تھے۔ان میں سے ایک پہ تلے اور موتیوں کا گولڈن کام بہت ہی خوبصورت لگ رہا تھا۔ سرخ زرتار دوپٹے اور لہنگے کے کناروں پہ پہ سنہری جھلملاتی لائن اور بلکل ویسی ہی سرخ کام سے سجی جھلملاتی لائن سنہری شرٹ پہ۔۔ وہ بے حد خوبصورت لباس تھا۔

"یہ پیک کردیں"اس نے فوراً آرڈر دیا۔اور پھر دونوں شاپر اٹھائے باہر آگیا۔۔جیولری کا سیٹ اس نے خود جا کے لیا اور پھر انہیں گھر تک چھوڑنے آیا۔

"آنٹی۔ "ان کے گاڑی سے اترتے ہی وہ بھی باہر آیا تھا۔اس کی پکار پہ سبین رکی تھی لیکن لالہ اندر چلی گئی تھی۔

"یہ سوٹ لے لیں۔۔میں نے لالہ کے لئے پسند کیا ھے "اس کے ہاتھ سے شاپر لیتے ہوئے سبین کی آنکھیں جگمگا سی اٹھیں تھیں۔۔۔

"تم آجاوٴ گے نہ بیٹا۔۔"وہ مڑنے لگا تھا جب سبین کی منت بھری آواز پہ اس کے قدم پتھر کے ہوئے تھے۔وہ ان کی طرف واپس مڑا اور مسکراتے ہوئے کہا۔۔۔

"ہاں آنٹی۔۔۔ٹھیک دس بجے۔۔۔لالہ میرے نکاح مین ہوگی۔یہ میرا وعدہ ھے آپ سے "ادب سے ان کے سر پہ ہاتھ رکھتا وہ واپس مڑ گیا تھا۔اور جانے کیوں سبین کو لگا تھا۔اس لمس میں کسی بے حد اپنے کی خوشبو بسی تھی۔وہ گاڑی کے غائب ہونے تک مڑ نہ سکیں تھیں۔۔۔

☆......☆......☆

بارش کافی تیز ہو چکی تھی اور کھلی کھڑکی سے اندر آتی ہلکی سی بوچھاڑ اب تیز دھار پانی کی شکل اختیار کرتی جا رہی تھی۔لیکن وہ اسی طرح بھیگتی، ہاتھ باہر پھیلائے بت بنی کھڑی تھی۔

" نگی۔۔ اللہ کا نام لیں اب تو کھڑکی بند کرلیں۔دیکھیں سارا فرش بھیگنے لگا ھے "ان کی چھوٹی بہن کمرے میں آئی تو انہیں یونہی بھیگتا دیکھ کر بولی۔

"ہاں تو موسم بھی تو دیکھو کتنا پیارا ہو رہا ھے "وہ اس کی طرف مڑے بغیر بولی۔

"لیں۔۔ہمارے گاوں کا موسم تو ہر دوسرے دن ایسے ہی پیارا ہو جاتا ھے۔کوہ سلیمان کی چھاوں میں جو بسا ھے "وہ گرما گرم پکوڑے اور چائے کا ٹرے دونوں بہنوں کے مشترکہ بیڈ پہ رکھتے ہوئے کہا۔لہجہ ہوں تھا جیسے نگین کی بات پہ اسے حیرت ہوئی ہو۔

"پاگل ہو تم۔۔۔ یہ موسم تمھارے لئے عام سہی لیکن میرے لئے اب بہت خاص ہو گیا ھے۔۔لیکن خیر تم نہیں سمجھو گی" نگین نے مسکرا کر کہتے ہوئے کھڑکی بند کر دی۔شور ایک دم سے کم ہوا تھا۔

"ویسے یہ جن موسموں کی بات ہو رہی ھے نہ۔۔میں بھی اچھی طرح سمجھتی ہوں" چھوٹی نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے دائیں آنکھ شرارت سے دبائی۔۔نگین کو زور سے اچھو لگ گیا۔۔وہ قہقہہ لگا گئی۔۔

"کیا مطلب۔۔؟"اسے گھورتے ہوئے نگین نے پوچھا۔نظروں میں خوبصورت رنگوں کی جگہ یکدم خوف جاگ اٹھا۔

"مطلب یہ کہ آپ اور عیسی بھائی جو آنکھ مچولی کھیل رہے ہیں۔اس میں،مابدولت جانتے ہیں" وہ سر خم کرتے ہوئے شاہانہ انداز میں بولی۔

"چھوٹی تم۔۔۔" نگین کی آنکھیں حیرت سے پوری کھل گئیں۔

"اور صبح جب شاہ عیسی اپنی والدہ کے ساتھ آپ کا ہاتھ مانگنے آئے تھے تو میں نے بی بی کو بھی بتا دیا تھا۔اور۔۔۔۔۔" وہ ادھر ادھر ٹہلتے ہوئے مطمئن انداز میں بتائے جا رہی تھی اور نگین۔۔۔اس کی سانس رکنے سی لگی تھی۔۔

"اور کیا چھوٹی۔۔۔۔" وہ جھٹکے سے اٹھ کر اس کے قریب آئی۔۔

"اور۔۔ بھابی نے وعدہ کیا ھے کہ وہ زرلالا کو سمجھا لیں گی۔۔ یہ رشتہ تو اب وہ کروا کے رہیں گیں" چھوٹی نے خوشی سے تقریبا چیختے ہوئے اسے ہاتھوں سے تھاما اور کمرے میں گھوم گھوم کر چکر لگانے لگی۔

"ارے ارے رکو تو سبین پاگل ہو گئی ہو۔۔" نگین کا سانس پھولنے لگا تھا۔سبین نے اسے بیڈ پہ گراتے ہوئے خود بھی اس کے قریب لیٹ گئی۔

"ہائے نگی۔۔کتنا مزہ آئے گا نہ۔۔تم دلہن بنو گی اور میں خوب سارے سندرے گاوں گی"

"دعا کرو چھوٹی۔۔۔لالا مان جائیں" نگین کہتے ہوئے آٹھ بیٹھیں۔نہ جانے کیوں دل بیٹھا جا رہا تھا۔خوشی وہ محسوس نہیں کر پا رہی تھیں۔

"توبہ۔۔۔یہ وہم محبت۔۔۔" سبین نے آہ بھری۔

"آپ پالتی رہیں یہ خواہ مخواہ کے خوف۔۔میں تو لالا سے بات کروں گی کہ میرے واپس شہر جانے سے پہلے ہی یہ سب معاملہ طے کر دیں۔ورنہ پھر میرے امتحان۔۔خواہ مخواہ کی دیر ہو گی"

"تمھیں بڑی جلدی ھے میرے جانے کی" نگین نے اسے آنکھیں دکھائیں

"سمجھا کریں نہ۔۔کچھ میرے لئے بھی جگہ نکلے "اس نے شرارت سے آنکھ دبائی۔۔

"سبین کی بچی۔۔۔"اس سے پہلے کہ وہ اسے پکڑتی وہ ہنستے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔نگین کے چہرے پہ مسکان مچل اٹھی تھی۔

☆......☆......☆

رات کے پڑاو ڈالنے کا وقت قریب آنے لگا تھا۔اور حمزہ ابھی تک گھر نہیں آیا تھا۔جب سے لالہ والا واقعہ ہوا تھا وہ بکھر سا گیا تھا۔اور شزا سے منگنی کے بعد تو اس کے اوقات کار بھی بدل گئے تھے۔وہ جیسے ابھی سے گھر سے باہر رہنے کی روٹین بنانے لگا تھا۔جیسے اسے شادی کے بعد ایسے ہی بزی رہنا تھا۔

" کہیں میں نے کچھ غلط تو نہیں کر دیا۔۔" صحن میں ٹہلتے ہوئے انہوں نے خود سے سوال کیا تھا۔۔

" کچھ۔۔۔"اوران سے کچھ ہی فاصلے پہ طنزیہ نظران پہ ڈالتا وہ ان کا ہی تو ضمیر تھا۔وہ اسے بغور دیکھے گئیں۔۔مبادا نظر بھٹکے اور وہ ضمیر کی یہ عدالت بھی کھو" دیں۔رشتے تو وہ پہلے ہی کھو چکیں تھیں۔۔۔

"سب کچھ تو ختم کر دیا تم نے زرینہ بیگم۔۔سب کچھ۔۔اور وہ بھی صرف اپنی اولاد کا" وہ کتنا تلخ بولتا تھا۔۔اور کیوں نہ ہوتا انہی کا تو ضمیر تھا۔۔

تلخی تو ان کا ہی خاصہ تھا۔

نم آنکھوں سے وہ تلخی سے مسکرا دیں۔۔۔

"تینوں کیڑی شے دا غرور،

تیرا تن من خاک وخاک۔۔۔

ہک خلق دا بچد ے سرور،،

باقی سب کچھ را کھ ورا کھ۔۔۔

باقی سب کچھ را کھ ورا کھ۔۔۔"

اور پکے صحن کے کونے مین لگے جامن کے نیچے وہ اکیلی کھڑی رہ گئیں تھیں۔نماز کا بھی من نہیں تھا۔ سامنے برآمدے مین بچھے جائے نماز پہ نظر ڈالتیں اور پھر ہٹا لیتیں۔انسان کو اپنے اندر کی کالک کا پتہ چل جائے نہ تو سب سے پہلے اپنے رب سے نظریں چراتا ھے۔۔ان کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔انہیں آج اپنے بلند کردار سے بھی گھن آ رہی تھی۔نہ جانے کب ان کی آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہوئے۔انہوں نے ان کو صاف کرنے کی بھی زحمت نہ کی تھی۔بس روتی چلی گئیں۔اس قدر محویت سے کہ حمزہ کب گھر آیا یہ بھی خبر نہ ہوئی۔وہ ماں کو یوں صحن کے کونے میں کھڑے روتے دیکھا۔تو پریشان سا ان کی طرف بڑھا۔۔

"امی۔۔۔کیا ہوا ھے امی۔۔؟؟" فکر مندی سے کہتا انہیں کندھوں سے تھام کر پہلے چارپائی پہ بٹھایا۔زرینہ اور زور سے

رونے لگیں۔حمزہ بھاگ کے ان کے لئے پانی لے آیا۔انہوں نے حمزہ کے ہاتھ سے ہی دو گھونٹ لئے اور ہاتھ سے گلاس دور کر دیا۔

"امی۔۔۔کیا ہوا ھے۔۔؟ کچھ بتائیں تو۔۔؟؟"وہ پریشان سا انہیں پکار گیا۔۔

"حمزہ۔۔۔۔"انہوں نے روتے ہوئے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

"جی امی۔۔۔۔"اس کی نظریں ماں کے اجاڑ حال چہرے پہ جمیں تھیں۔۔

"مجھے اماں کے پاس لے چلو"ان کے لہجے میں منت تھی۔آنسو ابھی بھی تواتر سے بہہ رہے تھے۔

"اس وقت۔۔؟؟"اس نے وقت دیکھا۔دس بجنے والے تھے۔۔۔

"ہاں اسی وقت۔۔جاؤ میری چادر لے آؤ۔۔۔ابھی جانا ھے مجھے۔۔ورنہ دیر ہو جائے گی"ان کے لہجے میں بچوں جیسی ضد بھی تھی اور انتہا کی بے بسی بھی۔۔

"اچھا۔۔آپ روئیں تو مت نہ"اس نے اٹھتے ہوئے ان کے آنسو صاف کئے۔

"میں لے آتا ہوں چادر۔۔"ان کو تسلی دیتا وہ کمرے کی طرف بڑھ گیا۔۔زرینہ کا دل مطمئن ہونے لگا تھا۔۔انہیں لگ رہا تھا انہوں نے ابھی بھی دیر نہیں کی تھی۔۔لیکن یہ تو حقیقت ھے نہ۔۔۔وقت ہمارے حساب سے چال کب رکھتا ھے۔۔۔

☆......☆......☆

ستمبر کا آغاز ہوتے ہی دن مختصر ہونا شروع ہو گئے تھے۔دن میں کچھ تپش ہوتی لیں سر شام لہرانے والی ٹھنڈی ہلکی ہوائیں تھکے ہارے انسانوں کا من شانت کر دیتیں تھیں۔

سہراب علی خان گاوں لوٹ چکے تھے۔اور گاوں کے غریب عوام سے مجلسیں جاری تھیں۔ابھی انتخابات میں کافی وقت تھا۔لیکن سہراب علی خان ان لوگوں میں سے تھے جو وقت ست کئی قدم آگے چلنا چاہتے ہیں۔اسی لئے انہوں نے اتنے ماہ قبل ہی عام لوگوں سے رابطہ کرنا شروع کر دیا تھا۔اور صرف چند ایک بیٹھکوں میں ہی انہیں سمجھ آ گئی تھی کہ اس بار ان کے حریف جاں باز خان کا پلڑا بھاری تھا۔پچھلے پانچ سال وہ حکومت میں رہے تھے لیکن یہ ایک حقیقت تھی کہ اپنے اختیارات انہوں نے صرف دوستیاں اور اپنی جائداد میں اضافے کے لئے ہی استعمال کئے تھے۔جبکہ جانباز خان نے پاور نہ ہوتے ہوئے بھی اس علاقے کے غریب عوام کا کافی ساتھ دیا تھا۔اور نوکریوں میں نہ صرف مردوں بلکہ خواتین کو بھی اچھا خاصا حق دلوایا تھا۔تبھی اس بار سہراب خان نے نوٹ کیا تھا۔کہ لوگوں کی توجہ حاصل کرنے میں وہ کامیاب رہا تھا اور سہراب خان کی پسندیدگی کا گراف کافی گر گیا تھا۔

"خان۔لوگوں کا رش نہیں ھے اس بار پہلے جیسا" کارنر میٹنگ سے نکلتے ہی دوران نے ان کے لئے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

"ہمم۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گئے۔دوران مشین گن سنبھالتا اگلی سیٹ پہ بیٹھ گیا۔اس کے بیٹھتے ہی ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھادی تھی۔

"اس بار میں چاہ رہا تھا۔چھوٹی سیٹ پہ ضیاء لے کو سامنے لاوں۔لیکن اس جانباز خان کے ہوتے ہوئے مجھے یہ سب مشکل لگ رہا ھے" سہراب خان نے کہا۔نظریں سوچ میں گم باہراڑتی دھول پہ جمی تھیں۔

"بلکل خان۔ابھی ابراہیم نے بتایا۔چھوٹے خان گاوں آچکے ہیں اور آپ سے فورا ملنا چاہتے ہیں۔وہ تو میٹنگ میں ہی آنا چاہتے تھے لیکن ابراہیم کوان کا مزاج برہم لگا تو وہیں روک لیا بہانے سے" دوران انہیں تفصیل سے بتانے لگا۔

" خہ۔۔خیر بہ سی (اچھا۔ٹھیک ہو جائے گا سب)" انہوں نے مختصر جواب دیا اور سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کے آنکھیں بند کرلیں۔گاڑی لال حویلی کی طرف رواں تھی۔۔۔

☆......☆......☆

خزاں داخوف تاں،
مالی نو بزدل کرنئیں سکدا۔۔
چمن آباد رکھ،
بادصبا جانے،
خدا جانے۔۔۔

وہ تو سوچ بھی نہیں سکتیں تھیں۔خواب بھی تعبیر پاتے ہیں۔۔
تتلیاں صرف دبوچ جانے کے لئے نہیں ہوتی۔ان کے رنگ بھی نکھرتے ہیں۔۔۔
خزاں کے اجاڑ موسم میں بھی کلیاں کھل سکتی ہیں۔۔۔
فضائیں مہک سکتی ہیں۔۔۔

زریاب لالا نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اسے زندگی کی نوید سنائی تھی۔اس کی طرح سبین بھی بے حد خوش تھی۔ننگی ننگی پکارتی ساری حویلی میں اس نے شور مچا رکھا تھا۔

زریاب دونوں بہنوں کی خوشی کی دعا مانگتے اپنے اس کمرے میں آگئے جہاں وہ اکثر غم یا خوشی کے لمحے اکیلے بتایا کرتے تھے۔اس کمرے سے انہیں خاص انسیت تھی۔یہ ان کے لئے آن کے باء لے جی کا تحفہ تھا۔وہ جانتے تھے کہ زریاب کو مطالعے کا جنون کی حد تک شوق تھا۔تبھی انہوں نے حویلی کے بلکل آخری سرے پہ باہر کے کچھ علاقے کو کمرے کی شکل دے کر اس کے لئے خوبصورت ترین سٹڈی

بنوادی تھی۔ملک ملک سے اہم کتب منگوا کے یہاں رکھوائیں جن میں بعد میں زریاب کے شوق نے خود بھی کافی اضافہ کیا۔

انہیں ابھی وہاں آئے کچھ ہی دیر ہوئی تھی جب انہوں نے سہراب علی خان کو غصے میں اندر آتے دیکھا تھا۔

"زریاب لالا۔۔۔یہ میں کیا سن رہا ہوں۔؟"اندر آتے ہی وہ تقریباً چلا اٹھے تھے۔

" کیا ہو گیا سہراب"زریاب فوراً اٹھ کر ان کے قریب آئے۔

"یہی کہ آپ نے نگی اور شاہ عیسی کا رشتہ پکا کر دیا ھے"وہ اس قدر طیش میں تھے کہ ان کی سانس پھولنے لگی تھی۔

"ہاں تو اس میں اتنا تاؤ کھانے والی کیا بات ھے۔؟"انہیں حیرت ہوئی۔۔

" کیا؟"سہراب صدمے سے جیسے پھٹ پڑے۔

"ابھی بھی آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں یہ بات؟"اس کی آنکھوں میں تاسف سا تھا۔

"مجھے سچ میں سمجھ نہیں آ رہی کہ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو۔؟"وہ واپس اپنی چئیر پہ بیٹھ گئے۔

"شاہ عیسی ہماری برادری کا نہیں ھے اور آپ اچھی طرح جانتے ہو کہ ہم اپنی بیٹیون کی خاندان سے باہر شادی نہیں کرتے" زریاب کی نادانی پہ جیسے انہیں اور طیش آ رہا تھا۔

" کیوں نہیں کرتے۔ہمارے خاندان کے کئی مردوں نے خاندان سے باہر ہی شادی کی ھے"وہ دونوں اس وقت پشتو میں بات کر رہے تھے۔

"صرف مردوں نے۔۔"سہراب نے زور دیتے ہوئے کہا۔جیسے ان کی توجہ مبذول کروا رہا ہو۔

"تو۔۔۔لڑکیاں کیوں نہیں کر سکتیں؟"زریاب خان کے چہرے پہ پیاری سی مسکراہٹ مچلی۔

" کیونکہ یہ ہمارا رواج نہیں ھے"سہراب ڈٹا رہا۔

"چاہے وہ ساری عمر اپنے ارمانوں کی لاش لئے ہماری ہر خوشی کو حسرت سے دیکھتی رہیں"

"ہر لڑکی اپنا نصیب لکھوا کے لاتی ھے لالا۔۔۔ان کے لئے ہم اب رواج تو نہیں توڑ سکتے"سہراب کے لہجے میں ضد تھی۔ زریاب اٹھ کھڑے ہوئے۔

"میں اپنی بہنوں کے لئے کچھ بھی کر سکتا ہوں۔رواج تو بہت معمولی چیز ھے۔"انہوں نے نرم لہجے میں کہتے ہوئے ان کا کاندھا تھپکا۔

"پھر یہ بھی تو دیکھو۔خاندان میں ایک بھی رشتہ نہیں ھے۔ایسے میں شاہ عیسی جیسے شریف لڑکے کو ٹھکرانیکی غلطی میں نہیں کر سکتا۔ پھر جنت نے مجھے بتایا ھے خود نگین بھی اس رشتے سے بہت خوش ھے"ان کی بات پہ سہراب کی آنکھیں ضبط کے مارے سرخ ہونے لگیں۔

"خیر تم جاو۔انتظامات دیکھو۔اسی جمعرات بارات ھے۔اللہ پاک سب خیر کرے گا۔"انہوں نے انہیں تسلی دی اور کمرے سے باہر نکل گئے۔سہراب نے ایک زبردست ٹھوکر میز کر رسید کی اور خود بھی باہر کی طرف بڑھ گئے۔۔سانس البتہ ابھی بھی عجب سی پھنکار رہی تھی۔۔۔

☆......☆......☆

وہ ڈیرے پہ پہنچے تو سہانجنا کے درخت کی ٹھنڈی چھاوں تلے پاوں چارپائی سے نیچے لٹکائے، تکیئے سے ٹیک لگائے، ہلکی نیند میں گم ان کا منتظر تھا۔

" کیا بات ھے جان باء۔۔۔انہوں نے قریب جاتے ہی پیار سے ضیاء ؒ کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے پکارا تھا۔وہ فورا آٹھ بیٹھا تھا۔

"ایسی بھی کیا اہم بات تھی کہ اتنی تھکن کے باوجود یہاں اتنی گرمی میں میرا انتظار ہو رہا ھے۔اندر اپنے کمرے میں سو جاتے۔میں نے حویلی ہی آنا تھا۔

" آپ اور دوران لالہ کے گھر گئے تھے باء جی"اس نے جیسے ان کی کوئی بات سنی تک نہ تھی۔سوال اس قدر اچانک تھا کہ دوران خان کے ساتھ ساتھ خود خان بھی ششدر رہ گئے تھے۔

"نہیں تو۔۔ تمھیں کا نے بتایا؟"انہیں سنبھلنے میں کچھ وقت لگا تھا اور اس سارے وقت میں ضیاء کی اداس سی خوبصورت آنکھیں مسلسل انہیں دیکھتی رہیں تھیں۔

" مجھے افسوس ھے باء جی۔"وہ آٹھ کھڑا ہوا۔اس کے کندھے پہ رکھا خان کا ہاتھ نیچے گر گیا تھا۔

" آپ مجھے بھی دھوکہ دیں گے یہ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔"اس کی آواز میں واقعی دکھ تھا۔سہراب خان آٹھ کھڑے ہوئے۔

" کون سا دھوکہ بچیا۔۔۔؟؟قسم پہ خدایا۔۔۔ماتہ سہ خبر انشتہ تہ سہ وائے۔۔۔(اللہ کی قسم مجھے کچھ خبر نہیں۔۔تم کیا کہہ رہے ہو؟"وہ صاف مکر گئے۔ضیاء نے ایک دکھ بھری نگاہ ان پہ ڈالی۔

" آپ اور دوران نے کچھ تو ضرور کیا ھے باء جی اور یہ سب بھی میں بہت جلد پتہ لگا لوں گا۔"اس کی آواز میں تلخی تھی۔

"تم اس دو ٹکے کی لڑکی کے لئے اب مجھ سے،سہراب علی خان سے پوچھ گچھ کرو گے۔؟"انہیں غصہ آنے لگا۔

"ہاں۔"وہ تیزی سے کہتا پورے قد سے ان کے سامنے کھڑا ہوا۔۔

"اس کے لئے اب بہت کچھ کروں گا۔اور اگر آپ کو یہ۔۔۔"اس نے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی اپنے سینے پہ رکھی۔۔

"یہ ضیاء ؒ علی خان ذرا سا بھی پیارا ھے نہ تو آج کے بعد آپ یا آپ کا کوءء بھی آدمی مجھے اس لڑکی کے اس پاس نہ دکھائی

دے۔۔ورنہ۔۔۔"

اس کے لہجے پہ سہراب علی خان کا طیش بڑھنے لگا تھا۔

"ورنہ۔۔۔۔"انہوں نے لب کچلتے ہوئے پوچھا۔۔

"ورنہ میں اپنی جان لے لوں گا۔۔۔" سخت لہجے میں کہہ کر وہ رکا نہیں تھا۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا حویلی کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ گیا۔سہراب علی خان کو اپنی جان نکلتی محسوس ہوئی تھی۔ وہ گرنے کے سے انداز پہ وہیں چارپائی پہ بیٹھ گئے۔

☆......☆......☆

آج خلاف معمول گھر کا دروازہ کھلا تھا۔ جبکہ رات کے دس بج رہے تھے۔زرینہ کے پیچھے پیچھے حمزہ بائیک لئے اندر آیا تو نہ جانے کیوں کسی انہونی کے خدشے نے دل دھڑکا سا دیا۔اس نے بائیک گیٹ کے قریب ہی کھڑی کر دی۔ باہر صحن مین کوئی نہین تھا۔ بیٹھک سے البتہ لوگوں کی آواز آرہی تھی۔زرینہ اسے وہیں چھوڑ کے اندر اماں کے کمرے کی طرف بڑھیں تو نہ جانے کیوں وہ بھی بیٹھک میں جانے کی بجائے ماں کے پیچھے ہی آ گیا۔اور پھر اسے دروازے پہ ہی رک جانا پڑا تھا۔زرینہ بھی اس سے چند قدم آگے ساکت سی کھڑی تھین ۔سرخ عروسی لباس میں چمکتا،معصوم سا روپ کئے وہ ہر وقت خفا خفا سی لالہ تو ہرگز نہ تھی۔

وہ تو پرستان کی اداس پری جیسی لگ رہی تھی۔

جسے کسی ظالم دیو نے وقت کے سخت پنجرے میں قید کر لیا تھا۔اور وہ۔۔۔۔

وہ چاہ کر بھی اس کے لئے کچھ نہ کر پایا۔

نہ اس کے زخموں پہ مرہم رکھ سکا۔

نہ اسے اس پنجرے سے رہائی دلا سکا۔

وہ تو یہ سب کرنا چاہتا تھا۔۔۔۔

پھر بھی خالی ہاتھ رہا تو وہ۔۔

اس کی آنکھیں جلنے لگیں۔

وہ روپ اس کی آنکھیں چدھیانے لگا تھا۔لیکن پھر بھی اس نے نظریں نہیں ہٹائین تھین ۔وہ اسے دیکھتا رہا تھا۔باوجود اس کے کہ وہ اسے بچا نہیں سکتا تھا۔۔

لیکن۔۔۔۔

لیکن وہ کون تھا جس نے اسے اس قید سے رہائی دلانے کا فیصلہ لیا تھا۔

شاید کوئی رنڈوا۔۔۔

یا پھر ادھیڑ عمر کنوارہ۔۔۔

اس کے اندر تاسف بھرنے لگا۔

"ارے زرینہ بی بی۔۔آئیں آئیں" سبین کی نظر پڑی تو فوراً آگے بڑھیں۔

"حمزہ مرد بیٹھک میں ہیں تم بھی بیٹا وہاں چلے جاؤ میں چائے بھجواتی ہوں" انہوں نے حمزہ کو بھی کہا۔۔

اور طلسم ٹوٹ گیا۔۔۔

اس سے لالہ کو مزید دیکھنے کی اجازت چھین لی گئی۔۔۔۔

یا شاید اس کی بینائی۔۔۔۔۔

ہمیشہ کے لئے۔۔۔۔

کیا اب کبھی وہ کسی کو یوں محبت سے دیکھ پائے گا۔

شاید نہیں۔۔۔۔

کہ یہ تو کسی کسی کے نصیب میں ہوتا ہے۔اس کے نصیب میں نہیں تھا۔وہ سمجھدار تھا تبھی خاموشی سے پلٹ گیا تھا۔

زرینہ مبہوت سی آگے بڑھیں تھیں۔دلہن بنی لالہ کی خوبصورتی میں اداسی نور بن کے گھلی تھی۔اور وہ نور کا یہ ہالہ جیسے انہیں اپنے حصار میں لینے لگا تھا۔دل کسی بڑے خسارے کی خبر دینے لگا تھا۔نہ جانے کیوں انہیں لگا تھا۔وقت ان کے ہاتھ سے ریت کی طرح پھسل گیا تھا۔وہ مرے مرے قدموں سے آگے بڑھیں۔سبین چمکتا چہرہ لئے آن کے ساتھ تھیں۔اماں کے چہرے پہ ابھی بھی ناراضگی تھی۔ انہوں نے نظریں ملتے ہی نظریں پھیر لیں تھیں۔

"یہ سب کیا ہے اماں۔؟"انہوں نے بمشکل پوچھا۔لہجہ ایسے تھا جیسے وہ جواب جانتی ہوں۔

"تجھے نظر نہیں آ رہا۔۔اللہ نے عزت رکھ لی ہماری" اماں کے لہجے میں پہلے نخوت اور پھر بات کے آخری حصے پہ تشکر بھر گیا۔

"یہ کیا اماں۔۔اتنی بڑی بات ہو گئی اور آپ سب نے مجھے بتایا تک نہیں" زرینہ کا لہجہ کمزور تھا شکوہ کرتے وقت۔نہ جانے کیوں وہ مان نہیں تھا جو ماں بیٹی کے رشتے کی شان ہوتا ہے۔

" کیوں زرینہ۔۔ماں ہوں تیری۔بھول تو نہیں جاؤں گی کس طرح تو نے چھٹکارا تھا اس گند کو "اماں کے لہجے میں درد تھا۔کرب تھا۔

"نہ اماں۔۔۔بیٹیوں کی باتیں مائیں کہاں یاد رکھتی ہین۔مائیں تو انہیں معاف کر دیتی ہیں نہ اماں۔۔۔" زرینہ تڑپ کے ماں کے پاوں میں آ گری تھی۔

"سیدھے سیدھے بتا زرینہ۔ پھر کیا تماشہ کرنے آئی ھے،؟ اس رضیہ نے ہی خبر دے دی ہو گی تجھے۔" اماں تو جیسے ان پر سے اعتماد ہی ہار بیٹھیں تھیں۔ ان کے لہجے میں کا قدر اجنبیت تھی۔ زرینہ کا دل کٹنے لگا۔

" نہ اماں۔۔۔ اللہ کی قسم لے لو۔۔" زرینہ تڑپ کے ان کے قریب ہوئیں۔ آنکھوں سے ایک بار پھر آنسو بہنا شروع ہو گئے۔ اماں تو ششدر رہ گئیں۔ زرینہ تو دوسروں کو خون کے آنسو رلانے والوں میں سے تھیں۔ انہیں تو ہمیشہ دوسروں کو دکھ دے کر خوشی ملتی تھی۔ بے حس اتنی تھیں کہ کسی کا غم ان کا دل نہ پسیج پاتا تھا۔ اور کہاں یہ روانی لئے مسلسل بہتے آنسو۔۔

" میں یہاں تماشہ کرنے نہیں آئی اماں۔۔ قسم لے لو۔۔ میں تو خود تماشہ بن گئی ہوں" کب سے بت بنی لالہ کی پلکوں نے پہلی بار جنبش کی تھی۔ پھپھو کو یوں سسکتا دیکھ کے وہ بھی حیران رہ گئی تھی۔

"نہ تو ٹھیک تو ھے نہ زرینہ۔۔۔؟" اماں نے ہاتھ سے ان کا چہرہ اٹھاتے ہوئے پوچھا۔۔

" کہاں اماں۔۔ مجھے تو لگتا ھے اپنی خواہ مخواہ کی ضد میں، میں نے سب کچھ بگاڑ دیا اماں۔ اپنے اقراء اور حمزہ کی زندگی کی زندگی میں، میں نے خود مٹھی بھر بھر کانٹے بچھا دئے اماں۔۔۔" وہ سسکتی جا رہیں تھیں۔ اماں ماں تھیں۔ ادھیڑ عمر بیٹی کو یوں روتا دیکھ کر ان کا دل بھی نرم پڑ گیا۔

" آ ادھر میرے پاس بیٹھ "انہوں نے اسے اپنے قریب اوپر بٹھا لیا۔

" جا پانی لے کے آ اس کے لئے" پھر نم آنکھیں لئے قریب کھڑی سبین سے کہا وہ فورا پانی لینے چلی گئی۔

پانی پلانے کے بعد اماں نے کچھ دیر انہیں پرسکون ہونے دیا۔ پھر نرمی سے کہا۔۔

"اب بتا کیا ہوا ھے۔۔ اس وقت کیسے ماں کی یاد آ گئی" ان کے سر پہ ہاتھ رکھے وہ بلکل وہی پرانی اماں لگ رہیں تھیں جیسی ان کے بچپن میں تھین۔ ان کا دل پھر سے بھرانے لگا۔

"اماں۔۔ حمزہ خوش نہیں ھے۔ میرا بیٹا ویران ہو رہا ھے۔ میں آج یہاں حمزہ کے لئے لالہ کا ہاتھ مانگنے آئی ہوں" انہوں نے جیسے دھماکہ کیا، سب نے ہی چونک کے انہیں دیکھا۔

" لیکن حمزہ کی تو منگنی ہو چکی ھے نہ شزا کے ساتھ "اماں نے حیرت بھرے لہجے میں انہیں یاد دلایا۔

"ہاں تو منگنی ہوئی ھے نہ اماں نکاح تو نہیں ہوا کہ بہت دیر ہو گئی ہو "انہوں نے دلیل دی

" لیکن زرینہ۔۔۔۔" اماں گم سم سی ہو گئیں۔۔

" لیکن کیا اماں۔۔ گھر کا بچہ ھے حمزہ۔۔ باہر والے کو چلتا کریں آپ بھی۔ ابھی تو اتنی دیر نہیں ہوئی" وہ واپس اپنی عادت پہ آ چکیں تھیں۔ یہی تو مسئلہ تھا ان کے ساتھ۔ انہیں سب کچھ اپنی دسترس میں لگتا تھا۔

"بہت دیر ہو چکی ھے زرینہ "اماں نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"لالہ کا تو نکاح ہو چکا ھے "زرینہ کا تو منہ کھل گیا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہیں اماں۔" بمشکل بول پائیں

"سچ کہہ رہی ہوں۔ایسے موقعے پہ مذاق کروں گی تم سے "اماں کو غصہ آ گیا۔

"لیکن۔۔۔۔ایسے اچانک۔۔اتنی جلدی۔۔میں تو سمجھی کوئی چھوٹا موٹا فنکشن ھے بس "وہ ابھی بھی شاکڈ تھیں۔۔

" تجھ سے کون سی بات چھپی ھے اس گھر کی زرینہ۔۔جس طرح کے حالات تھے ایسے اچانک اتنی جلدی یہ سب ہو گیا۔ یہ بھی میرے رب کا کرم ھے۔ورنہ سچ کہوں تو میں تو مایوس ہو گئی تھی اپنی لالہ کے مقدر سے۔"اماں کی آنکھوں کے ساتھ ان کا لہجہ بھی بھیگنے لگا تھا۔

"یہ تو اللہ پاک نے سنبھال لیا۔وہ بڑا کریم ھے بے شک "انہوں نے ساتھ بیٹھی لالہ کے سر پہ بوسہ دیا اور دوپٹے سے یوں آنسو رگڑ ڈالے جیسے اس وقت ان کی آمد انہیں سخت ناگوار گزری ہو۔

"امی۔۔۔لالہ کو لے آئیں۔۔" تبھی شاویز نے دروازے پہ آ کے آواز دی تھی۔

"باریال کو دیر ہو رہی ھے "اس کی آواز سنتے ہی دادو بھی تیزی سے نیچے اتریں۔سبین اور زرینہ نے آٹھ کر لالہ کو سہارا دیا۔

"لالہ۔۔"زرینہ ہاتھ جوڑے اس کے سامنے آ گئی۔لالہ کی پتھر نظریں موم ہونے لگیں تھیں۔

" مجھے معاف کر دو لالہ۔۔۔میں اپنے مرحوم بھائی کی لاج نہ رکھ سکی" ہاتھ باندھے منت کرتی وہ پھوٹ پھوٹ کے رو دیں تھیں۔

"میں تو خود سزا و جزا کی زد میں ہوں پھپھو۔آپ کو کیا معاف کروں گی۔میرے لئے دعا کیجئے گا۔یہ زندگی کی یہ تلوار کی دھار جیسی پل صراط زیادہ طویل نہ ہو"اس نے آنسو پیتے ہوئے اجنبی لہجے میں کہا تھا اور ماں کے ساتھ آگے بڑھ گئی تھی۔

"اللہ تجھے شاد و آباد رکھے۔۔تو کوئی دکھ نہ دیکھے لالہ "زرینہ نے اس پیچھے چلتے ہوئے اسے دل سے دعا دی تھی۔باہر باریال اور شاویز ان کے منتظر تھے۔البتہ حمزہ کہیں نہیں تھا۔۔۔اسے وہاں نہ دیکھ کر زرینہ نے شکر ادا کیا تھا۔کسی تکلیف سے تو بچ گیا تھا اس کا بیٹا۔۔۔

☆......☆......☆

سب کچھ جیسے لمحوں میں طے ہوا تھا۔لال حویلی پہلی بار کسی بیٹی کی شادی کے لئے دلہن بنی تھی۔لوگ خوش تھے۔برادری کے نام پہ ماں باپ کی چوکھٹ پہ ارمانوں کی قبر پہ ماتم کرتی زندہ لاشیں پھر سے امید باندھنے لگیں۔زریاب ولی خان اس علاقے کا وہ نیک دل بادشاہ تھا۔جس کی تقلید کرنا لوگ پسند کرتے تھے۔اس نے آج پھر ایک اچھی مثال قائم کی تھی۔

لال حویلی کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔اور اس رات حویلی کے دروازے گاوں کے ہر امیر غریب کے لئے کھول دئے گئے تھے۔آفتاب ولی خان کے بعد پہلی مرتبہ لال حویلی میں خوشیوں کی روشنی بچھی تھی۔شادیانے بج اٹھے تھے۔زریاب نے ایک ایک کام اپنی زیر نگرانی کروایا تھا۔

سبز جھلملاتا گھاگرا پہنے سنہرا روپ لئے ادھر ادھر ناچتی پھر رہی تھی۔آج بارات تھی۔

نگین کو گاوں کی لڑکیاں تیار کرنے میں مصروف تھین۔وہ اس وقت اپنے کمرے میں تھی۔سبین اوپر آئی تو وہ دلہن بنی غضب ڈھا رہی تھی۔

"اللہ اللہ۔" سبین لپک کے ان سے چمٹ گئی۔

"سبین۔۔۔"اس کا زرتار دوپٹہ الجھا تو وہ کراہ کے رہ گئی۔۔

"اچھا سوری۔۔۔سوری۔۔۔"وہ فورا کان پکڑ گئی۔

"ویسے۔۔نگی آج تو آپ قیامت ڈھا رہی ہیں" وہ ان کو کمر سے تھام کر قد آور آئینے کے سامنے کرتے ہوئے بولی۔دونوں بہنوں کا خوبصورت عکس آئینے میں مسکرانے لگا تھا۔

"سچ۔۔۔عیسی بھائی تو موقعے پر ہی اللہ کو پیارے۔۔۔۔"

"اللہ نہ کرے" نگین نے فورا اس کے منہ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اسے بات مکمل کرنے سے روکا تھا۔

"سوچ سمجھ کے بولا کرو سبین" اس کا دل بے اختیار دھڑک اٹھا تھا۔سانسیں جیسے ساتھ چھوڑنے لگیں تھین۔عیسی ان کے لئے کیا تھا انہیں آج اندازہ ہو رہا تھا۔وہ تو انہیں پاگل کہتی تھیں اور آج شاہ عیسی کے لئے ایسی حالت۔۔۔

"اللہ نگی۔۔میں تو سمجھتی تھی صرف عیسی بھائی آپکے لئے پاگل ہیں۔آپ تو ان سے بھی زیادہ۔۔۔" سبین کا قہقہ بے ساختہ تھا۔

نگین کا چہرہ مارے حیاء سے سرخ ہو گیا۔

"شکایت کروں گی زریاب لالا سے تمھاری۔۔بھت بدمعاش ہوتی جا رہی ہو" نگین نے محبت سے اس کا گال کھینچا تھا۔

"عیسی بھائی کی محبت میں آپکو میں یاد رہوں گی تب نہ۔۔" وہ کھلکھلائی تھی۔۔نگین کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔آنے والے سنہرے دنوں کی کرنیں اس کی آنکھوں میں جھلملانے لگیں تھیں۔۔۔

☆......☆......☆

رات کے گیارہ بجنے والے جب وہ باریال کے گھر پہنچے تھے۔لالہ پچھلی سیٹ پہ سمٹی بیٹھی تھی۔اوپر لی گئی سادہ کالی چادر میں اس کا معصوم سا روپ مزید نکھر سا گیا تھا۔

باریال نے گاڑی گھر کے قریب روکی اور اتر کر اس کی سائیڈ پہ آیا۔ لالہ سنبھل کے بیٹھی تھی۔ اس نے جیسے ہی دروازہ کھولا وہ تیزی سے خود ہی اترنے لگی۔ جب باریال اس طرح گاڑی کے قریب آ گیا کہ اب اس کے لئے باہر نکلنا محال تھا۔ وہ جتنی تیزی سے آگے ہوئی تھی اتنی تیزی سے پیچھے چلی گئی تھی۔

"لالہ۔۔۔" باریال نے دھیرے سے پکارا۔ لالہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہم جیسے ہی گھر میں داخل ہوں گے سب سے پہلے لاونج آتا ھے۔ لاونج کے ترچھے سرے پہ بنا کمرہ میرا ھے۔ ہم جیسے ہی اندر جائیں گے تم تیزی سے اس کمرے میں چلی جانا" اس کی ہدایت پہ لالہ کی آنکھیں جلنے لگیں تھیں۔ کئی معاملوں میں مرد بھی کافی کمزور ہوتے ہیں خاص کر عزت کے معاملے میں۔۔ وہ خود پہ ضبط کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلا گئی۔ باریال نے اس کی اتنی بڑی مدد کی تھی۔ اس کے لئے یہ تو کچھ نہیں تھا۔ کہ وہ اپنا وجود چھپا لیتی۔

" کچھ غلط مت سوچنا۔۔ اصل میں ہوسکتا ھے ابھی امی تمھیں نہ دیکھیں۔۔ تو فی الحال میں اس بات کو گول کر جاوں گا۔ کل پھر آرام سے تمھین ان سے ملوادوں گا۔۔ تم ان سے مل کر بھت خوش ہوگی اور وہ تم سے مل کر۔۔۔" اس کی اگلی بات پہ سر جھکاتی لالہ نے حیرت سے چونک کے سر اٹھایا تھا۔ وہ اسے کس غرور سے اپنا رہا تھا۔ جب اس کے اپنوں نے اس کی ذات کو گند سمجھ لیا تھا۔

" آجاو۔۔" اس نے کالے روئیں سے بھرا مضبوط ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔

"میں اس ہاتھ کو تھامنے کے قابل نہیں ہوں ولی۔" اس نے سرگوشی کی۔ جو اس کے لبوں پہ ہی دم توڑ گئی۔

"لالہ۔۔۔کم آن" باریال نے ہاتھ مزید آگے بڑھایا تھا۔ اس بار لالہ نے آہستگی سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ باریال اس کا ہاتھ تھامے اسے اپنے ساتھ اندر لایا تھا۔ اور لاونج میں آتے ہی اس کی ہدایت کے مطابق وہ اس کے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ باریال دیدے کے کمرے میں آ گیا تھا۔ بیڈ پہ بیٹھیں تسبیح کرتیں وہ اس کی ہی منتظر تھیں۔۔

"السلام علیکم دیدے" ان کے سامنے بیڈ پہ لیٹتا وہ مسکرایا تھا۔

"وعلیکم السلام۔۔ جیتے رہو۔ شاد رہو"

"سو۔۔کیسا رہا دن۔؟؟" وہ تکیہ سینے کے نیچے رکھتا الٹا لیٹ گیا۔ دیدے کی نظریں اس کے چہرے پہ جمیں تھیں اور آج اسے ان میں ایک عجیب سی چمک محسوس ہو رہی تھی۔۔

"دن تو بھت فضول گزرا۔۔ بور" انہوں نے منہ بنایا۔۔

"او۔۔۔رئیلی۔۔" وہ مسکرایا۔

"ہاں جی۔ لیکن رات اب بھت خوش اور پرجوش گزرے گی" ان کی بات پہ وہ حیران ہوا۔

"اچھا۔۔۔وہ کیوں۔۔؟؟"باریال حیران ہوتا اٹھ کر بیٹھ گیا۔۔

"ایک سرپرائز ھے تمھارے لئے۔ابھی تم جا کر آرام کرو صبح بتاوں گی"

"اتنا ویٹ"

"میں نے بھی تو ویٹ کیا نہ آج تمھارا اتنا۔۔"دیدے نے فوراً شکوہ کیا۔۔

"اچھا۔۔۔بدلہ۔۔"اس نے آنکھ دبائی۔

"یونہی سمجھ لو"انہوں نے بھی شرارت سے آنکھ ماری۔باریال ہنس دیا۔۔

"چلیں پھر ملتے ہیں صبح۔"

"انشاء اللہ"انہوں نے آگے ہو کے اس کی چوڑی پیشانی پہ لب دھر دئے۔باریال پرسکون سا ہوتا باہر نکل گیا۔دیدے کے لبوں پہ بہت پیاری مسکان مچل رہی تھی۔۔۔

☆......☆......☆

وہ کمرے میں آیا تو لالہ پاوں لٹکائے جہازی سائز بیڈ کے کنارے پہ ٹکی تھی۔باریال نے کرسی کی پشت اس کی طرف کرتے ہوئے رکھی اور خود کرسی کی پشت پہ دونوں ہاتھ جما تا اس کے سامنے بیٹھ گیا۔۔

"تمھیں کیا لگا میرا روم۔۔؟"اس کی نظریں لالہ پہ جمیں تھیں۔وہ اس کے نکاح میں تھی۔اس کے پاس حق تھا۔اور وہ اس روپ کو دل پہ منعکس ہوتا پا رہا تھا۔

"اچھا۔۔میرے روم سے تو بہت اچھا ھے؟"اس نے سادگی سے موازنہ کیا۔باریال ہنس دیا۔

"ویسے تم حیران تو ہو رہی ہوگی نہ کہ اس روم میں یہ جہازی سائز بیڈ۔۔وہ بھی صرف میرے لئے؟"اس کی بات پہ وہ بس نفی میں سر ہلا گئی۔جیسے یہ عام سی بات ہو۔

"سنو گی تو ہنس دو گی"

"کیوں۔۔؟"اس نے حیرت سے پوچھا۔

"کیونکہ یونیورسٹی تک میں یہاں دیدے کے ساتھ ہی سوتا تھا۔۔اکیلے مجھے ڈر لگتا تھا"اس کی بات پہ لالہ کو ہنسی آ گئی۔

نور سحر کے نکھرتے ہی ہر سو پرندوں کی مقدس چہکار جیسی ہنسی۔۔

بے حد دھیمی لیکن دل کے تار چھیڑتی۔۔

باریال نے حیرت سے اسے ہنستے ہوئے دیکھا تھا۔ہنستے ہنستے اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں تھین۔

"پھر میرا سامان بڑھنے لگا بیڈ پر، مطلب بکس، لیپ ٹاپ، پین وغیرہ اور لائٹ جلی رہنے لگی تو دیدے نے اور ساتھ نبھانے سے معذرت کر لی" وہ مزے سے بتا رہا تھا۔اور وہ ہنسیجا رہی تھی۔۔

تبھی ہنستے ہنستے اس کے قہقہے بھیگنے سے لگے تھے۔

چہرہ ایک دم سے تنگیا تھا۔۔اور باریال نے دیکھا وہ واقعی رونے لگی تھی۔سسک اٹھی تھی۔ باریال ٹھنڈی سانس بھرتا اٹھکر اس کے پاس آ بیٹھا تھا۔

"لالہ۔۔۔میں نہیں جانتا۔۔میں نے یہ سب کیوں کیا؟ میں بھی ایک عام مرد ہوں۔اپنے لئے سب سے انمول چیز چاہتا ہوں۔جس کی سوچ تک میں کسی اور کا گزر نہ ہوا ہو۔۔لیکن پھر بھی میں نے فیصلہ لیا۔

اس دن شاویز کے سامنے تمھاری ایک بے بس جھلک نے مجھ سے سارے اختیار چھین لئے۔میرے لئے فی الحال سب سے اہم تمھاری عزت ٹھہری۔۔باقی زندگی کا مجھے نہیں پتہ لیکن۔۔" وہ نرم لہجے میں بات کرتا خاموش ہوا۔لالہ نے لال ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"لیکن ہمارا یہ رشتہ کس قدر پختہ ھے یہ میں بھی نہیں جانتا۔نہ قانونی طور پر مجھے اس معاملے کی معلومات ہیں۔نہ ہی میں اپنے ظرف کی گارنٹی دیتا ہوں۔میں نہیں جانتا ایسی حالت میں ہمارا رشتہ جائز ھے کہ نہیں۔شاویز کی طرف سے اگر میں مطمئن ہوتا تو ضرور کچھ معلومات کرتا پہلے۔لیکن وہ تو۔۔۔" لالہ لب کچلنے لگی۔خونی رشتوں سے جڑی اس کی تکلیف اس سے ڈھکی چھپی تو نہیں تھی تبھی وہ خاموش ہو گیا تھا اسے لب کچلتا دیکھ کے۔۔

"تبھی مجھے فوراً فیصلہ لینا پڑا۔لیکن میں تم سے وعدہ کرتا ہوں لالہ۔جب تک ہمارا ریلیشن ہماری اور قانون کی نظر میں کلئیر نہیں ہو جاتا۔ہم بس اچھے دوست رہیں گے۔میں تم سے کوئی لمبے چوڑے وعدے نہیں کروں گا۔ہاں مگر اتنا ضرور کہوں گا۔جب تک تم میرے ساتھ ہو۔دیدے کے بعد میرے لئے سب سے اہم ہو" اس کے لہجے میں کتنا مان تھا۔جو وہ اسے دان کر رہا تھا۔

یہ کیسا مرد تھا۔۔

حمزہ،،،

شاویز۔۔۔۔

زرینہ پھپھو۔۔۔۔

وہ سب کیا تھے اور اس کے سامنے کیا بن کر آئے تھے۔ساری عمر ان کے ساتھ گزار کر بھی وہ اس کے لئے اپنا ظرف بڑا نہ کر پائے تھے۔تو وہ کون تھا۔۔

کوئی فرشتہ۔۔۔۔

ضیاء۔۔۔جس سے ہمیشہ اسے خوف آتا تھا۔۔۔۔

پھر اس نے کس قدر خوبصورتی سے اپنا اعتبار سونپا تھا۔۔

اور اس دن مشکل کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی زندگی تباہ کر دی تھی۔

صرف باپ کے نام نہاد بدلے اور ضد کے لئے۔۔

شیطان کا اگر زندہ روپ کوئی دیکھنا چاہے تو بے شک وہ سہراب اور ضیاء کا ہاتھ کھینچ کر سب کے سامنے لا دیتی۔۔

اور یہ باریال ولی خان۔۔۔

جسے اس نے کچھ دیر پہلے پورے ہوش و ہواس اسے اپنے سارے حقوق سونپ دئے تھے۔وہ اسے رشتوں کی باریکیاں اور عزت بتا رہا تھا۔وہ پورے حق کے ساتھ کتنی دیر سے اس کے ساتھ تھی اور اس نے ابھی تک اسے چھونے کی کوشش تک نہ کی تھی۔اسے نام دیا تھا۔اور حلال بندھن میں بندھے ہونے کے باوجود اسے ابھی بھی خدا کی نافرمانی کا ڈر تھا۔

"جس طرح کے حالات میں ہماری شادی ہوئی،تم بھی یہ سب باریکیاں اچھی طرح سمجھ سکتی ہو۔میں چاہتا ہوں اس رشتے کے لئے تم مجھے کچھ وقت دو

لیکن ہاں ایک دوست کی طرح تم مجھے ہمیشہ اپنے ساتھ پاؤ گی۔"اس نے مضبوط لہجے میں درخواست بھی کی تھی اور یقین بھی اسے سونپا تھا۔

" آپ نے جو کچھ مجھے سونپا ہے ولی۔آپ کو خود اندازہ نہیں۔۔یہ سب میں اچھی طرح سمجھ سکتی ہوں۔آپ نے میری عزت رکھی۔اس سے بڑھ کر مجھے اور کچھ نہیں چاہئے" وہ سر جھکا کر بولی تھی۔اس کے مطمئن انداز پہ وہ بھی پرسکون ہو گیا تھا۔اور کچھ ہی دیر بعد اسے پرسکون نیند میں ڈوبا دیکھ کر وہ کتنے ہی وقت تک اس سے کافی فاصلے پہ لیٹے اسے تکتی رہی تھی۔زندگی کچھ تو آسان ہوئی تھی۔نہ جانے کتنے دنوں بعد سکون سے وہ نیند کی وادیوں میں اتری تھی۔۔

☆......☆......☆

بارات آ گئی تھی۔سبین سمیت سب لڑکیاں قہقہے لگاتی ہوئے باہر نکل گئیں تھیں۔۔وہ اکیلے ہوتے ہی باہر نکل آئی۔لال حویلی سے رخصت ہونے کا وقت قریب آ گیا تھا۔وہ بھاری لہنگا سنبھالتی باہر آ گئی۔اس کے کمرے سے دائیں طرف سیڑھیاں تھیں۔وہ سیڑھیاں چڑھتی چھت پہ آ گئی۔یہ چھوٹا سا چوکور صحن تھا۔باقی پوری حویلی کی چھت سے الگ اور ذرا سا اونچا۔۔اس کی چار دیواری بھی نسبتاً چھوٹی تھی۔۔۔وہ اس طرف آ گئی جہاں سے حویلی کے پچھلے صحن کا منظر نمایاں تھا۔بارات اندر آ رہی تھی۔یہ مردانہ حصہ تھا۔گھوڑے پہ

سہرا ڈالے دولہا اور پیچھے باراتی ۔۔مسکراہٹ اس کے لب چھونے لگی تھی۔وہ پلٹ کے اس طرف آ گئی جہاں گھر والا حصہ تھا۔یہ حصہ آج ویران تھا۔وسیع لان اور وہ ان کی حویلی کا سفید جھولا۔۔جس کے بارے میں مشہور تھا کہ شام کے بعد وہاں سفید کپڑوں والی روحیں جھولا لیتی تھیں۔ اور جو لڑکی بھی اس پہ بیٹھتی ،وہ بھی پھر سفید لباس پہننے والی بدروح بن جاتی تھی۔۔۔اس کا کتنا پرانا ساتھی تھا وہ جھولا۔۔جبکہ سبین تو اس کے قریب بھی نہ پھٹکتی تھی۔اس سے خوف کھاتی تھی۔

لان کے بلکل آخری سرے پہ ضعیفیسے جھکتا سو سال پرانا برگد کا درخت جس کی مضبوط رگیں دور دور تک پھیل گئیں تھیں۔دن میں بھی اس کے سائے کے نیچے رات پڑاو کیا کرتی تھی۔مرد اس کے قریب جانے سے ڈرتے تھے اور وہ وہاں گھر گھر کھیلا کرتی تھی۔وہ بھی اکیلے۔۔۔

" نگی۔۔تم پھر وہاں گئیں تھیں۔کتنی بار منع کیا ھے تمھیں بیٹا۔وہاں برا سایہ ھے۔کسی لڑکی پہ اس کا دل آ جائے نہ تو ساری عمر اس کا گھر نہیں بسنے دیتا۔تمھارے بابا کے خاندان کی کتنی لڑکیوں کی جوانی نگل گیا یہ آسیب۔تمھیں ڈر کیوں نہیں لگتا" اماں اسے ڈھونڈتے ہوئے وہاں آتیں تو خوف سے کانپ جاتیں۔۔اور وہ ان کا ڈراڈرا چہرہ دیکھ کر ہنسے جاتی۔وہ بابا سے بھی شکایت کرتیں۔

"شیر ھے میرا بچہ۔کسی سائے کی مجال جو میری بیٹی کی خوشیاں نگل سکے۔" پرانی یادوں سے اس کی آنکھیں بھیگنے لگین۔

لال حویلی۔۔

اس کے بچپن کی یادوں۔۔۔

اس کے اور پیارے بابا جان کی محبت کی گواہ۔۔۔

اس کی سب سے پہلی سہیلی۔۔۔

آج وہ ہمیشہ کے لئے اسے چھوڑ کے جا رہی تھی۔۔۔شہنائی شروع ہو چکی تھی۔وہ نم آنکھوں سے مسکراتی اس طرف آ گئی جہاں نیچے ساری حویلی کی چھت کا دوسرا الگ حصہ تھا۔یہ ذرا نیچے تھا اس پورشن سے۔یہاں اندھیرا تھا آج۔شاید ملازم دوسرے کاموں میں مصروف یہاں روشنی کرنا بھول گئے تھے۔وہ زرتار دوپٹہ سنبھالتی پلٹنے کو تھی جب بھاری مردانہ آواز پہ وہ چونک کے رکی تھی۔

"خان کیا حکم ھے پھر۔۔"

"دوران خان !حکم تو بہت واضح ھے۔آفتاب ولی خان کی حویلی میں پہلی بیٹی کی شادی ھے۔یادگار ہونی چاہئے" وہ سہراب لالا کی آواز تھی۔ان کے لہجے میں مسکراہٹ چھپی تھی۔وہ دونوں نیچے اندھیرے میں کہیں تھے تبھی دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

" کوئی اس شادی کو بھول نہ پائے۔سب کو یاد رہنی چاہئے یہ شادی"

"ایسا ہی ہوگا خان" دوران نے ادب سے جواب دیا تھا۔نگین مسکراتے ہوئے واپس ہوئی تھی۔خدا نے اسے کتنے پیارے بھائی

دے ئے تھے۔ وہ خود کو دنیا کی خوش نصیب بہن مانتی تھی۔ مسکراتے ہوئے وہ واپس پلٹ گئی تھی۔ سہراب اور دوران کی آوازیں کہیں پیچھے رہ گئیں تھیں۔۔۔

☆......☆......☆

کارنر میٹنگ سے فارغ ہو کر وہ حویلی جانے کے لئے نکلے تو راستے میں کھیتوں میں درختوں تلے ستاتے کسانوں کو دیکھ کر رک جاتے۔ ان کے ساتھ بیٹھ کر ان کے مسائل سنتے اور ان کے حل کا وعدہ کرتے ساتھ منشی کو اشارہ کرتے، وہ فوراً سر ہلاتا ان کو چند ہر ینوٹ دے دیتا۔ غریب کسانوں کے چہرے کھل اٹھتے۔

" یہ گاوں ہمارا ھے۔ ہم سے زیادہ اس کا بھلا کون چاہ سکتا ھے۔ یہ غیر لوگ پیسہ لگا کر یہاں کا غیور عوام کا خون خریدنا چاہتے ہیں۔" وہ ان کو اپنی ایمانداری کا یقین دلا رہے تھے۔

"میں نے لڑکیوں کا کالج بھی منظور کروالیا ھے۔ اور انشاء اللہ اس بار گاوں سے شہر تک ساری سڑک بھی دوبارہ وسیع اور پختہ کی جائے گی تاکہ آپ سب کے اجناس وقت پر اور آسانی سے منڈی پہنچ سکے اور آپ سب بہترین ریٹ حاصل کر سکو" وہ پشتو میں بات کر رہے تھے۔ لوگوں کے کھلتے چہرے انہیں مطمئن کرنے کے لئے کافی تھا۔

"اور اس بار میرا ارادہ ھے میں خود بڑی سیٹ پہ آوں گا اور اپنی سیٹ پہ ضیاء کو لاوں گا۔ نئ پود ھے، زیادہ جوش اور جنون سے بھری۔ انشاء اللہ مزید ترقی ہوگی۔" سب نے ان کی بات پہ تالیاں بجا کر داد دی۔

تقریبا سہ پہر کے قریب وہ حویلی پہنچے تھے۔

"خان لگتا ھے۔ آپ کی گھر گھر جانے والی ترکیب کام کر رہی ھے" گاڑی سے اترتے ہی دوران نے ان سے کہا تھا۔ سہراب علی خان کے چہرے پہ سوچ کی لکیریں بچھی تھیں۔

"ضیاء کو یہ سب کس نے بتایا؟ کچھ پتہ چلا۔" ڈیرے میں لگے دریخت کے ہرے بھرے درخت کے نیچے بچھی چارپائی پہ بیٹھتے ہوئے انہوں نے پوچھا تھا۔

" نہیں خان۔۔ کیونکہ آپ اور ہم چار نوکرو نکے علاوہ کوئی یہ بات نہیں جانتا۔ اور باقی تین سے میں پوچھ چکا ہوں۔ ان سب نے لاعلمی کا اظہار کیا ھے۔"

"تو پھر یہ کون ہوسکتا ھے۔؟ کہیں شاویز۔۔۔"

" نہیں خان۔۔ اس سے بھی میری بات ہوئی ھے۔ اس نے بتایا کہ اس کی ضیاء سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی اور یہ بھی کہ اس لڑکی کی شادی کے بعد وہ راتوں رات وہ گھر چھوڑ رہے ہیں" دوران انہیں سری تفصیل بتا رہا تھا۔ ان کی آنکھوں میں گہری پریشانی رقم تھی۔

"اچھا ایسا کرو اندر پیغام دو کہ ضیاء ؒ کو میرے پاس بھیجیں" انہوں نے تکیئے سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔

"خان۔۔چھوٹے خان تو فجر سے بھی پہلے نکل گئے تھے واپس" دوران کی بات پہ وہ جھٹکا کھا کے سیدھے ہوئے تھے۔

" کون کون ساتھ گیا ھے؟" ان کے لہجے میں تشویش تھی۔

"اکیلے گئے ہیں خان۔میں نے کہا بھی کہ بدر گے ساتھ کے جائیں لیکن انہوں نے منع کر دیا"

"تو۔۔اس نے منع کر دیا تو کیا ہوا تم لوگ پیچھے دوسری گاڑی میں بھی تو جا سکتے تھے" وہ چلا آٹھے تھے۔۔

" حالات کا بھی پتہ ھے۔ضیاء ؒ اس وقت میرا دایاں بازو ھے۔کوئی بھی دشمن اسے نقصان پہنچانے کا سوچ سکتا ھے" غصے سے وہ کانپنے لگے تھے۔

"غلطی ہوگئی خان" دوران فوراً سر جھکا گیا۔

"اب جاؤ۔۔ظفر اور خاور کو ساتھ لے جاؤ۔اور ضیاء جہاں بھی جائے، ساتھ رہو۔۔"

"جی خان"

"اور ہاں ضیاء پہ نظر رکھو اور کسی بھی صورت وہ شاویز سے نہیں مل پائے" سہراب نے اسے ہدایت کی۔وہ فرمانبرداری سے سر ہلا گیا۔

"جاو اب۔۔۔۔جتنی جلدی ہو سکے نکل جاو"

"ہم ابھی نکلتے ہیں خان" وہ سعادت مندی سے کہتا ایک طرف بڑھ گیا۔سہراب علی خان اب سنجیدگی سے ضیاء ؒ کے متعلق کوئی وقتی فیصلہ لینے کا سوچ رہے تھے۔۔۔

☆......☆......☆

جب اس کی گاڑی فارم ہاوس میں داخل ہوئی شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔وہ گاڑی ڈرائیو وے پہ دوڑاتا سیدھا رزیڈینشیل ایریا کی طرف آ گیا۔سامنے ہی برآمدے کی سیڑھیوں پہ زمزمہ بیٹھی کتاب پڑھ رہی تھی۔سفید اور پنک کنٹراسٹ کے سوٹ میں وہ اس وقت بے حد نکھری نکھری لگ رہی تھی۔وہ بھی ضیاء ؒ کی گاڑی دیکھتے ہی آٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

" شکر ھے خان۔۔آپکو بھی ادھر کا خیال آیا" اس کے قریب آتے ہی اس نے مسکراتے ہوئے ضیاء کا استقبال کیا تھا۔وہ بھی اداسی دے مسکرا دیا تھا۔

" کیسی ہو زمزمے۔۔؟" اس نے زمزمہ کے قریب سے گزرتے ہوئے پوچھا تھا۔وہ اندر جا رہا تھا۔اس کی حسن سے ایسی بے نیازی اکثر زمزمہ کو اداس کر دیتی تھی۔کردار کے اتنے پختہ مرد کو اس کے اپنے ہی باپ نے کس قدر پستی میں گرایا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں خان" وہ دروازہ کھول کے اندر چلا آیا۔ زمزمہ اس کے پیچھے تھی۔۔

"اپنے کمرے میں جا رہے ہیں" اسے ایک طرف مڑتے دیکھ کر اس نے فوراً سوال کیا تھا۔ ضیاء اس بار اس کی پکار کو رد نہ کر سکا تھا۔ رک گیا تھا۔

"ہاں۔۔ فریش ہو کے کچھ دیر آرام کروں گا" وہ اب اس کی طرف دیکھتے ہوئے بات کر رہا تھا۔

"چائے لے آوں" زمزمہ نے پوچھا۔

"ہاں بجھوا دینا۔۔ تم آرام کرو خواہ مخواہ تکلیف ہو گی تمھیں" وہ مڑ گیا۔ زمزمہ چائے بنانے کچن میں آ گئی۔۔

وہ چائے بنا کے کمرے میں آئی تو ضیاء نہا چکا تھا۔ وہ ڈریسنگ کے قریب کھڑا بال بنا رہا تھا۔ ڈریسنگ کے قدآور آئینے پہ پتہ نہیں اس نے کیا کیا تھوپ رکھا تھا، ٹوتھ پیسٹ، شیونگ جیل، ہیئر جیل اور پتہ نہیں کیا کیا اس طریقے سے پھیلایا تھا شیشے کی سطح پہ کہ باقی منظر اوجھل ہو گئے۔

"تخ۔ خان یہ کیا کیا ہوا ھے؟" وہ تیزی سے اس طرف آئی تھی۔

"خود سے نفرت ہو جائے تو آئینوں سے اسی طرح خوف آنے لگتا ھے۔" اس نے شرٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے لاپرواہی سے کہا تھا۔

"ایک بات کہوں خان" وہ اس سے پیالی لینے قریب آیا تو زمزمہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

"تمھیں کبھی منع کیا ھے میں نے" وہ بیڈ پہ بیٹھتے ہوئے بولا۔

"آپ لالہ سے ملیں" اس نے بے ساختہ کہا تھا۔ ضیاء کا مضبوط ہاتھ کانپ سا گیا تھا۔ اور اس سے پہلے کہ چائے کپ سے چھلکتی اس کا دامن داغدار کر جاتی اس نے دوسرا ہاتھ بے اختیار نیچے کیا تھا۔ چھلکی چائے اس کی ہتھیلی جلا گئی۔ دل کی جلن تھی یا ہتھیلی کی، اسے سارا وجود جلتا محسوس ہوا تھا۔

"میں نے کل ایک دو اچھے وکیلوں سے رابطہ کیا تھا نیٹ کے تھرو ان کے کنٹیکٹس سرچ کر کے۔ اور انھوں نے یہی بتایا کہ آپ بے قصور ہو کیونکہ آپ نشے میں تھے" وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔

"میں نشے میں نہیں تھا زمزمہ" وہ ضبط مٹھیاں بھینچتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں اس کے پاس پورے ہوش و حواس میں گیا تھا۔ وہ ایک ایک پل مجھے بھولتا نہیں۔ کس قدر سفاکی سے میں نے لالہ کو۔۔۔" تکلیف نا قابل برداشت ہوئی تھی۔۔۔

"آآآآآآآ۔۔۔۔" وہ زور سے چیخا تھا اور چائے سے بھرا کپ کھڑکیوں پہ دے مارا تھا۔ کانچ ٹوٹنے کی زوردار آواز پہ

زمزمہ سہم کے پیچھے ہٹی تھی۔۔

"زمزمہ جاؤ ابھی یہاں سے" ضیاء کو اس قدر وحشت میں بھی اس کا خیال تھا۔زمزمہ کی پلکیں بھیگنے لگیں۔۔

"خان۔۔"اس نے آگے بڑھ کا ضیاء کے بازو پہ اپنا ہاتھ دھرا تھا اور بالکل اچانک ضیاء نے اس کا وہی ہاتھ تھام کر اسے اپنے بے حد قریب کر لیا تھا۔ضیاء کی جلتی سانسیں اس کا چہرہ جلانے لگیں تھیں۔ضیاء کی نظریں اس کے لب کے ننھے کالے تل پہ جم سی گئیں تھیں۔

"لاسٹ وارننگ دے رہا ہوں زمزمہ۔ مجھ جیسے وحشی سے دور رہا کرو۔ورنہ لالہ کی طرح۔۔۔"اس کی خوبصورت آنکھیں چھلک دینے لگیں تھیں۔اس نے چند پل بے بسی سے ہونٹ کاٹتے ہوئے زمزمہ کو دیکھا تھا، پھر جھٹکے سے اس کا ہاتھ چھوڑتا سائیڈ ٹیبل سے گاڑی کی چابی اٹھاتا باہر نکل گیا۔زمزمہ اس مضبوط مرد کی بے بسی پہ سسک اٹھی تھی۔۔۔

☆......☆......☆

بلیک کرولا سے کچھ فاصلے پہ سفید شلوار قمیض میں ملبوس وہ گرمی سے نڈھال ہو رہا تھا۔اس کے کپڑے پسینے کی وجہ سے اس کے جسم سے چپک گئے تھے اور اس کا کسرتی جسم واضح ہونے لگا تھا۔سن گلاسز لگائے وہ مسلسل بیل بجائے جا رہا تھا۔لیکن اندر سے جواب ندارد۔۔۔

اردگرد سے گزرنے والے لوگ خصوصاً لڑکیاں اسے دیکھ کے ٹھہرتیں اور پھر ان کی دبی دبی سرگوشیاں اور ہنسی اس کی کوفت میں مزید اضافہ کر دیتی۔کافی دیر کے بعد جب وہ مایوس ہو کے پلٹنے والا تھا۔گیٹ کھلنے کی آواز پہ اس کے چہرے پہ ایک دم جوش سا چمکا تھا۔لیکن اگلے ہی لمحے پہلے والی مایوسی چھا گئی تھی۔وہ ساتھ والے گھر کا دروازہ تھا۔جہاں سے اب شوخ سی قبول صورت لڑکی اپنی گول گول آنکھیں گھما گھما کر اس کا جائزہ لینے میں مصروف تھی۔

" کیوں بار بار اس گھر کی بیل بجا رہے ہو۔؟؟"آنکھوں میں اس کے لئے ستائش کے باوجود انداز سخت تھا۔

"سوری مس۔۔مجھے شاویز سے ملنا تھا۔"اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

"وہ لوگ تو یہ گھر چھوڑ کے چلے گئے"اس لڑکی نے گویا دھماکہ کیا۔

"چھوڑ کے چلے گئے۔۔۔لیکن کیوں؟"اس نے تیزی سے سوال کیا۔

"ان کی بہن کا کوئی معاملہ تھا۔"وہ دروازے کی چوکھٹ سے لٹک کر بتانے لگی۔

"بھاگ کے گئی تھی کسی کے ساتھ، "آواز سرگوشی میں بدل گئی۔

"وہ منہ پہ کالک مل کے یہیں دروازے پہ پھینک گیا۔"اس کا انداز نفرت سے بھرا تھا۔ضیاء لب چبانے لگا۔

"وہ بے چارے تو پھر بھی چپ تھے لیکن اب کئی دنوں سے رات کو گن بردار لوگ آنے لگے تھے ان کو دھمکانے تو بس دنوں میں بیٹی کی شادی کی اور نکل گئے"

"شادی۔۔۔؟؟کس بیٹی کی شادی۔؟"

"لالہ کی اور کس کی "اس نے گول آنکھیں ہوں گھمائیں جیسے اسے ضیاء کے سوال نے خاصا بدمزہ کیا ہو۔ضیاء البتہ کچھ بولنے کے قابل ہی نہیں رہا تھا۔

"اچھا اب جاو۔۔اور ہاں یہ بات کسی اور کو مت بتانا۔اور ہاں اب بیل بھی نہ بجانا۔اس وقت ہم سب سونے کے عادی ہیں۔" روکھے لہجے میں اسے ہدایت کرتی اس نے کھڑاک سے دروازہ بند کیا تھا۔ضیاء کچھ دیر لالہ کے گھر کا دروازہ دیکھتا رہا تھا۔پھر گاڑی کی طرف مڑ گیا۔سورج کی تپش ایک دم ہی اس کا وجود جلانے لگی تھی۔

☆......☆......☆

صبح وہ ناشتے کے لئے باہر آیا تو دیدے ناشتہ سجائے اس کی منتظر تھیں۔اور لوازمات دیکھ کے وہ واقعی حیران رہ گیا تھا۔

"یہ کیا دیدے۔۔اتنا سب کچھ "وہ پوچھتے ہوئے بیٹھا۔

"سب کچھ خود بنایا ھے"

"واو۔۔زبردست۔۔"وہ خوش ہوتا بیٹھ گیا۔اور بھاپ اڑاتا چائے کا کپ اٹھا کے لبوں سے لگاتے ہوئے پوچھا

"لیکن یہ سب کا کس خوشی میں۔۔۔؟"

"تمھاری شادی کی خوشی میں۔۔۔"جس انداز میں اس نے سوال کیا تھا دیدے نے اتنے ہی پیارے انداز میں اچانک کہا تھا۔باریال نے منہ میں لیا چائے کا گھونٹ فوارے کی صورت باہر اچھالا تھا۔دیدے کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی۔

" کک۔۔۔کک۔۔۔کون سی شادی۔۔۔

کککک۔۔کک۔۔کککس کی شادی"وہ بوکھلا گیا تھا۔دیدے آٹھ گئین۔

"بچپن سے تمھاری عادت ھے۔تم جھوٹ بولتے ہوئے یونہی گڑبڑ جاتے ہو۔اور اسی لئے بچپن سے ہی تمھیں میں یہ کہتی آرہی ہوں کہ جھوٹ مت بولا کرو"وہ اب کپڑا اٹھا کر میز پہ گری چائے صاف کر رہی تھیں۔اس بار وہ شرمندہ سا بیٹھا رہا۔۔

"جاو اسے لے کے آو باہر۔۔۔"

"لیکن دیدے آپ کو کیسے۔۔۔؟"

"باری پلیز یہ باتیں بعد میں۔اسے بھوک لگی ہوگی۔جاو" دیدے نے لہجہ میں سختی لاتے ہوئے اسے کہا تھا۔اسے اٹھنا ہی پڑا تھا۔اس کے مڑتے ہی دیدے نے اپنی ہنسی بمشکل کنٹرول کی تھی۔

☆......☆......☆

بلیک کرولا سے کچھ فاصلے پہ سفید شلوار قمیض میں ملبوس وہ گرمی سے نڈھال ہو رہا تھا۔اس کے کپڑے پسینے کی وجہ سے اس کے جسم سے چپک گئے تھے اور اس کا کسرتی جسم واضح ہونے لگا تھا۔سن گلاسز لگائے وہ مسلسل بیل بجائے جا رہا تھا۔لیکن اندر سے جواب ندارد۔۔۔

اردگرد سے گزرنے والے لوگ خصوصا لڑکیاں اسے دیکھ کے ٹھہرتیں اور پھر ان کی دبی دبی سرگوشیاں اور ہنسی اس کی کوفت میں مزید اضافہ کر دیتی۔کافی دیر کے بعد جب وہ مایوس ہو کے پلٹنے والا تھا۔گیٹ کھلنے کی آواز پہ اس کے چہرے پہ ایک دم جوش سا چمکا تھا۔لیکن اگلے ہی لمحے پہلے والی مایوسی چھا گئی تھی۔وہ ساتھ والے گھر کا دروازہ تھا۔جہاں سے اب شوخ سی قبول صورت لڑکی اپنی گول گول آنکھیں گھما گھما کر اس کا جائزہ لینے میں مصروف تھی۔

" کیوں بار بار اس گھر کی بیل بجا رہے ہو۔؟؟" آنکھوں میں اس کے لئے ستائش کے باوجود انداز سخت تھا۔

"سوری مس۔۔مجھے شاویز سے ملنا تھا۔"اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

"وہ لوگ تو یہ گھر چھوڑ کے چلے گئے"اس لڑکی نے گویا دھماکہ کیا۔

"چھوڑ کے چلے گئے۔۔۔لیکن کیوں؟"اس نے تیزی سے سوال کیا۔

"ان کی بہن کا کوئی معاملہ تھا۔"وہ دروازے کی چوکھٹ سے لٹک کر بتانے لگی۔

"بھاگ کے گئی تھی کسی کے ساتھ، " آواز سرگوشی میں بدل گئی۔

"وہ منہ پہ کالک مل کے یہیں دروازے پہ پھینک گیا۔"اس کا انداز نفرت سے بھرا تھا۔ضیاء لب چبانے لگا۔

"وہ بے چارے تو پھر بھی چپ تھے لیکن اب کئی دنوں سے رات کو گن بردار لوگ آنے لگے تھے ان کو دھمکانے تو بس دنوں میں بیٹی کی شادی کی اور نکل گئے"

"شادی۔۔۔؟؟ کس بیٹی کی شادی۔؟"

"لالہ کی اور کس کی"اس نے گول آنکھیں یوں گھمائیں جیسے اسے ضیاء کے سوال نے خاصا بدمزہ کیا ہو۔ضیاء البتہ کچھ بولنے کے قابل ہی نہیں رہا تھا۔

"اچھا اب جاؤ۔۔اور ہاں یہ بات کسی اور کو مت بتانا۔اور ہاں اب بیل بھی نہ بجانا۔اس وقت ہم سب سونے کے عادی ہیں۔" روکھے لہجے میں اسے ہدایت کرتی اس نے کھڑاک سے دروازہ بند کیا تھا۔ضیاء کچھ دیر لالہ کے گھر کا دروازہ دیکھتا رہا تھا۔پھر گاڑی کی طرف مڑ گیا۔سورج کی تپش ایک دم ہی اس کا وجود جلانے لگی تھی۔

☆......☆......☆

سہراب علی خان بیٹھک میں مصروف تھے۔علاقے کے علماء آج ان کی دعوت پہ ان سے ملنے آئے تھے۔سہراب اچھی طرح

جانتے تھے کہ ان کے علاقے میں اگر کوئی ان کے بعد پاور رکھتا ھے غریب عوام پہ تو وہ علماء ہی تھے۔ ان کے صاف کردار اور سادہ زندگی کی وجہ سے لوگ ان کی عزت کرتے تھے اور ان کی پیروی کرنا اپنا فرض کرتے تھے۔ یہ ملاقات بھی الیکشن کے سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ اگر علماء ان کے ساتھ ہو جاتے تو انہیں زیادہ محنت کی ضرورت نہ پڑتی۔

" آپ لوگوں کو مساجد کے لئے کسی بھی چیز کی ضرورت ہو بے دھڑک منشی تک پیغام بجھوا دیا کریں۔ "انہوں نے پتہ پھینکا۔

" خان آپ کے تو پہلے بھی کافی احسان ہیں ہم پہ، پچھلے سال کی بارشوں سے تباہ حال مسجد اور حجرے کی بحالی آپ کی مدد سے ہی ممکن ہو پائی "مولوی عبدالکریم نے احسان مندانہ لہجے میں کہا۔

" نہ نہ مولوی صاحب۔۔ مدد کیسی۔ یہ تو ہم سب کا فرض ھے۔ ہمارے علاقے کے لئے ہم کام نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا۔ لیکن ایک مسئلہ ھے اور اسی لئے آپ سب کو یہاں تکلیف دی ھے میں نے "سہراب خان اصل بات کی طرف آتے ہوئے بولے۔

" کیسا مسئلہ خان؟ آپ حکم کریں ہم سب اس علاقے کی بہتری کے لئے آپ کے ساتھ ہیں "امام محمد بخش نے یقین دہانی کرائی۔

"بات دراصل یہ ھے کہ پہلی دفعہ ہمارے مقابلے پہ باہر کا کوئی آدمی کھڑا ہونے کی جراءت کر رہا ھے۔ جانباز خان کے نام سے تو آپ سب ہی واقف ہیں اب اچھی طرح۔ وہ الیکشن میں میرا حریف ہر دم بنے لیکن جھوٹ موٹ کی وقتی ہمدردی دکھا کے جس طرح وہ علاقے کے لوگوں کو بیوقوف بنا رہا ھے اس نے مجھے فکر مند کر دیا ھے"۔

" یہ بات تو آپ کی ٹھیک ھے خان۔ لیکن اس معاملے میں ہم سے جو بھی ہو سکا ہم کریں گے"

" آپ لوگ بس یہ کوشش کریں کہ جمعہ کے ہر خطبے بلکہ دن کی ہر نماز کے بعد تھوڑا سا اہل علاقہ کو سمجھانے کے لئے بات کر لیا کریں۔ اس طرح عوام میں شعور پیدا ہوگا اور پھر آپ کی بات کو سبھی اہمیت دیتے ہیں۔ ان کو پتہ چل جائے گا کہ علاقے کی بہتری علاقے کے لوگوں کا ہی مشن ھے۔ دوسرے بس یہاں قدم جما کے ہمیں کمزور کرنا چاہتے ہیں۔ "سہراب خان نے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا۔

"بلکل ٹھیک کہہ رہے ہیں خان جی۔ ہمیں آج سے ہی اپنے لوگوں کی اصلاح کرنا ہوگی۔ "مولوی عبدالحق اٹھتے ہوئے بولے۔ باقی سب نے تائیدانداز میں سر ہلاتے ہوئے ان کی حمایت کی تھی۔

"انشاء اللہ میں پھر کبھی حجرے پہ بھی حاضر ہوں گا" سہراب خان نے سینے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے انہیں الوداع کیا۔ ان کے باہر نکلتے ہی دوران اندر آیا تھا۔

"خان"

" کیا بات ھے دوران؟" سہراب نے تیز نظر اس کے چہرے پہ ڈالی تھی۔

"چھوٹے خان شاویز کے گھر گئے تھے۔"اس نے اطلاع دی۔سہراب خان کی آنکھوں میں غصہ لودینے لگا تھا۔

"پھر۔۔؟"

"وہ لوگ انہیں نہیں ملے خان۔شاویز ایک ہفتہ قبل ہی گھر چھوڑ کے جا چکا ھے اور بہن کی اس نے شادی کر دی تھی"اس کی بات پہ سہراب کے ہونٹوں پہ کمینی سی مسکراہٹ بکھری تھی۔

"خس کم جہاں پاک"انہوں نے تلخ لہجے میں کہا تھا۔

"اب کیا حکم ھے میرے لئے خان"

"ضیاء کے ساتھ سلیم خان کو کردو اور ابراہیم کو بھی ہدایت دو کہ سارا وقت ضیاء کے ساتھ رہے۔تم اب میرے ساتھ رہنا۔یہاں بھی کافی ضرورت ھے تمھاری۔ویسے بھی اب ضیاء کی طرف سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہمیں"انہوں نے ہدایت دی۔دوران ادب سے سر جھکاتا باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

باریال نے جیسا بتایا تھا۔دیدے بلکل ویسی ہی تھین۔انہوں نے جس طرح بنا سوال کئے اس کا اس گھر میں استقبال کیا تھا وہ واقعی ششدر رہ گئی تھی۔

"باری میرا بیٹا ھے۔وہ کبھی کچھ غلط کر ہی نہیں سکتا انشاء اللہ۔۔مجھے یقین ھے اللہ ہمیشہ اس کا مددگار رھے"انہوں نے باریال کی زبردستی وضاحت دینے کی کوشش بھی ناکام بناتے ہوئے کہا تھا۔وہ واقعی خاموش ہو گیا تھا۔انہوں نے ناشتے کے بعد لالہ کو سارا گھر دکھایا تھا۔پھر دیر تک اپنے کمرے میں اس سے باتیں کرتی رہیں تھیں۔باریال ان دونوں کو بزی دیکھ کر آفس کے لئے نکل گیا تھا۔

لالہ واقعی ان کا ساتھ پا کے ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔وہ پہلے اسے اپنے بارے میں بتاتی رہیں۔ان کا خاندان،ان کا آبائی گھر،کس طرح بچپن گاوں کی سرسبز گلیوں میں آڑتا رنگین آنچل میں جوانی لئے سمٹ آیا۔کب باری کے بابا زندگی میں آئے اور پھر باری۔ پھر کچھ ایسے حالات جب ان سے باری کے بابا اور گھر چھن گیا۔اور وہ باری کو لئے یہاں آ گئین۔سب کچھ نیا۔۔

اپنے بارے میں بتانے کے بعد وہ لالہ کی طرف دیکھ کے مسکرائیں جو بہت توجہ سے انہیں سنے جا رہی تھی۔

"اچھا۔۔بہت ہو گئیں میری باتیں۔اب تم بتاو۔۔کہاں ملیں میرے باریال کو اور اپنا دیوانہ بنا لیا۔۔"انہوں نے محبت سے پوچھا تھا۔لالہ چونکہ تھی۔

"کسی کالج کے گیٹ پہ،یونیورسٹی میں، یا پھر کافی ہاوس یا شاپنگ مال"وہ مسکرا کر اندازے لگا رہی تھی۔۔

"یونیورسٹی، کافی ہاوس"اور وہ دو لفظ اس کی سماعت سے جونک کی طرح چمٹ گئے۔

"ایک کپ کافی لینا پسند کرو گی میرے ساتھ "خونی اس کے کانوں تک رینگنے لگی تھی اس نے گھبرا کر دونوں ہاتھ کانوں پہ رکھے تھے۔

"لالہ۔۔تم ٹھیک ہو۔۔؟؟" دیدے اسے یوں اچانک اس طرح ری ایکٹ کرتا دیکھ کے پریشان ہوگئیں۔

"لالہ کے لئے صرف ضیاء۔۔۔تمھارا ہر راستہ میری طرف ہی نکلے گا" خونی جونک اس کے کان کے اندر گھس گئی تھی۔درد بڑھنے لگا تھا۔جسم کے روئیں روئیں سے جونک چمٹنے لگیں تھیں۔

"نہیں۔۔۔نہیں۔۔۔" وہ زور زور سے چلانے لگی تھی۔ اپنے ہاتھوں سے اپنا ہی وجود نوچنے لگی تھی۔اس کی سسکیوں میں کرب تھا۔دیدے اسے سنبھالتے سنبھالتے خود بے دم سی ہونے لگیں تھیں۔چیختے چیختے وہ خود ہی ہوش کھو کر ان کی گود میں بے دم سی گری تو انہوں نے محبت سے اس کا بکھرا وجود خود میں سمیٹ لیا۔

"اللہ تم دونوں پہ مہربان رہے "انہوں نے نم آنکھوں سے اپنی اولاد کو دعا دی تھی۔۔۔

☆......☆......☆

باء جی شہر سے واپس آچکے تھے اور اب اسے اور گل مینے کو واپس شہر جانا تھا۔شام تک نکلنا تھا انہیں۔اور وہ جانے سے پہلے کچھ وقت ضرور اللہ لوک کے پاس گزارنا چاہتی تھی۔لیکن رات سے پہلے یہ کسی طرح خطرے سے خالی نہ تھا۔کیونکہ رات دن حویلی کے سارے اندرونی و بیرونی مورچوں پہ سخت نگرانی ہوتی تھی۔رات کو پھر بھی اس طرف ویرانی اور اندھیرا ہوتا تھا تو وہ فائدہ اٹھا لیتی تھی۔لیکن دن کے وقت وہ یہ رسک نہیں لے سکتی تھی۔کیونکہ دن کی روشنی میں وہ آسانی سے کسی کی بھی نظر میں آسکتی تھی اور پھر شاید وہ اس زیرزمین زندان اور اس لال حویلی کے چھپے راز کبھی نہ جان پاتی۔اتنا تو اسے اندازہ ہوگیا تھا۔اس کے باء جی کی شخصیت میں کچھ تو غلط تھا۔وہ ویسے نہیں تھے جیسا نظر آتے تھے۔کچھ پرت چڑھے تھے ان کے کردار پہ اور یہ پرت اس وقت اس کے سامنے کوئی کھول سکتا تھا تو وہ صرف اللہ لوک ہی تھی۔

رات ان سے سنی گئی داستان میں وہ اتنا تو جان ہی گئی تھی کہ جو دلہن بنی وہ نگی تھیں۔کیونکہ سبین پھپھو کے بارے میں اس نے سنا تھا وہ گھر سے بھاگ گئیں تھیں اور اس کے بعد آج تک ان کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔لیکن یہ بات اس کے لئے ابھی بھی اچنبھے کا باعث تھی کہ اگر نگی کی شادی اتنی دھوم دھام سے ہوئی تو وہ خود کو نوچ نوچ کے اجاڑنے والی وہ دلہن لڑکی کون تھی۔؟ اللہ لوک سے آج اسے یہی جاننا تھا۔اور اسے اسی بے صبری کے باعث دن کاٹنا مشکل ہو رہا تھا۔اوپر سے اب باء جی کا نیا حکم۔وہ حقیقتا پریشان ہو کے رخ گئی تھی۔

"جو بھی بہرحال اللہ لوک سے ملے بغیر میں ابھی نہیں جا سکتی "اس نے جیسے تہیہ کیا تھا۔لیکن وہ خود بھی جانتی تھی یہ سب اتنا آسان نہ تھا۔کافی دیر تک وہ کمرے میں بند ادھر سے ادھر ٹہلتی اللہ لوک سے ملنے کا راستہ تلاش کرتی رہی اور پھر اچانک ہی اسے ابراہیم کا خیال آیا تھا۔ابراہیم وہ شخص تھا جس پہ وہ اعتبار کر سکتی تھی۔وہ قابل بھروسہ تھا۔اور جس طرح کی سچوئشن تھی وہی ایک آدمی تھا جو نہ صرف اس پہ اعتبار کرتا بلکہ مدد بھی کرتا۔اس نے فوراً اسے تلاش کرنا شروع کیا۔وہ حویلی کے پچھلے صحن میں اپنے کوارٹر میں موجود اپنے سامان کی پیکنگ میں

مصروف تھا۔

"ابراہیم" اس نے دروازہ ہلکے سے بجاتے ہوئے آہستگی سے پکارا۔ ابراہیم کے ہاتھ اس کی آواز پہ یکدم رکے۔

"خان زادی" وہ مڑے بغیر دھیرے سے بولا تھا۔ گل مینہ سے تو اسے اس قسم کی حرکت کی ہمیشہ امید اور ڈر رہتا تھا۔ لیکن اوزگل اس کے کمرے تک آجانے کی ہمت کرلے گی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اسے پریشانی گھیرنے لگی تھی۔

" مجھے جانے سے پہلے حویلی کے ویران بیرونی حصے میں ایک ضروری کام ہے۔ تم بس میری یہ مدد کردو کہ اس طرف والے مورچے کے لوگوں کو آدھے گھنٹے کے لئے دوسری طرف مصروف رکھو۔ میں شہر جا کے تمھیں سب بتا دوں گی۔ میں چار بجے تمھارا انتظار کروں گی" یہ کہہ کر وہ رکی نہیں۔ واپس بھاگ گئی.

ابراہیم حیران سا دروازے تک آیا تو وہ پچھلا صحن عبور کرتی برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔

"خان زادی کو مجھ اس ویرانے میں ایسا کیا کام کہ انہیں میری مدد کی ضرورت پڑ گئی۔" وہ اب پلٹتے ہوئے پریشانی سے سوچ رہا تھا۔ ہو نہ ہو کوئی بڑی بات تھی ورنہ ایسی بے باکی کی توقع گل مینہ سے کی جاسکتی تھی۔ لیکن اوزگل۔۔۔۔

وہ جس مزاج کی لڑکی تھی۔ ابراہیم حیات اچھی طرح جانتا تھا۔ کسی بھی صورت وہ کسی بھی مرد کو کبھی مخاطب نہیں کرتی تھی۔ گھر کے مردوں کو بھی بہت کم، ہچکچاتے ہوئے۔۔۔ اور ایسے میں اس قدر اچانک اسے تقریباً حکم سنا کے اس کا چلے جانا کام کے واقعی اہم ہونے کا پتہ دے رہا تھا۔۔

گل مینہ ہوتی تو وہ یقیناً ٹال جاتا لیکن اب اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ ٹھیک چار بجے وہاں ضرور اس کی مدد کرنے جائے گی۔ بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔ مطمئن ہو کر وہ دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہو گیا تھا۔۔۔

☆......☆......☆

اس کی آنکھ کھلی تو رات ہونے لگی تھی۔ اس کا سر سہلاتی دیدے بلکل اسے قریب بیٹھیں تھیں۔ ان کے چہرے پہ اس کے لئے پریشانی تھی۔ وہ شرمندہ سی ہو کر اٹھ بیٹھی۔

" آئم ساری۔۔ پتہ نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا۔" اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو مروڑتے ہوئے اس نے معذرت کی تھی۔ اور لب دانتوں تلے کچلتے ہوئے اپنے آنسوؤں پہ ضبط کرنے کی کوشش کی تھی۔

" آنسوؤں کو روکنا نہیں چاہئے۔ انہیں بہہ جانے دیا جائے تو زیادہ اچھا ہوتا ہے۔۔ اس سے من کے اندر کا سارا میل ڈھل جاتا ہے۔ جیسے بارش کے بعد پتے پتے پہ جمی گرد صاف ہو جاتی ہے۔ ویسے ہی من کے کئی درد' کئی گھاو ان کے ساتھ بہہ جاتے ہیں" انہوں نے نرمی سے اس کا کامل سا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا تھا۔ لالہ کی پلکیں اس بار آنسوؤں کا بوجھ نہیں سہار پائیں تھیں۔ وہ بے آواز

رونے لگی تھی۔

"تم اور باری، زندگی کے کس موڑ پہ آ چکے ہو میں نہیں جانتی اس کے باوجود بھی کہ۔ باری مجھے سب حالات بتا چکا ھے۔لیکن مجھے نہیں معلوم کیا وجہ تھی جو تمھیں یوں رسوا کر گئی لیکن باری نے ایک مرد ہونے کے ناطے جو کچھ کیا وہ میرے لئے فخر کی بات ھے۔ پھر بھی لالہ۔۔۔"انہوں نے اس کا ہاتھ نرمی سے دباتے ہوئے تھوڑا توقف کیا۔۔۔

" پھر بھی میں چاہتی ہوں کہ تمھاری زندگی مکمل ہو اور میرے باریال کی بھی۔ وہ لاکھ بڑا ظرف کر لے 'ھے تو ایک مرد ہی۔۔۔اور اس طرح تو تم دونوں ہر دن اذیت میں گزارو گے۔۔میں چاہتی ہوں کوئی ایسا راستہ تلاش کروں کہ تمھاری اور باری دونوں کا راستہ سہل ہو جائے۔لیکن یہ تبھی ممکن ھے جب تم مجھے ساری حقیقت بتا دو۔۔"لالہ سسکنے لگی تھی۔

"میرا یقین کرو میں تمھارا پردہ رکھوں گی۔بلکل تمھاری ماں کی طرح"انہوں نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھام کر اسے یقین دلایا تھا۔اور وہ بکھر کے رو دی تھی۔زور زور سے چلا کے۔۔۔

درد اور کرب سے اس کی آواز پھٹی جا رہی تھی۔۔۔۔

اسے خود میں بھنچتے ہوئے دیدے نے اسے کھل کے رونے دیا تھا۔۔۔

کل اس کی حالت سے ہی وہ سمجھ گئیں تھیں۔اس کے ساتھ جو بھی حادثہ ہوا تھا وہ ابھی تک اندر ہی اندر گھٹ رہی تھی۔اندر ہی کہیں پلنے والے درد کو باہر آنے کا راستہ نہیں ملا تھا۔سب اپنوں کو جیسے اپنی عزت اور وقار کی پڑ گئی تھی۔کسی نے اس کا دکھ سمجھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔تبھی وہ اندر ہی اندر بھر رہی تھی۔دیدے کی ذرا سی محبت پہ وہ سارا درد آتش فشاں سے نکلتے لاوے کی طرح باہر آیا تھا۔

"وہ گناہ گار ھے میرا۔۔۔

اللہ گواہ ھے میرا میں اس کے ساتھ نہیں گئی تھی۔بس حالات ایسے تھے کہ اس وقت مجھے وہ ٹھیک لگا۔۔ورنہ لالہ تو مرد کے سائے سے بھی دو گز دور بھاگتی تھی۔"وہ روتے روتے بتانے لگی تھی۔

دیدے اس کی کمر سہلاتی رہیں۔۔

اور پھر اس نے ساری بات بتا دی تھی۔

"مجھے ضیاء ؒ کے ہاتھ اور اس بوڑھے شخص کی زہریلی نظریں نہیں بھولتیں۔انہوں نے میری زندگی برباد کر دی۔اس دن اگر حالات ایسے نہ ہوتے تو خدا کی قسم لالہ ضیاء ؒ کا بڑھا ہاتھ ہمیشہ کی طرح جھٹک کے چلی جاتی۔عزت کے ڈر سے میں خود مکڑی کے اس جال میں گھس گئی جو نہ جانے کب سے میرے لئے بنا جا رہا تھا۔اور یہ سب امی کا دل دکھانے کی وجہ سے ہوا میرے ساتھ۔میں ماں کو بد کردار اور خود کو بلند کردار کہنے والی لڑکی۔۔۔دیکھیں کتنی غلیظ ہو گئی ہوں میں۔۔۔

کتنا بدبودار ہو گیا ہے میرا وجود۔۔۔

اور یہ میرے اندر پنپتا گند۔۔۔۔۔" وہ اپنے پیٹ میں مکے مارنے لگی تھی۔

"مجھے مار دیں۔۔ میں اسی قابل ہوں۔۔۔" اس پہ پھر وہی جنونی کیفیت طاری ہونے لگی تھی۔ دیدے نے بہت مشکل سے اسے سنبھالا تھا۔

"میں بھی چاہتی ہوں لالہ تم بھی ایک مکمل زندگی جیو۔ یہ تمھارا حق ہے۔لیکن اس طرح خود کو تباہ نہ کرو۔ یہ بچہ تمھیں نہیں چاہئے ہم اس کا بھی کچھ کریں گے۔ میں تمھیں خود لے کے جاوں گی جہاں تم کہو گی۔ میں تمھارا مکمل ساتھ دوں گی لالہ۔لیکن اس طرح خود کو اذیت پہنچا کر تم اپنے رب کی نافرمانی کرو گی یوں۔اس کی نافرمان نہ بنو لالہ۔اس آزمائش پہ اس کو پکارا تم اسے ہمیشہ اپنے ساتھ پاو گی بیٹا۔۔" وہ اس کے نرم بال سہلاتے ہوئے اسے سمجھا رہیں تھیں اور اس کی آنکھوں سے بہتا گرم پانی ان کی گردن جلائے جا رہا تھا۔وہ جیسے اپنا سارا درد ان کو سونپ رہی تھی۔

"زندگی کب ایک سیدھی لکیر کی طرح رہی ہے۔ یہ تو بل کھاتے راستوں کی طرح ہوتی ہے۔ایک طرف گہری کھائیاں اور دوسری طرف پر کیف نظارے۔۔۔کبھی آسان لمبا سیدھا راستہ تو کبھی بل کھاتے پر خطر موڑ۔۔۔گرنے کا خدشہ ہمیشہ رہتا ہے۔" وہ اس کا نم چہرہ اپنے سامنے لاتے ہوئے بولیں۔۔

"میں مانتی ہوں لالہ تم سے کوتاہی ہوئی۔اور بہت بڑی کوتاہی ہوئی۔ ہمارے بزرگوں کا ماننا ہے ماں باپ کے سامنے بولا ہمارا ایک اچھا یا برا کلام کبھی کبھی ہماری ساری قسمت پہ حاوی ہو جاتا ہے۔لیکن یہ کس نے کہا لالہ۔۔۔۔کہ غلطی کی معافی نہیں۔۔۔پھر ہمارا مذہب تو ایسا مذہب ہے جو ہمیشہ امید اور گنجائش نکالتا ہے۔مایوس سے مایوس حالت میں بھی یقین کا دامن نہ چھوڑنے کا درس دیتا ہے۔"

وہ کچھ دیر رکیں تھیں۔

"لیکن میں تو باعتاب ٹھہری۔ بے اماں ٹھہری۔۔معافی تلافی کی تو گنجائش ہی نہ بچی آنٹی۔صرف سزا رہ گئی۔منہ پہ اس طرح کالک لگی کہ شاید ہی کبھی دھل پائے" وہ پوری طرح مایوس تھی۔

"ٹھوکر انہیں بھی لگتی ہے لالہ جو اللہ سے ہر معاملے میں ڈرتے ہیں۔ یہ اور بات کہ اللہ پاک انہیں سنبھال لیتا ہے۔تمھارا معاملہ ایسا ہے کہ تم ماں کے معاملے میں اس رب کی نافرمان ہو گئیں۔تم نے ٹھوکر کھائی اور تمھاری روح بھی تار تار ہوئی لیکن توبہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔وہ ٹھوکر والوں کو سہارا دے دے تو وہ ولی بن جاتے ہیں۔خود سے سوچنا چھوڑ دو اور اس رب کے آگے جھک جاو۔اپنے گناہ تسلیم کرو اور سچے دل دے توبہ کرو۔وہ بے شک بڑا مہربان ہے" انہوں نے نرم لہجے میں کہا تھا اور آٹھ کھڑی ہوئیں تھیں۔

"نماز پڑھ لو۔پھر کھانا کھاتے ہیں۔کل باری کے جانے کے بعد تم اور میں صوفی صاحب کے پاس چلیں گے۔وہ ضرور ہماری مدد

کریں گے۔تمھارے ساتھ ساتھ اب یہ سب باری کے لئے بھی ضروری ھے۔تم تو پھر بھی ایک آزمائش سے گزر چکی ہو۔باریال ابھی امتحان کی زد میں ھے اور میں تم دونوں کی مدد کرنا چاہتی ہوں" لالہ نے سرخ ہوتی نظروں سے ان کا پرنور چہرہ دیکھا تھا۔اور پھر خود کو سنبھالتی وضو کرنے آٹھ گئی۔کہ بعض اوقات رب کے در کے علاوہ انسان کے پاس اور کوئی در نہیں رہتا کھٹکھٹانے کو۔۔۔ دیدے اسے اٹھتا دیکھ کر مطمئن ہوتے ہوئے باہر نکل گئیں تھیں۔۔۔

☆......☆......☆

دن مختصر ہونے لگے تھے۔تبھی فضا میں بھی گرمی اور تپش کی جگہ نمی اور ٹھنڈک لینے لگی تھی۔ صبح سویرے گھاس پہ ٹھنڈی اوس کے قطرے سردی کی دستک دیتے محسوس ہوتے۔

جب سے لالہ اس جگہ سے گئی تھی۔وہ بلکل بدل گیا تھا۔پہلے والا لاابالی،لاپرواسا ضیاء کہیں کھو گیا تھا۔ساری ساری رات جاگنے اور دوپہر کو صبح کرنے والا ضیاء اب سر شام لیٹ جاتا۔دواوں کے استعمال کے باوجود رات کے آخری حصے میں ہی اس کی آنکھ کھل جاتی تھی۔اور باقی سارا وقت وہ پھر سگریٹ کے دھوئیں میں اڑا دیتا۔سورج کی کرنیں دھرتی کا سینہ جگمگانے لگتیں تو وہ باہر لان میں آجاتا۔پیروں میں اڑسے آرام دہ چپل برآمدے میں ہی اتار دیتا اور ننگے پیر گھاس پہ آجاتا۔ٹھنڈی نرم گھاس اس کے تن من کو شانت سا کر دیتی تھی۔

کافی وقت ادھرادھر ٹہلنے سے جب وہ تھک گیا تو وہیں ٹالی کے درخت کی ٹھنڈی چھاوں تلے لیٹ گیا۔دونوں ہاتھ سر کے پیچھے رکھ کے جیسے تکئے کی طرح سر اور گردن کو سہارا دیا۔اور ٹالی کی گھنی لمبی شاخوں پہ نظر جما گیا۔

"خان۔۔۔"شہباز کی آواز پہ وہ چونکا ضرور تھا لیکن اس نے اس آدمی کی طرف دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

"بولو۔۔۔"

"خان۔۔ان لوگوں کا کچھ پتہ نہیں چلا۔محلے والوں نے بھی یہی بتایا کہ نہ تو وہ ان کے نئے گھر کے بارے میں جانتے ہیں نہ ہی اس لڑکے کے بارے میں جس سے اس لڑکی کی شادی ہوئی ھے۔۔لیکن خان۔۔۔"بات کے آخر میں وہ ذرا رکا یوں جیسے کچھ تذبذب کا شکار ہو۔

"پوری بات بتاو۔۔شہباز"وہ آٹھ کھڑا ہوا تھا۔اس کی پیشانی پہ غصے کی لکیریں گہری ہونے لگیں تھیں۔۔

"بڑے خان نے ہم سب کو سختی سے منع کر دیا ھے خان اس لڑکی کے بارے میں کوئی بھی بات بتانے سے،انہوں نے کہا ھے کہ اگر ہم میں سے کوئی بھی ایسا کرے گا تو وہ اسے ماردیں گے"اس آدمی کے لہجے میں خوف تھا۔ضیاء کی بھنویں ذرا دیر سکڑی تھیں۔پھر جیسے اس نے خود کو کمپوز کیا تھا۔

"اور تم جانتے ہو اگر تم بے یہ کام نہیں کیا تو میں خود کو ختم کر لوں گا"

"لیکن خان۔۔۔۔"اس کا چہرہ زرد ہونے لگا تھا۔ضیاء علی خان ان سب کی گود میں پلا بڑھا تھا۔وہ اس کی فطرت اس کی ایک ایک عادت سے اچھی طرح واقف تھے۔وہ یہ بھی جانتے تھے ضیاء علی خان جو کہتا ھے وہ کر دکھاتا ھے۔اپنی بات سے ایک قدم پیچھے ہٹنا اسے گوارا نہیں

رہتا۔

"تم گاؤں واپس جاسکتے ہو شہباز خان۔۔بڑے خان کو تمھاری ضرورت ھے"اس نے آگے بڑھ کے شہباز کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"اور ہاں اپنے دوسرے آدمیوں کو بھی یہاں سے لیتے جانا۔میں یہ کام خود کر لوں گا"اس نے آخر میں سخت لہجے میں کہا تھا۔جس کا مطلب صاف تھا اب وہ ان کو اپنے فارم ہاوس میں مزید برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ضیاء کے وہاں سے اندر جاتے ہی اس نے سہراب خان کا نمبر ملایا تھا۔آخری حکم بہر حال انہی کا ہوتا تھا۔۔دوسری طرف بیل جا رہی تھی۔ وہ منتظر تھا۔۔۔

☆......☆......☆

چار بجنے میں ابھی کچھ وقت تھا۔اس نے باہر باء جی کا پتہ کروایا۔وہ ابھی کسی کارنر میٹنگ کے سلسلے میں کہیں باہر تھے۔مطلب ان کے خاص کارندے سبھی ان کے ساتھ تھے۔حویلی میں وہی اکا دکا پہرے دار ہی تھے باقی ہوتے بھی تو بیٹھک کی طرف ہوتے یا مردان خانے کی طرف۔سو وہ بے فکری سے حویلی کے ویران حصے تک تو جا ہی سکتی تھی۔جب تک ابراہیم اس کی مدد کو آتا تب تک وہ کافی اچھی طرح حالات کا جائزہ بھی لے سکتی تھی اور یہ بھی ہوسکتا تھا کہ وقت سے پہلے ابراہیم کے آنے سے پہلے ہی قسمت اس کا کام آسان کر دیتی۔تب تو اور بھی اچھا تھا۔وہ یہ بات ابراہیم کو بھی نہ بتاتی اور یہ راز، راز ہی رہتا۔لیکن بہر حال یہ سب سوچنے میں ضرور آسان تھا۔عمل میں اسی قدر مشکل۔

وہ بڑی سی چادر میں خود کو اچھی طرح ڈھانپتی حویلی کی اندرونی راہداری سے ہوتی پچھلی طرف بارہ دری کے قریب کھلنے والی کھڑکیوں میں آٹھہری۔اس نے کھڑکی میں کھڑے ہو کے دور مردان خانے کی چھت کے کونے پہ بنے مورچے پہ نظر ڈالی۔وہاں دو ہٹے کٹے آدمی گپ شپ میں مصروف تھے لیکن ان میں سے ایک کی توجہ مکمل طور پہ حویلی کے اسی ویران حصے کی طرف ہی تھی۔یہ ویران حصہ آگے جا کر پرانی نہر پہ جاکے ختم ہو جاتا تھا اور اس کے دوسری طرف کی کیکر اور ببول کے پودوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ تھا۔تبھی اس طرف سے دشمنوں کا خطرہ کم تو تھا لیکن بہر حال کوئی اس صورتحال کا فائدہ نہ اٹھا لے اس کے لئے خاص طور پہ یہ مورچہ بنایا گیا تھا۔یہ واحد مورچہ تھا جو زنانہ حصے سے بھی نظر آتا تھا اور اسی کی وجہ سے وہ اکثر صرف حویلی کے تیسرے حصے میں ہی محصور رہتے تھے۔سامنے اور اس طرف والے صحن میں جانے کی ان کو اجازت نہ تھی۔

وہ سوچوں میں غلطان ٹھہری تھی۔ جب سیٹی کی تیز آواز نے اسے چونکایا تھا۔ اس نے سر کھڑکی سے ذرا سا باہر نکال کے دیکھا۔ سیٹی کی آواز یقیناً مردان خانے کی طرف سے آئی تھی۔ مطلب چند لمحوں میں ابراہیم کو اسی مورچے پہ ہونا تھا۔ وہ احتیاطاً پیچھے ہو کر اس طرف دیکھنے لگی۔ اور اس کی توقع کے عین مطابق صرف چند منٹس میں ابراہیم مورچے پہ چڑھتا دکھائی دیا تھا۔ سفید رنگ کے کاٹن میں اس کا خوبرو سراپا چمکتی دھوپ میں چمکنے لگا تھا۔ آستینیں فولڈ کیے اوپر آتے ہوئے وہ ان دونوں آدمیوں سے کچھ بولا تھا۔ ان کی توجہ ابراہیم کی طرف ہو چکی تھی۔ ان میں سے ایک آدمی مورچے کے ساتھ لگی لکڑی کی سیڑھی سے نیچے اتر گیا تھا۔ دوسرا اب مکمل طور پہ ابراہیم کے ساتھ بات چیت میں مصروف تھا۔ ابراہیم نے اس کی تلاش میں نظریں دوڑائیں تھیں اور اس نے تیزی سے باہر آ کر خود کو ظاہر کیا تھا۔ اسے دیکھتے ہی ابراہیم نے آہستگی سے یوں ہاتھ ہلا کے سر کے پیچھے لے گیا تھا جیسے بال سیٹ کر رہا ہو۔ اس کا اشارہ ملتے ہی وہ تیزی سے ویرانے کی طرف بھاگی تھی۔ مطلوبہ جگہ تک پہنچنے میں اسے چند لمحے لگے تھے۔ اس جگہ پہ پہنچتے ہی اس نے تیزی سے ہاتھ مار کے گھاس پھونس ہٹایا۔ راستہ سامنے تھا۔ وہ ادھر ادھر دیکھے بغیر تیزی سے اندر پھسل گئی۔ حیران کن طور پہ آج اللہ لوک بلکل پرسکون تھیں اور پوری شدت سے اس کی ہی منتظر تھیں۔ آج نہ انہوں نے کوئی عجیب لفظ بولے تھے نہ ہی چلائیں تھیں۔ اسے دیکھتے ہی اطمینان سا ان کے چہرے پہ پھیل گیا تھا۔

"تو آ گئی۔۔ مجھے پورا یقین تھا تو ضرور آئے گی"

"لیکن میں آج بس جانے کے لئے آئی ہوں اللہ لوک۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ ہمیں آج شہر کے لئے نکلنا ہے اور باء جی بس آنے ہی والے ہوں گے" وہ تیزی سے انہیں بتانے لگی۔

" آپ نے کہا تھا مجھ سے۔ آپ نے مجھے بہت کچھ دینا ہے" اس نے اس طرح ان کے سامنے اپنا دایاں ہاتھ پھیلایا جیسے وہ واقعی اسے کچھ دینے والی تھیں۔

" لیکن تیری ہتھیلی تو بہت چھوٹی ہے اور بھار (بار۔۔ وزن) بہت زیادہ۔۔ تو کیسے اٹھائے گی اتنا بھار۔۔۔۔" اللہ لوک نے مایوس لہجے میں کہا۔ اوزگل نے مایوسی سے اپنے پھیلے ہاتھ کو دیکھا تھا۔ جیسے واقعی اب اس کا آنا ضائع ہو جائے گا۔

" جا چلی جا۔ اس سے پہلے کہ دیر ہو جائے۔۔ اس سے پہلے کہ حرص کا شیطان تجھے بھی قید کر لے۔ تنہائی اور بھوک تیرا بھی مقدر بن جائے۔۔ بھاگ جا یہاں سے۔۔" انہوں نے اس کی طرف پشت کرتے ہوئے آنکھیں بند کیں تھیں پھر بھی اوزگل نے ان کے گال پہ بہتے پانی کی لکیر دیکھ لی تھی۔

" لیکن اتنا تو بتا دیں اللہ لوک۔ اس دلہن کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ میں واپس چلی جاوں گی۔ بس اتنا بتا دیں پلیز ورنہ یہ سوال مجھے چین سے نہیں رہنے دے گا" اسے محسوس ہو رہا تھا۔ اللہ لوک بے آواز رونے لگیں تھیں۔

" تیرے باپ کے پاس ایک رتی ڈیری (سرخ ڈائری) ہو گی۔ جا اسے ڈھونڈ لے سب جان لے گی۔ دوبارہ ادھر نہیں آنا۔۔"

انہوں نے سختی سے آنسو رگڑتے ہوئے اسے کہا تھا۔

"لیکن کیوں اللہ لوک؟" وہ ان کے یوں صاف جواب دینے پہ تڑپ گئی۔

"مردوں کو اگر انسانوں کی عادت ہو جائے نہ تو قبر تنگ پڑنے لگتی ہے۔ جا میری قبر تنگ نہ کر۔۔ چلی جا۔۔" وہ منہ پھر گئیں تھیں۔ اب ان کی مکمل پشت تھی۔ وہ انکا چہرہ نہیں دیکھ سکتی تھی۔۔

"اللہ لوک" وہ بے بسی سے انہیں پکارتی رہی۔ پھر جواب نہ پا کر مجبوراً اٹھ کر باہر آ گئی۔ ہاتھوں سے دوبارہ اس جگہ کو دوبارہ ڈھکا اور حویلی کے حصے میں آتے ہی ابراہیم کو دیکھا۔ وہ ابھی بھی وہیں تھا۔ اس کا منتظر۔ اس آدمی کو اس نے خوب باتوں میں لگا رکھا تھا۔ اوزگل پہ نظر پڑتے ہی اس کے چہرے پہ اطمینان دوڑتا چلا گیا تھا۔ اوزگل نے ہاتھ ہلا کے اسے اشارہ کیا اور اندر آ گئی۔ ہر چیز سے اس کا دل سخت اچاٹ ہو گیا تھا۔ لیکن پھر

بھی وہ اپنے کمرے میں جانے کی بجائے باء جی کے کمرے کی طرف آ گئی۔ اسے اب ہر حال میں وہ سرخ کتاب ڈھونڈنی تھی۔۔۔

☆......☆......☆

چار بجنے میں ابھی کچھ وقت تھا۔ اس نے باہر باء جی کا پتہ کروایا۔ وہ ابھی کسی کارنر میٹنگ کے سلسلے میں کہیں باہر تھے۔ مطلب ان کے خاص کارندے سبھی ان کے ساتھ تھے۔ حویلی میں وہی اکا دکا پہرے دار ہی تھے باقی ہوتے بھی تو بیٹھک کی طرف ہوتے یا مردان خانے کی طرف۔ سو وہ بے فکری سے حویلی کے ویران حصے تک تو جا ہی سکتی تھی۔ جب تک ابراہیم اس کی مدد کو آتا تب تک وہ کافی اچھی طرح حالات کا جائزہ بھی لے سکتی تھی اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وقت سے پہلے ابراہیم کے آنے سے پہلے ہی قسمت اس کا کام آسان کر دیتی۔ تب تو اور بھی اچھا تھا۔ وہ یہ بات ابراہیم کو بھی نہ بتاتی اور یہ راز، راز ہی رہتا۔ لیکن بہر حال یہ سب سوچنے میں ضرور آسان تھا۔ عمل میں اسی قدر مشکل۔

وہ بڑی سی چادر میں خود کو اچھی طرح ڈھانپتی حویلی کی اندرونی راہداری سے ہوتی پچھلی طرف بارہ دری کے قریب کھلنے والی کھڑکیوں میں آ ٹھہری۔ اس نے کھڑکی میں کھڑے ہو کے دور مردان خانے کی چھت کے کونے پہ بنے مورچے پہ نظر ڈالی۔ وہاں دو ہٹے کٹے آدمی گپ شپ میں مصروف تھے لیکن ان میں سے ایک کی توجہ مکمل طور پہ حویلی کے اسی ویران حصے کی طرف ہی تھی۔ یہ ویران حصہ آگے جا کر پرانی نہر پہ جا کے ختم ہو جاتا تھا اور اس کے دوسری طرف کیکر اور ببول کے پودوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ تھا۔ تبھی اس طرف سے دشمنوں کا خطرہ کم تو تھا لیکن بہر حال کوئی اس صورتحال کا فائدہ نہ اٹھا لے اس کے لئے خاص طور پہ یہ مورچہ بنایا گیا تھا۔ یہ واحد مورچہ تھا جو زنانہ حصے سے بھی نظر آتا تھا اور اسی کی وجہ سے وہ اکثر صرف حویلی کے تیسرے حصے میں ہی محصور رہتے تھے۔ سامنے اور اس طرف والے صحن میں جانے کی ان کو اجازت نہ تھی۔

وہ سوچوں میں غلطان ٹھہری تھی۔ جب سیٹی کی تیز آواز نے اسے چونکایا تھا۔اس نے سر کھڑکی سے ذرا سا باہر نکال کے دیکھا۔ سیٹی کی آواز یقیناً مردان خانے کی طرف سے آئی تھی۔ مطلب چند لمحوں میں ابراہیم کو اسی مورچے پہ ہونا تھا۔وہ احتیاطاً پیچھے ہو کر اس طرف دیکھنے لگی۔اور اس کی توقع کے عین مطابق صرف چند منٹس میں ابراہیم مورچے پہ چڑھتا دکھائی دیا تھا۔سفید رنگ کے کاٹن میں اس کا خوبرو سراپا چمکتی دھوپ میں چمکنے لگا تھا۔آستینیں فولڈ کیے اوپر آتے ہوئے وہ ان دونوں آدمیوں سے کچھ بولا تھا۔ان کی توجہ ابراہیم کی طرف ہو چکی تھی۔ان میں سے ایک آدمی مورچے کے ساتھ لگی لکڑی کی سیڑھی سے نیچے اتر گیا تھا۔دوسرا اب مکمل طور پہ ابراہیم کے ساتھ بات چیت میں مصروف تھا۔ابراہیم نے اس کی تلاش میں نظریں دوڑائیں تھیں اور اس نے تیزی سے باہر آکر خود کو ظاہر کیا تھا۔اسے دیکھتے ہی ابراہیم نے آہستگی سے یوں ہاتھ ہلا کے سر کے پیچھے لے گیا تھا جیسے بال سیٹ کر رہا ہو۔اس کا اشارہ ملتے ہی وہ تیزی سے ویرانے کی طرف بھاگی تھی۔مطلوبہ جگہ تک پہنچنے میں اسے چند لمحے لگے تھے۔اس جگہ پہ پہنچتے ہی اس نے تیزی سے ہاتھ مار کے گھاس پھونس ہٹایا۔راستہ سامنے تھا۔وہ ادھر ادھر دیکھے بغیر تیزی سے اندر پھسل گئی۔حیران کن طور پہ آج اللہ لوک بلکل پرسکون تھیں اور پوری شدت سے اس کی ہی منتظر تھیں۔آج نہ انہوں نے کوئی عجیب لفظ بولے تھے نہ ہی چلائیں تھیں۔اسے دیکھتے ہی اطمینان سا ان کے چہرے پہ پھیل گیا تھا۔

"تو آگئی۔۔۔مجھے پورا یقین تھا تو ضرور آئے گی"

"لیکن میں آج بس جانے کے لئے آئی ہو اللہ لوک۔میرے پاس زیادہ وقت نہیں ھے۔ہمیں آج شہر کے لئے نکلنا ھے اور باء جی بس آنے ہی والے ہوں گے" وہ تیزی سے انہیں بتانے لگی۔

" آپ نے کہا تھا مجھ سے۔آپ نے مجھے بہت کچھ دینا ھے" اس نے اس طرح ان کے سامنے اپنا دایاں ہاتھ پھیلایا جیسے وہ واقعی اسے کچھ دینے والی تھیں۔

"لیکن تیری ہتھیلی تو بہت چھوٹی ھے اور بھار (بار۔۔وزن) بہت زیادہ۔۔تو کیسے اٹھائے گی اتنا بھار۔۔۔۔" اللہ لوک نے مایوس لہجے میں کہا۔اوزگل نے مایوسی سے اپنے پھیلے ہاتھ کو دیکھا تھا۔جیسے واقعی اب اس کا آنا ضائع ہو جائے گا۔

"جا چلی جا۔اس سے پہلے کہ دیر ہو جائے۔۔اس سے پہلے کہ حرس کا شیطان تجھے بھی قید کر لے۔تنہائی اور بھوک تیرا بھی مقدر بن جائے۔۔بھاگ جا یہاں سے۔۔" انہوں نے اس کی طرف پشت کرتے ہوئے آنکھیں بند کیں تھیں پھر بھی اوزگل نے ان کے گال پہ بہتے پانی کی لکیر دیکھ لی تھی۔

"لیکن اتنا تو بتا دیں اللہ لوک۔اس دلہن کے ساتھ کیا ہوا تھا۔میں واپس چلی جاوں گی۔بس اتنا بتا دیں پلیز ورنہ یہ سوال مجھے چین سے نہیں رہنے دے گا" اسے محسوس ہو رہا تھا۔اللہ لوک بے آواز رونے لگیں تھیں۔

"تیرے باپ کے پاس ایک رتی ڈیری (سرخ ڈائری) ہوگی۔جا اسے ڈھونڈ لے سب جان لے گی۔دوبارہ ادھر نہیں آنا۔۔"

انہوں نے سختی سے آنسو رگڑتے ہوئے اسے کہا تھا۔

"لیکن کیوں اللہ لوک؟" وہ ان کے یوں صاف جواب دینے پہ تڑپ گئی۔

"مردوں کو اگر انسانوں کی عادت ہو جائے نہ تو قبر تنگ پڑنے لگتی ھے۔ جا میری قبر تنگ نہ کر۔۔ چلی جا۔۔" وہ منہ پھیر گئیں تھیں۔ اب ان کی مکمل پشت تھی۔ وہ انکا چہرہ نہیں دیکھ سکتی تھی۔۔

"اللہ لوک" وہ بے بسی سے انہیں پکارتی رہی۔ پھر جواب نہ پا کر مجبوراً اٹھ کر باہر آ گئی۔ ہاتھوں سے دوبارہ اس جگہ کو دوبارہ ڈھکا اور حویلی کے حصے میں آتے ہی ابراہیم کو دیکھا۔ وہ ابھی بھی وہیں تھا۔ اس کا منتظر۔ اس آدمی کو اس نے خوب باتوں میں لگا رکھا تھا۔ اوزگل پہ نظر پڑتے ہی اس کے چہرے پہ اطمینان دوڑتا چلا گیا تھا۔ اوزگل نے ہاتھ ہلا کے اسے اشارہ کیا اور اندر آ گئی۔ ہر چیز سے اس کا دل سخت اچاٹ ہو گیا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ اپنے کمرے میں جانے کی بجائے باء جی کے کمرے کی طرف آ گئی۔ اسے اب ہر حال میں وہ سرخ کتاب ڈھونڈنی تھی۔۔۔

☆......☆......☆

"میرے ہر اک کل ہر اک لمحے میں۔۔۔

تو لکھ دے میرا اسے۔۔۔

ہر کہانی میں،

سارے قصوں میں۔۔۔

دل کی دنیا کے۔۔۔

سچے رشتوں میں۔۔۔

زندگانی کے۔۔۔۔

سارے حصوں میں۔۔۔

تو لکھ دے میرا اسے۔۔۔

اے خدا۔۔۔اے خدا۔۔۔

جب بنا اس کا ہی بنا۔۔۔۔"

بارش جس قدر تیز ہوتی جا رہی تھی اس کے اندر کی گھٹن مزید بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے تیز ہوا اور بارش کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سارے شیشے گرا دیے تھے۔ ہوا پہلے ہی جھونکے میں اس کے بال بکھیر گئی تھی۔ اس نے ایک ہاتھ سے سٹیرنگ سنبھالتے ہوئے دوسرے

ہاتھ سے سختی سے سینے کو مسلا تھا۔پھر شرٹ کے اوپر کے دو تین بٹن اسی ہاتھ سے کھول لئے تھے۔سانس لینے میں آسانی ہوئی تھی لیکن درد تھا کہ بڑھتا جا رہا تھا۔اس نے میوزک اور تیز کر دیا۔۔

"اے خدا۔۔۔اے خدا۔۔۔

جب بنا اس کا ہی بنا۔۔۔۔

ہر اک لمحے میں۔۔۔

ہر اک پنے پہ۔۔

تو لکھ دے میرا اسے۔۔۔۔۔

یا خدا۔۔۔اے خدا۔۔۔"

سب کچھ اس کے خلاف تھا۔رب گواہ تھا۔اس کا رواں رواں اس کا طلب گار تھا۔وہ اس سے نفرت کا دعوے دار کبھی بھی اس کی عزت کا دشمن نہیں ہوا تھا۔وہ نہ سہی اس کی عزت اسے عزیز تھی۔اس نے سوچا تھا۔بس چھوٹا سا تماشہ ہوگا۔اس کے باپ کا سالوں سے انتقام میں جلتا دل کچھ ٹھنڈک پائے گا،وہ چپ چاپ اسے گھر چھوڑ آئے گا اور اس کے اور لالہ کے راستے ہمیشہ کے لئے الگ ہو جائیں گے۔ بات ختم ہو جائے گی لیکن۔۔۔۔

لیکن بات ختم کہاں ہوئی تھی بات تو جیسے ابھی شروع ہوئی تھی۔سب کچھ پلٹ گیا تھا۔

اس کے باپ کا دل بھلے سکون پا گیا تھا لیکن اس نے سکھ چین سب کھو دیا تھا۔دو کٹورا آنکھیں اور اس کے مضبوط ہاتھوں سے سمجھتے نرم کومل ہاتھ۔۔۔۔اس کے وجود سے لپٹ کے رہ گئے تھے۔

اس کا وجود چنا ہو گیا۔۔۔

اور لالہ جیسے اس کی نس نس میں سما گئی تھی۔۔۔

وہ کہیں نہیں رہا تھا۔۔۔

وہ تو انتقام کی جلتی بجھتی چنگاری کو ہمیشہ کے لئے ٹھنڈا کرنے چلا تھا۔اور۔۔۔

اس کا تن من جل کے سواء (راکھ) ہو گیا تھا۔

انتقام کی چنگاری نے نہ جانے کب

بھڑکتے ہوئے عشق کے شعلے کی شکل اختیار کر لی تھی۔کبھی کسی سے نہ ہارنے والا ضیاء علی خان

"اس کا اس میں ہوں اسے ہوں اسی کا رہنے دے۔۔۔

میں تو پیاسا ہوں جسے دریا وہ ذریعہ وہ جینے کا میرے۔

دل مجھے دے اگر

درد دے اس کا پر

اس کی وہ ہو ہنسی

گونجے جو میرا گھر۔۔۔

اے خدا۔۔۔اے خدا

جب بنا اس کا ہی بنا۔۔۔"

اسے لگا درد سے اس کا دل پھٹ جائے گا۔۔اس نے گانا بدل دیا تھا۔

"اور گاڑی روک کے باہر نکل آیا تھا۔۔

"یار کو ہم نے جا بجا دیکھا۔۔۔

کہیں ظاہر کہیں چھپا دیکھا۔۔۔"

بارش اسے بری طرح بھگونے لگی تھی۔۔نئے موسم کی کھلتی سردی بھی اس کے اندر کی تپش نہیں کم کر پا رہی تھی۔

" کہیں وہ بادشاہ تخت نشیں

کہیں کاسا لئے گدا دیکھا۔۔۔

یار کو ہم نے جا بجا دیکھا۔۔۔"

سفید پاکیزہ آنچل تھا جو اس کے دل کو اپنے ساتھ لپیٹتے اڑا تھا۔

تخیل کامل ہونے لگا تھا۔۔

درد بڑھنے لگا تھا۔۔

" کہیں وہ ڈر لباس معشوقاں

برسرناز اور اداد یکھا۔۔۔

کہیں ظاہر کہیں چھپا دیکھا۔۔۔۔"

دونوں ہاتھ بالوں میں پھنساتے ہوئے وہ درد سے چلاتا زمین پہ بیٹھتا چلا گیا تھا۔بارش اور تیز ہوئی تھی۔اوراس کی آنکھوں سے بہتے آنسو بھی۔۔۔

چٹانوں کی طرح خودکو مضبوط سمجھنے والا ضیاء علی خان ریت کی طرح بکھر گیا تھا۔۔۔



ناول ''محبت لفظ ہے لیکن'' ابھی جاری ہے۔اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی 5 تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

قسط نمبر 12

باء جی شہر سے واپس آ چکے تھے اور اب اسے اورگل مینے کو واپس شہر جانا تھا۔شام تک نکلنا تھا انہیں اور وہ جانے سے پہلے کچھ وقت ضرور اللہ لوک کے پاس گزارنا چاہتی تھی۔لیکن رات سے پہلے یہ کسی طرح خطرے سے خالی نہ تھا کیونکہ رات دن حویلی کے سارے اندرونی و بیرونی مورچوں پہ سخت نگرانی ہوتی تھی۔رات کو پھر بھی اس طرف ویرانی اور اندھیرا ہوتا تھا تو وہ فائدہ اٹھا لیتی تھی لیکن دن کے وقت وہ یہ رسک نہیں لے سکتی تھی کیونکہ دن کی روشنی میں وہ آسانی سے کسی کی بھی نظر میں آ سکتی تھی اور پھر شاید وہ اس زیرزمین زندان اور اس لال حویلی کے چھپے راز کبھی نہ جان پاتی۔اتنا تو اسے اندازہ ہو گیا تھا۔اس کے باء جی کی شخصیت میں کچھ تو غلط تھا۔وہ ویسے نہیں تھے جیسا نظر آتے تھے۔کچھ پرت چڑھے تھے ان کے کردار پہ اور یہ پرت اس وقت اس کے سامنے کوئی کھول سکتا تھا تو وہ صرف اللہ لوک ہی تھی۔

رات ان سے سنی گئی داستان میں وہ اتنا تو جان ہی گئی تھی کہ جو دلہن بنی وہ نگی تھیں۔کیونکہ سبین پھپھو کے بارے میں اس نے سنا تھا وہ گھر سے بھاگ گئی تھیں اور اس کے بعد آج تک ان کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا لیکن یہ بات اس کے لئے ابھی بھی اچنبھے کا باعث تھی کہ اگر نگی کی شادی اتنی دھوم دھام سے ہوئی تو وہ خود کو نوچ نوچ کے اجاڑنے والی وہ دلہن لڑکی کون تھی؟اللہ لوک سے آج اسے یہی جاننا تھا اور اسے اسی بے صبری کے باعث دن کاٹنا مشکل ہو رہا تھا۔اوپر سے اب باء جی کا نیا حکم۔وہ حقیقتاً پریشان ہو کے رخ گئی تھی۔

''جو بھی بہرحال اللہ لوک سے ملے بغیر میں ابھی نہیں جا سکتی۔''اس نے جیسے تہیہ کیا تھا لیکن وہ خود بھی جانتی تھی یہ سب اتنا آسان نہ تھا۔کافی دیر تک وہ کمرے میں بند ادھر سے ادھر ٹہلتی اللہ لوک سے ملنے کا راستہ تلاش کرتی رہی اور پھر اچانک ہی اسے ابراہیم کا خیال آیا تھا۔ابراہیم وہ شخص تھا جس پہ وہ اعتبار کر سکتی تھی۔وہ قابل بھروسہ تھا اور جس طرح کی سچوئشن تھی وہی ایک آدمی تھا جو نہ صرف اس پہ اعتبار کرتا بلکہ مدد بھی کرتا۔اس نے فوراً اسے تلاش کرنا شروع کیا۔وہ حویلی کے پچھلے صحن میں اپنے کوارٹر میں موجود اپنے سامان کی پیکنگ میں مصروف تھا۔

''ابراہیم۔''اس نے دروازہ ہلکے سے بجاتے ہوئے آہستگی سے پکارا۔ابراہیم کے ہاتھ اس کی آواز پہ یکدم رکے۔

''خان زادی۔''وہ مڑے بغیر دھیرے سے بولا تھا۔گل مینہ سے تو اسے اس قسم کی حرکت کی ہمیشہ امید اور ڈر رہتا تھا لیکن اوزگل اس کے کمرے تک آ جانے کی ہمت کر لے گی۔وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔اسے پریشانی گھیرنے لگی تھی۔

''مجھے جانے سے پہلے حویلی کے ویران بیرونی حصے میں ایک ضروری کام ہے۔تم بس میری یہ مدد کر دو کہ اس طرف والے

مورچے کے لوگوں کو آدھے گھنٹے کے لئے دوسری طرف مصروف رکھو۔ میں شہر جا کے تمہیں سب بتا دوں گی۔ میں چار بجے تمہارا انتظار کروں گی۔" یہ کہہ کر وہ رکی نہیں، واپس بھاگ گئی۔

ابراہیم حیران سا دروازے تک آیا تو وہ پچھلا صحن عبور کرتی برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔

"خان زادی کو مجھ اس ویرانے میں ایسا کیا کام کہ انہیں میری مدد کی ضرورت پڑ گئی۔" وہ اب پلٹتے ہوئے پریشانی سے سوچ رہا تھا۔ ہو نہ ہو کوئی بڑی بات تھی ورنہ ایسی بے باکی کی توقع گل مینہ سے کی جا سکتی تھی لیکن اوزگل۔۔۔

وہ جس مزاج کی لڑکی تھی۔ ابراہیم حیات اچھی طرح جانتا تھا۔ کسی بھی صورت وہ کسی بھی مرد کو کبھی مخاطب نہیں کرتی تھی۔ گھر کے مردوں کو بھی بہت کم، ہچکچاتے ہوئے۔۔۔ اور ایسے میں اس قدر اچانک اسے تقریباً حکم سنا کے اس کا چلے جانا کام کے واقعی اہم ہونے کا پتہ دے رہا تھا۔

گل مینہ ہوتی تو وہ یقیناً ٹال جاتا لیکن اب اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ ٹھیک چار بجے وہاں ضرور اس کی مدد کرنے جائے گا۔ بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔ مطمئن ہو کر وہ دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

اس کی آنکھ کھلی تو رات ہونے لگی تھی۔ اس کا سر سہلاتی دیدے بالکل اسے قریب بیٹھی تھیں۔ ان کے چہرے پہ اس کے لئے پریشانی تھی۔ وہ شرمندہ سی ہو کر اٹھ بیٹھی۔

"آئم سوری۔۔ پتہ نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا۔" اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو مروڑتے ہوئے اس نے معذرت کی تھی اور لب دانتوں تلے کچلتے ہوئے اپنے آنسوؤں پہ ضبط کرنے کی کوشش کی تھی۔

"آنسوؤں کو روکنا نہیں چاہیئے۔ انہیں بہہ جانے دیا جائے تو زیادہ اچھا ہوتا ہے۔ اس سے من کے اندر کا سارا میل ڈھل جاتا ہے۔ جیسے بارش کے بعد پتے پتے پہ جمی گرد صاف ہو جاتی ہے۔ ویسے ہی من کے کئی درد، کئی گھاؤ ان کے ساتھ بہہ جاتے ہیں۔" انہوں نے نرمی سے اس کا کامل سا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا تھا۔ لالہ کی پلکیں اس بار آنسوؤں کا بوجھ نہیں سہار پائی تھیں۔ وہ بے آواز رونے لگی تھی۔

"تم اور باری، زندگی کے کس موڑ پہ آ چکے ہو، میں نہیں جانتی اس کے باوجود بھی کہ باری مجھے سب حالات بتا چکا ہے۔ لیکن مجھے نہیں معلوم کیا وجہ تھی جو تمہیں یوں رسوا کر گئی لیکن باری نے ایک مرد ہونے کے ناطے جو کچھ کیا وہ میرے لئے فخر کی بات ہے۔ پھر بھی لالہ۔۔۔" انہوں نے اس کا ہاتھ نرمی سے دباتے ہوئے تھوڑا توقف کیا۔

"پھر بھی میں چاہتی ہوں کہ تمہاری زندگی مکمل ہو اور میرے باریال کی بھی۔ وہ لاکھ بڑا ظرف کر لے، ہے تو ایک مرد

ہی۔۔۔اور اس طرح تو تم دونوں ہر دن اذیت میں گزارو گے۔ میں چاہتی ہوں کوئی ایسا راستہ تلاش کروں کہ تمہاری اور باری دونوں کا راستہ سہل ہو جائے۔لیکن یہ تبھی ممکن ہے جب تم مجھے ساری حقیقت بتا دو۔'' لالہ سسکنے لگی تھی۔

''میرا یقین کرو میں تمہارا پردہ رکھوں گی۔ بالکل تمہاری ماں کی طرح۔'' انہوں نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھام کر اسے یقین دلایا تھا اور وہ بکھر کے رو دی تھی۔ زور زور سے چلا کے۔

درد اور کرب سے اس کی آواز پھٹی جا رہی تھی۔ اسے خود میں بھینچتے ہوئے دیدے نے اسے کھل کے رونے دیا تھا۔

کل اس کی حالت سے ہی وہ سمجھ گئی تھیں۔ اس کے ساتھ جو بھی حادثہ ہوا تھا وہ ابھی تک اندر ہی اندر گھٹ رہی تھی۔ اندر ہی کہیں پلنے والے درد کو باہر آنے کا راستہ نہیں ملا تھا۔ سب اپنوں کو جیسے اپنی عزت اور وقار کی پڑ گئی تھی۔ کسی نے اس کا دکھ سمجھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ تبھی وہ اندر ہی اندر بھر رہی تھی۔ دیدے کی ذرا سی محبت پہ وہ سارا درد آتش فشاں سے نکلتے لاوے کی طرح باہر آیا تھا۔

''وہ گناہ گار ہے میرا۔ اللہ گواہ ہے میرا میں اس کے ساتھ نہیں گئی تھی۔ بس حالات ایسے تھے کہ اس وقت مجھے وہ ٹھیک لگا۔ ورنہ لالہ تو مرد کے سائے سے بھی دو گز دور بھاگتی تھی۔'' وہ روتے روتے بتانے لگی تھی۔

دیدے اس کی کمر سہلاتی رہیں۔ اور پھر اس نے ساری بات بتا دی تھی۔

''مجھے ضیاء کے ہاتھ اور اس بوڑھے شخص کی زہریلی نظریں نہیں بھولتیں۔ انہوں نے میری زندگی برباد کر دی۔ اس دن اگر حالات ایسے نہ ہوتے تو خدا کی قسم لالہ ضیاء کا بڑھا ہاتھ ہمیشہ کی طرح جھٹک کے چلی جاتی۔ عزت کے ڈر سے میں خود مکڑی کے اس جال میں گھس گئی جو نہ جانے کب سے میرے لئے بنا جا رہا تھا اور یہ سب امی کا دل دکھانے کی وجہ سے ہوا میرے ساتھ۔ میں ماں کو بدکردار اور خود کو بلند کردار کہنے والی لڑکی۔۔۔دیکھیں کتنی غلیظ ہو گئی ہوں میں۔ کتن ابد بودار ہو گیا ھے میرا وجود۔۔۔اور یہ میرے اندر پنپتا گند۔۔۔'' وہ اپنے پیٹ میں مکے مارنے لگی تھی۔

''مجھے مار دیں۔۔۔میں اسی قابل ہوں۔۔۔'' اس پہ پھر وہی جنونی کیفیت طاری ہونے لگی تھی۔ دیدے نے بہت مشکل سے اسے سنبھالا تھا۔

''میں بھی چاہتی ہوں لالہ تم بھی ایک مکمل زندگی جیو۔ یہ تمہارا حق ہے۔ لیکن اس طرح خود کو تباہ نہ کرو۔ یہ بچہ تمہیں نہیں چاہئے ہم اس کا بھی کچھ کریں گے۔ میں تمہیں خود لے کے جاؤں گی جہاں تم کہو گی۔ میں تمہارا مکمل ساتھ دوں گی لالہ۔ لیکن اس طرح خود کو اذیت پہنچا کر تم اپنے رب کی نافرمانی کرو گی یوں۔ اس کی نافرمان نہ بنو لالہ۔ اس آزمائش پہ اس کو پکارا تم اسے ہمیشہ اپنے ساتھ پاؤ گی بیٹا۔'' وہ اس کے نرم بال سہلاتے ہوئے اسے سمجھا رہی تھیں اور اس کی آنکھوں سے بہتا گرم پانی ان کی گردن جلائے جا رہا تھا۔ وہ جیسے اپنا سارا درد ان کو سونپ رہی تھی۔

''زندگی کب ایک سیدھی لکیر کی طرح رہی ہے۔ یہ تو بل کھاتے راستوں کی طرح ہوتی ہے۔ ایک طرف گہری کھائیاں اور دوسری طرف پر کیف نظارے۔۔۔ کبھی آسان لمبا سیدھا راستہ تو کبھی بل کھاتے پر خطر موڑ۔۔۔ گرنے کا خدشہ ہمیشہ رہتا ہے۔'' وہ اس کا نم چہرہ اپنے سامنے لاتے ہوئے بولیں۔

''میں مانتی ہوں لالہ تم سے کوتاہی ہوئی اور بہت بڑی کوتاہی ہوئی۔ ہمارے بزرگوں کا ماننا ہے ماں باپ کے سامنے بولا ہمارا ایک اچھا یا برا کلام کبھی کبھی ہماری ساری قسمت پہ حاوی ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ کس نے کہا لالہ۔۔۔ کہ غلطی کی معافی نہیں۔۔۔ پھر ہمارا مذہب تو ایسا مذہب ہے جو ہمیشہ امید اور گنجائش نکالتا ہے۔ مایوس سے مایوس حالت میں بھی یقین کا دامن نہ چھوڑنے کا درس دیتا ہے۔''

وہ کچھ دیر رکی تھیں۔

''لیکن میں تو باعتاب ٹھہری۔ بے اماں ٹھہری۔۔ معافی تلافی کی تو گنجائش ہی نہ بچی آنٹی۔ صرف سزا رہ گئی۔ منہ پہ اس طرح کالک لگی کہ شاید ہی کبھی ڈھل پائے۔'' وہ پوری طرح مایوس تھی۔

''ٹھوکر انہیں بھی لگتی ہے لالہ جو اللہ سے ہر معاملے میں ڈرتے ہیں۔ یہ اور بات کہ اللہ پاک انہیں سنبھال لیتا ہے۔ تمہارا معاملہ ایسا ہے کہ تم ماں کے معاملے میں اس رب کی نافرمان ہوگئیں۔ تم نے ٹھوکر کھائی اور تمہاری روح بھی تار تار ہوئی لیکن توبہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ وہ ٹھوکر والوں کو سہارا دے دے تو وہ ولی بن جاتے ہیں۔ خود سے سوچنا چھوڑ دو اور اس رب کے آگے جھک جاؤ۔ اپنے گناہ تسلیم کرو اور سچے دل سے توبہ کرو۔ وہ بے شک بڑا مہربان ہے۔'' انہوں نے نرم لہجے میں کہا تھا اور اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

''نماز پڑھ لو۔ پھر کھانا کھاتے ہیں۔ کل باری کے جانے کے بعد تم اور میں صوفی صاحب کے پاس چلیں گے۔ وہ ضرور ہماری مدد کریں گے۔ تمہارے ساتھ ساتھ اب یہ سب باری کے لئے بھی ضروری ہے۔ تم تو پھر بھی ایک آزمائش سے گزر چکی ہو۔ باریال ابھی امتحان کی زد میں ہے اور میں تم دونوں کی مدد کرنا چاہتی ہوں۔'' لالہ نے سرخ ہوتی نظروں سے ان کا پرنور چہرہ دیکھا تھا اور پھر خود کو سنبھالتی وضو کرنے اٹھ گئی کہ بعض اوقات رب کے در کے علاوہ انسان کے پاس اور کوئی در نہیں رہتا کھٹکھٹانے کو۔۔۔ دیدے اسے اٹھتا دیکھ کر مطمئن ہوتے ہوئے باہر نکل گئی تھیں۔

☆......☆......☆

دن مختصر ہونے لگے تھے۔ تبھی فضا میں بھی گرمی اور تپش کی جگہ نمی اور ٹھنڈک لینے لگی تھی۔ صبح سویرے گھاس پہ ٹھنڈی اوس کے قطرے سردی کی دستک دیتے محسوس ہوتے۔

جب سے لالہ اس جگہ سے گئی تھی۔ وہ بالکل بدل گیا تھا۔ پہلے والا لاابالی، لاپروا سا ضیاء کہیں کھو گیا تھا۔ ساری ساری رات جاگنے اور دوپہر کو صبح کرنے والا ضیاء اب سرشام لیٹ جاتا۔ دواؤں کے استعمال کے باوجود رات کے آخری حصے میں ہی اس کی آنکھ کھل جاتی

تھی اور باقی سارا وقت وہ پھر سگریٹ کے دھوئیں میں اڑا دیتا۔سورج کی کرنیں دھرتی کا سینہ جگمگانے لگتیں تو وہ باہر لان میں آ جاتا۔پیروں میں اڑسے آرام دہ چپل برآمدے میں ہی اتار دیتا اور ننگے پیر گھاس پہ آ جاتا۔ٹھنڈی نرم گھاس اس کے تن من کو شانت سا کر دیتی تھی۔

کافی وقت ادھر ادھر ٹہلنے سے جب وہ تھک گیا تو وہیں ٹالی کے درخت کی ٹھنڈی چھاؤں تلے لیٹ گیا۔دونوں ہاتھ سر کے پیچھے رکھ کے جیسے تکیئے کی طرح سر اور گردن کو سہارا دیا اور ٹالی کی گھنی لمبی شاخوں پہ نظر جما گیا۔

''خان۔'' شہباز کی آواز پہ وہ چونکا ضرور تھا لیکن اس نے اس آدمی کی طرف دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

''بولو۔''

''خان! ان لوگوں کا کچھ پتہ نہیں چلا۔محلے والوں نے بھی یہی بتایا کہ نہ تو وہ ان کے نئے گھر کے بارے میں جانتے ہیں نہ ہی اس لڑکے کے بارے میں جس سے اس لڑکی کی شادی ہوئی ہے۔۔۔لیکن خان۔۔۔'' بات کے آخر میں وہ ذرا رکا یوں جیسے کچھ تذبذب کا شکار ہو۔

''پوری بات بتاؤ۔۔شہباز۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔اس کی پیشانی پہ غصے کی لکیریں گہری ہونے لگی تھیں۔

''بڑے خان نے ہم سب کو سختی سے منع کر دیا ہے خان اس لڑکی کے بارے میں کوئی بھی بات بتانے سے،انہوں نے کہا ہے کہ اگر ہم میں سے کوئی بھی ایسا کرے گا تو وہ اسے مار دیں گے۔'' اس آدمی کے لہجے میں خوف تھا۔ضیاء کی بھنویں ذرا دیر سکڑی تھیں۔پھر جیسے اس نے خود کو کمپوز کیا تھا۔

''اور تم جانتے ہو اگر تم نے یہ کام نہیں کیا تو میں خود کو ختم کر لوں گا۔''

''لیکن خان۔۔۔'' اس کا چہرہ زرد ہونے لگا تھا۔ضیاء علی خان ان سب کی گود میں پلا بڑھا تھا۔وہ اس کی فطرت اس کی ایک ایک عادت سے اچھی طرح واقف تھے۔وہ یہ بھی جانتے تھے ضیاء علی خان جو کہتا ہے وہ کر دکھاتا ہے۔اپنی بات سے ایک قدم پیچھے ہٹنا اسے گوارا نہیں رہتا۔

''تم گاؤں واپس جا سکتے ہو شہباز خان۔بڑے خان کو تمہاری ضرورت ہے۔'' اس نے آگے بڑھ کے شہباز کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

''اور ہاں اپنے دوسرے آدمیوں کو بھی یہاں سے لیتے جانا۔میں یہ کام خود کر لوں گا۔'' اس نے آخر میں سخت لہجے میں کہا تھا۔جس کا مطلب صاف تھا اب وہ ان کو اپنے فارم ہاؤس میں مزید برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ضیاء کے وہاں سے اندر جاتے ہی اس نے سہراب خان کا نمبر ملایا تھا۔آخری حکم بہر حال انہی کا ہوتا تھا۔دوسری طرف بیل جا رہی تھی۔وہ منتظر تھا۔

☆......☆......☆

چار بجنے میں ابھی کچھ وقت تھا۔اس نے باہر باء.جی کا پتہ کروایا۔وہ ابھی کسی کارنر میٹنگ کے سلسلے میں کہیں باہر تھے۔مطلب ان کے خاص کارندے سبھی ان کے ساتھ تھے۔حویلی میں وہی اکا دکا پہرے دار ہی تھے۔باقی ہوتے بھی تو بیٹھک کی طرف ہوتے یا مردان خانے کی طرف۔سو وہ بےفکری سے حویلی کے ویران حصے تک تو جا ہی سکتی تھی۔جب تک ابراہیم اس کی مدد کو آتا تب تک وہ کافی اچھی طرح حالات کا جائزہ بھی لے سکتی تھی اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وقت سے پہلے ابراہیم کے آنے سے پہلے ہی قسمت اس کا کام آسان کر دیتی۔تب تو اور بھی اچھا تھا۔وہ یہ بات ابراہیم کو بھی نہ بتاتی اور یہ راز،راز ہی رہتا۔لیکن بہر حال یہ سب سوچنے میں ضرور آسان تھا۔عمل میں اسی قدر مشکل۔

وہ بڑی سی چادر میں خود کو اچھی طرح ڈھانپتی حویلی کی اندرونی راہداری سے ہوتی پچھلی طرف بارہ دری کے قریب کھلنے والی کھڑکیوں میں آٹھہری۔اس نے کھڑکی میں کھڑے ہو کے دور مردان خانے کی چھت کے کونے پہ بنے مورچے پہ نظر ڈالی۔وہاں دو ہٹے کٹے آدمی گپ شپ میں مصروف تھے لیکن ان میں سے ایک کی توجہ مکمل طور پہ حویلی کے اسی ویران حصے کی طرف ہی تھی۔یہ ویران حصہ آگے جا کر پرانی نہر پہ ختم ہو جاتا تھا اور اس کے دوسری طرف کی کیکر اور ببول کے پودوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ تھا۔تبھی اس طرف سے دشمنوں کا خطرہ کم تو تھا لیکن بہر حال کوئی اس صورتحال کا فائدہ نہ اٹھالے اس کے لئے خاص طور پہ یہ مورچہ بنایا گیا تھا۔یہ واحد مورچہ تھا جو زنانہ حصے سے بھی نظر آتا تھا اور اسی کی وجہ سے وہ اکثر صرف حویلی کے تیسرے حصے میں ہی محصور رہتے تھے۔سامنے اور اس طرف والے صحن میں جانے کی ان کو اجازت نہ تھی۔

وہ سوچوں میں غلطاں ٹھہری تھی۔جب سیٹی کی تیز آواز نے اسے چونکایا تھا۔اس نے سر کھڑکی سے ذرا سا باہر نکال کے دیکھا۔سیٹی کی آواز یقیناً مردان خانے کی طرف سے آئی تھی۔مطلب چند لمحوں میں ابراہیم کو اسی مورچے پہ ہونا تھا۔وہ احتیاطاً پیچھے ہو کر اس طرف دیکھنے لگی۔اور اس کی توقع کے عین مطابق صرف چند منٹس میں ابراہیم مورچے پہ چڑھتا دکھائی دیا تھا۔سفید رنگ کے کاٹن میں اس کا خوبرو سراپا چمکتی دھوپ میں چمکنے لگا تھا۔آستینیں فولڈ کئے اوپر آتے ہوئے وہ ان دونوں آدمیوں سے کچھ بولا تھا۔ان کی توجہ ابراہیم کی طرف ہو چکی تھی۔ان میں سے ایک آدمی مورچے کے ساتھ لگی لکڑی کی سیڑھی سے نیچے اتر گیا تھا۔دوسرا اب مکمل طور پہ ابراہیم کے ساتھ بات چیت میں مصروف تھا۔ابراہیم نے اس کی تلاش میں نظریں دوڑائی تھیں اور اس نے تیزی سے باہر آ کر خود کو ظاہر کیا تھا۔اسے دیکھتے ہی ابراہیم نے آہستگی سے یوں ہاتھ ہلا کے سر کے پیچھے لے گیا تھا جیسے بال سیٹ کر رہا ہو۔اس کا اشارہ ملتے ہی وہ تیزی سے ویرانے کی طرف بھاگی تھی۔مطلوبہ جگہ تک پہنچنے میں اسے چند لمحے لگے تھے۔اس جگہ پہ پہنچتے ہی اس نے تیزی سے ہاتھ مار کے گھاس پھونس ہٹایا۔راستہ سامنے تھا۔وہ ادھر ادھر دیکھے بغیر تیزی سے اندر پھسل گئی۔حیران کن طور پہ آج اللہ لوک بالکل پرسکون تھیں اور پوری شدت سے اس کی ہی منتظر تھیں۔آج نہ انہوں نے کوئی عجیب لفظ بولے تھے نہ ہی چلائی تھیں۔اسے دیکھتے ہی اطمینان سا ان کے چہرے پہ پھیل گیا تھا۔

''تو آ گئی۔۔ مجھے پورا یقین تھا تو ضرور آئے گی۔''

''لیکن میں آج بس جانے کے لئے آئی ہوں اللہ لوک۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ ہمیں آج شہر کے لئے نکلنا ہے اور باء جی بس آنے ہی والے ہوں گے'' وہ تیزی سے انہیں بتانے لگی۔

''آپ نے کہا تھا مجھ سے۔ آپ نے مجھے بہت کچھ دینا ہے۔'' اس نے اس طرح ان کے سامنے اپنا دایاں ہاتھ پھیلایا جیسے وہ واقعی اسے کچھ دینے والی تھیں۔

''لیکن تیری ہتھیلی تو بہت چھوٹی ہے اور بھار (بار، وزن) بہت زیادہ۔۔ تو کیسے اٹھائے گی اتنا بھار۔'' اللہ لوک نے مایوس لہجے میں کہا۔ اوزگل نے مایوسی سے اپنے پھیلے ہاتھ کو دیکھا تھا۔ جیسے واقعی اب اس کا آنا ضائع ہو جائے گا۔

''جا چلی جا۔ اس سے پہلے کہ دیر ہو جائے۔۔ اس سے پہلے کہ حرص کا شیطان تجھے بھی قید کر لے۔ تنہائی اور بھوک تیرا بھی مقدر بن جائے۔ بھاگ جا یہاں سے۔۔'' انہوں نے اس کی طرف پشت کرتے ہوئے آنکھیں بند کی تھیں پھر بھی اوزگل نے ان کے گال پہ بہتے پانی کی لکیر دیکھ لی تھی۔

''لیکن اتنا تو بتا دیں اللہ لوک۔ اس دلہن کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ میں واپس چلی جاؤں گی۔ بس اتنا بتا دیں پلیز ورنہ یہ سوال مجھے چین سے نہیں رہنے دے گا۔'' اسے محسوس ہو رہا تھا۔ اللہ لوک بے آواز رونے لگی تھیں۔

''تیرے باپ کے پاس ایک رتی ڈیری (سرخ ڈائری) ہوگی۔ جا اسے ڈھونڈ لے سب جان لے گی۔ دوبارہ ادھر نہیں آنا۔۔'' انہوں نے سختی سے آنسو رگڑتے ہوئے اسے کہا تھا۔

''لیکن کیوں اللہ لوک؟'' وہ ان کے یوں صاف جواب دینے پہ تڑپ گئی۔

''مردوں کو اگر انسانوں کی عادت ہو جائے نہ تو قبر تنگ پڑنے لگتی ہے۔ جا میری قبر تنگ نہ کر۔۔ چلی جا۔۔'' وہ منہ پھیر گئی تھیں۔ اب ان کی مکمل پشت تھی۔ وہ ان کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی تھی۔

''اللہ لوک۔'' وہ بے بسی سے انہیں پکارتی رہی۔ پھر جواب نہ پا کر مجبوراً اٹھ کر باہر آ گئی۔ ہاتھوں سے دوبارہ اس جگہ کو دوبارہ ڈھکا اور حویلی کے حصے میں آتے ہی ابراہیم کو دیکھا۔ وہ ابھی بھی وہیں تھا۔ اس کا منتظر۔ اس آدمی کو اس نے خوب باتوں میں لگا رکھا تھا۔ اوزگل پہ نظر پڑتے ہی اس کے چہرے پہ اطمینان دوڑتا چلا گیا تھا۔ اوزگل نے ہاتھ ہلا کے اسے اشارہ کیا اور اندر آ گئی۔ ہر چیز سے اس کا دل سخت اچاٹ ہو گیا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ اپنے کمرے میں جانے کی بجائے باء جی کے کمرے کی طرف آ گئی۔ اسے اب ہر حال میں وہ سرخ کتاب ڈھونڈنی تھی۔

☆......☆......☆

"میرے ہر اک کل ہر اک لمحے میں۔۔۔

تو لکھ دے میرا اسے۔۔۔

ہر کہانی میں۔۔۔

سارے قصوں میں۔۔۔

دل کی دنیا کے۔۔۔

سچے رشتوں میں۔۔۔

زندگانی کے۔۔۔

سارے حصوں میں۔۔۔

تو لکھ دے میرا اسے۔۔۔

اے خدا۔۔۔اے خدا۔۔۔

جب بنا اس کا ہی بنا۔۔۔"

بارش جس قدر تیز ہوتی جا رہی تھی اس کے اندر کی گھٹن مزید بڑھتی جا رہی تھی۔اس نے تیز ہوا اور بارش کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سارے شیشے گرا دیئے تھے۔ہوا پہلے ہی جھونکے میں اس کے بال بکھیر گئی تھی۔اس نے ایک ہاتھ سے سٹیئرنگ سنبھالتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے سختی سے سینے کو مسلا تھا۔پھر شرٹ کے اوپر کے دو تین بٹن اسی ہاتھ سے کھول لئے تھے۔سانس لینے میں آسانی ہوئی تھی لیکن درد تھا کہ بڑھتا جا رہا تھا۔اس نے میوزک اور تیز کر دیا۔

"اے خدا۔۔۔اے خدا۔۔۔

جب بنا اس کا ہی بنا۔۔۔

ہر اک لمحے میں۔۔۔

ہر اک سپنے پہ۔۔۔

تو لکھ دے میرا اسے۔۔۔۔

یا خدا۔۔۔اے خدا۔۔۔"

سب کچھ اس کے خلاف تھا۔رب گواہ تھا۔اس کا رواں رواں اس کا طلب گار تھا۔وہ اس سے نفرت کا دعوے دار کبھی بھی اس کی عزت کا دشمن نہیں ہوا تھا۔وہ نہ سہی اس کی عزت اسے عزیز تھی۔اس نے سوچا تھا۔بس چھوٹا سا تماشہ ہوگا۔اس کے باپ کا سالوں سے

انتقام میں جلتا دل کچھ ٹھنڈک پائے گا، وہ چپ چاپ اسے گھر چھوڑ آئے گا اور اس کے اور لالہ کے راستے ہمیشہ کے لئے الگ ہو جائیں گے۔بات ختم ہو جائے گی لیکن۔۔۔

لیکن بات ختم کہاں ہوئی تھی بات تو جیسے ابھی شروع ہوئی تھی۔سب کچھ پلٹ گیا تھا۔ اس کے باپ کا دل بھلے سکون پا گیا تھا لیکن اس نے سکھ چین سب کھو دیا تھا۔دو کٹورا آنکھیں اور اس کے مضبوط ہاتھوں سے سمجھتے نرم کومل ہاتھ۔۔۔۔اس کے وجود سے لپٹ کے رہ گئے تھے۔

اس کا وجود فنا ہو گیا۔۔۔

اور لالہ جیسے اس کی نس نس میں سما گئی تھی۔۔۔

وہ کہیں نہیں رہا تھا۔۔۔

وہ تو انتقام کی جلتی بجھتی چنگاری کو ہمیشہ کے لئے ٹھنڈا کرنے چلا تھا۔اور۔۔۔

اس کا تن من جل کے سوا (راکھ) ہو گیا تھا۔

انتقام کی چنگاری نے نہ جانے کب بھڑکتے ہوئے عشق کے شعلے کی شکل اختیار کر لی تھی۔کبھی کسی سے نہ ہارنے والا ضیاء علی خان۔

اس کا اس میں ہوں اسے ہوں اسی کا رہنے دے

میں تو پیاسا ہوں ہے دریا وہ ذریعہ وہ جینے کا میرے

دل مجھے دے اگر

درد دے اس کا پر

اس کی وہ ہو ہنسی

گونجے جو میرا گھر۔

”اے خدا۔۔۔اے خدا

جب بنا اس کا ہی بنا۔۔۔“

اسے لگا درد سے اس کا دل پھٹ جائے گا۔۔اس نے گانا بدل دیا تھا اور گاڑی روک کے باہر نکل آیا تھا۔۔

”یار کو ہم نے جابجا دیکھا۔۔۔

کہیں ظاہر کہیں چھپا دیکھا۔۔۔“

بارش اسے بری طرح بھگونے لگی تھی۔۔نئے موسم کی کھلتی سردی بھی اس کے اندر کی تپش نہیں کم کر پا رہی تھی۔

"کہیں وہ بادشاہ تخت نشیں

کہیں کاسا لئے گدا دیکھا۔۔۔

یار کو ہم نے جا بجا دیکھا۔۔۔"

سفید پاکیزہ آنچل تھا جو اس کے دل کو اپنے ساتھ لپیٹتے اڑا تھا۔

تخیل کامل ہونے لگا تھا۔

درد بڑھنے لگا تھا۔

"کہیں وہ ڈر لباس معشوقاں

بر سر ناز اور ادا دیکھا۔۔۔

کہیں ظاہر کہیں چھپا دیکھا۔۔۔"

دونوں ہاتھ بالوں میں پھنساتے ہوئے وہ درد سے چلاتا زمین پہ بیٹھتا چلا گیا تھا۔ بارش اور تیز ہوئی تھی اور اس کی آنکھوں سے بہتے آنسو بھی۔

☆......☆......☆

یہ کمرہ اس حویلی کا سب سے بڑا کمرہ تھا۔ پہلے تین اطراف کمروں کے آگے برآمدہ تھا۔ اور درمیان میں چھوٹا سا لان جس کے اوپر درمیان سے کھلی چھت تھی۔۔ لیکن اب یہ سارا حصہ ایک بڑے لاونج کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ دو کمروں کو یکجا کر کے باء جی کا یہ کمرہ بنایا گیا تھا اور اس کی ہر چیز بہترین تھی۔ پردوں سے لے کر ننھے سے شوپیس تک امپورٹڈ تھے۔ اس نے اندر داخل ہوتے ہوئے کھڑکی کھول دی تھی۔ یہ کھڑکی گیراج کی طرف کھلتی تھی۔ اس طرح باء جی جیسے ہی گھر آتے اسے فوراً پتہ چل جاتا اور وہ آرام سے نکل سکتی تھی۔

یہاں سے بے فکر ہو کے اس نے دھیان سے وہ جگہیں دیکھنا شروع کر دی تھیں۔ احتیاط سے ساری الماریاں، دراز چیک کرنے کے باوجود وہ ناکام رہی تھی۔

"ایسا کیا ہو گا اس ڈائری میں" وہ سوچتی رہی۔ مایوس سی ہونے لگی تھی جب یونہی اس کی نظر باء جی کی کونے میں رکھی اس میز پہ پڑی جس پہ ان کی زمینوں کا سارے کھاتا جات پڑے رہتے تھے۔ وہ تیزی سے اس طرف آئی تھی اور عین اسی وقت ہی حویلی کا آہنی گیٹ کھلنے کی آواز آئی تھی۔ وہ کانپ سی گئی تھی۔ اس نے تیزی سے کھڑکی بند کی۔ گاڑی کے انجن کا شور اس کے دل کی دھڑکنیں بڑھا گیا تھا۔ وہ تیزی سے پلٹی تھی اور بالکل اچانک ہی میز کے کونے پہ پڑی بہت گہرے سرخ رنگ کی ڈائری نے جیسے اس کے قدم جکڑ لئے تھے۔ اس کا رنگ بے حد عجیب تھا۔ بہت ہی عجیب سرخ۔

''یہی ہے۔۔۔؟''اس نے خود سے سوال کیا۔ پھر تیزی سے اسے اٹھایا اور دوپٹے میں چھپاتی باہر نکل گئی۔

☆......☆......☆

آج صبح صبح ہی باریال اسے اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ کچھ دیر یونہی گاڑی سڑکوں پہ گھمانے کے بعد وہ شہر سے کافی دور ایک قبرستان کی طرف نکل آئے۔ باریال نے گاڑی روکی تو اسے حیرت سی ہوئی۔ وہ نیچے اتر کر اس کی طرف آیا تھا۔

''لالہ باہر آجاؤ۔''اس نے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے اسے پکارا تھا۔

''یہاں۔۔یہاں کیوں۔؟''نہ جانے کیوں اس کا دل ڈوب سا گیا تھا۔

''باہر تو آؤ یار۔۔بتاتا ہوں۔''اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ لالہ نے کچھ سوچتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما اور گاڑی سے اتر آئی۔ دل اور شور مچانے لگا تھا۔ وہ خود اپنی کیفیت نہیں سمجھ پا رہی تھی۔ باریال کی ذرا سی توجہ اسے جس قدر خوشی دیتی تھیں آج اس خوشی کا احساس مکمل نہیں ہو پا رہا تھا۔ کچھ ایسا تھا جو اس خوشی پہ درد کو حاوی کر رہا تھا۔

''ولی بتائیں پلیز۔؟''خاردار جھاڑیوں سے خود کو بچاتی وہ اس کا ہاتھ تھامے اس کے پیچھے پیچھے چلتی بار بار اسے پکار بھی لیتی لیکن باریال مسلسل اسے جیسے اگنور کر رہا تھا۔ وہ خاموشی سے اس کا ہاتھ تھامے احتیاط سے اسے آگے بڑھا تا رہا تھا۔

ایک جگہ پہ آکے اس نے دھیرے سے لالہ کا ہاتھ چھوڑا اور ایک طرف بڑھ گیا۔ لالہ اس کے پیچھے بڑھنے کے ساتھ ساتھ اردگرد کا حیران سا جائزہ بھی لے رہی تھی۔

یہ جگہ قدرے کھلی تھی۔ برگد کا گھنا درخت دور دور تک چھایا غرور سے سر اٹھائے کھڑا تھا۔ تھوڑی دور جا کر باریال رک گیا تھا۔ لالہ ابھی بھی اردگرد کا جائزہ لینے میں بزی تھی۔

''ادھر آؤ لالہ۔۔''اس نے لالہ کا بازو تھامتے ہوئے اسے نرمی سے آگے کیا تھا۔ یہ کچی تازہ قبر تھی۔ جس پہ پانی سے تازہ چھڑکاؤ کیا گیا تھا اور اس پہ بکھرے تر و تازہ گلاب کی پتیوں کی مہک ساری فضا کو معطر کر رہی تھیں۔ لالہ کا دل بے اختیار سا ہوا تھا۔

''یہ سب کیا ہے ولی؟''وہ پریشان سی پیچھے ہٹتی اس کے ساتھ جا لگی تھی۔ باریال نے نرمی سے آگے کندھے کے گرد اپنا بازو پھیلایا اور پھر اسے اس قبر کے قریب لے آیا۔

''لالہ۔''اس کا ہاتھ تھامے ہوئے وہ نیچے گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے اسے بھی ساتھ بیٹھنے پہ مجبور کر گیا تھا۔

''دادو۔۔۔''اس کے اگلے لفظ پہ لالہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اس قدر بے یقینی تھی کہ باریال نظریں نہ ملا سکا تھا۔

''دادو اس دنیا میں نہیں رہیں۔''اس نے بہت مشکل سے جملہ مکمل کیا تھا۔ گھٹنوں کے بل بیٹھی لالہ بے اختیار ہی زمین پہ گرنے

کے سے انداز میں بیٹھی تھی۔ ہاتھ پہ مضبوط گرفت اور سخت ہوئی تھی۔

''دادو۔۔۔''اس کا لہجہ درد سے پر تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ اس کچی گیلی قبر پہ جمائے اور جیسے اس کی مٹی کو محسوس کر کے یقین کیا کہ وہ واقعی دادو کی قبر ہے؟ وہ پھوٹ پھوٹ کے رودی تھی۔ باریال نے اسے خود میں سمو لیا تھا۔ اس کا نازک سراپا کپکپا رہا تھا۔ وہ ہچکیوں میں رو رہی تھی۔ باریال نے اسے روکا نہیں تھا۔ وہ چاہتا تھا وہ دل بھر کے رو لے۔ سارا درد سارا غبار نکل جائے۔ آنسو من کا میل اتار لیتے ہیں۔ ہر بوجھ دھو ڈالتے ہیں۔ روح تک شفاف ہو جاتی ہے۔ اس نے بھی لالہ کو رونے دیا تھا۔ اسے چپ کرانے کی کوشش نہ کی تھی۔

☆......☆......☆

''شاویز ایسا کیسے کر سکتا ہے حد ہوتی ہے بھئی خود غرضی کی۔''

جب سے باریال نے انہیں بتایا تھا کہ دادو کی ڈیتھ ان کی شادی کے تیسرے دن ہی ہوئی تھی اور شاویز نے اسے اور لالہ کو اطلاع دینا بھی مناسب نہیں سمجھا تھا۔ وہ مسلسل شاویز کو سنائے جا رہی تھیں۔ باریال نے انہیں یہ بھی بتایا تھا کہ وہ گھر بھی چھوڑ کے جا چکے ہیں کہاں یہ بھی کوئی نہیں جانتا۔

''اسے لالہ سے واقعی جان چھڑانا تھی سو وہ چلا گیا۔'' باریال نے تاسف بھرے لہجے میں کمرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ جہاں لالہ سو رہی تھی۔ ویسے بھی اس کی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ اوپر سے اس طرح کی بات کا ایک دم سے سامنے آ جانا۔ اسے بری طرح توڑ گیا تھا۔ دادو میں اس کی جان بستی تھی اور وہ اتنی بدنصیب کہ ان کے آخری دیدار سے بھی محروم ہو گئی تھی۔

''لالہ تو سنبھل ہی جائے گی۔ وقت بہت پیار سے مرہم رکھ دیتا ہے زخموں پہ۔ لیکن شاویز۔۔۔ اسے اللہ پاک کبھی معاف نہیں کرے گا۔ دیکھ لینا تم۔'' وہ غصے سے بولیں۔

''اچھا آپ تو اتنا سٹریس نہ لیں اب۔'' وہ اٹھ کر ان کے شانوں کے گرد بازو پھیلا گیا۔

''کیسے نہ لوں۔ ساری عمر اب لالہ بیچاری کو صبر مشکل ہو جائے گا۔ اللہ پاک نہ جانے اس پھول سی لڑکی کی یہ آزمائش کب ختم کرے گا۔'' وہ فکرمند تھیں۔ باریال مسکرا دیا۔

''آپ ہیں نہ لالہ کے ساتھ۔۔۔ انشاء اللہ جلدی سنبھل جائے گی۔'' اس کے لہجے میں ماں کے لئے غرور تھا۔

''انشاء اللہ۔'' انہوں نے سادہ لیکن پر یقین لہجے میں کہا تھا۔

☆......☆......☆

گل مینہ کے کالج جانے کے بعد اس نے احتیاط سے دروازہ لاک کیا اور اپنے بیڈ پہ آ گئی۔ اپنی طرف والی سائیڈ ٹیبل کے پہلے دراز کا لاک کھول کر اس نے وہ سرخ ڈائری نکال لی جو اس نے باء جی کی میز سے اٹھائی تھی۔ یہ کسی بھی طرح کی کتاب ہو سکتی تھی۔

شاید زمینوں کا کھاتہ۔۔

الیکشن کا حساب کتاب۔۔

یا پھر شاید واقعی اپنے سینے میں چھپائے بہت سے راز۔۔۔

اس کتاب کا رنگ بہت عجیب سرخ تھا۔جیسے خون سے اسے رنگا گیا ہو۔

بے حد سرخ۔۔

لال سی۔۔۔

''یا اللہ پاک میری مدد فرما۔میں جاننا چاہتی ہوں آخر کیا ہے جو اتنا واضح ہونے کے باوجود بھی نظروں سے اوجھل ہے۔بے شک تو مددگار ہے۔'' اس نے آنکھیں بند کر کے دعا کی تھی۔پھر کچھ دیر یوں ہی آنکھیں بند کئے درود پاک کا ورد کیا اور دھیرے دھیرے آنکھیں کھول دیں۔

لرزتے ہاتھوں سے اس نے وہ ڈائری کھول دی تھی۔پہلے چند صفحات زمینوں کے حساب کتاب سے بھرے تھے۔جن میں مختلف علاقوں میں زمین کے تمام رقبوں کی تفصیلات تھیں۔اوران کی مالیت وغیرہ کا حساب کتاب۔

اس نے جو سوچ کے یہ ڈائری اٹھائی تھی ویسا کچھ نہ تھا۔اس نے غلط ڈائری اٹھالی تھی۔وہ بددلی سے صفحات پلٹنے لگی۔تبھی اس کی نظر ایک سرخ رنگ کے مارکر سے لکھی عبارت پہ جمی تھی۔

''پہلا خون''

اس کا جسم کانپ سا گیا تھا۔اس نے لرزتے ہاتھ سے اس صفحے کو دو انگلیوں میں تھاما تھا۔اور پھر ڈرتے ڈرتے صفحہ الٹ دیا تھا۔

اس نے غلط کتاب نہیں اٹھائی تھی۔وہ وہی سرخ ڈائری تھی جس کے بارے میں اللہ لوک نے بتایا تھا۔

داستان شروع ہوئی تھی۔۔۔

☆......☆......☆

لال حویلی دلہن کی طرح سجائی گئی تھی۔زریاب ولی خان کے خاندان میں پہلی لڑکی کی شادی تھی۔ایک روایت ٹوٹنے جا رہی تھی۔نگین پہلی لڑکی تھی جو برادری سے باہر خوشیاں تلاشنے جا رہی تھی اور اسی لئے زریاب لالا نے اس کی شادمانی میں کوئی کسر نہیں رہنے دی تھی۔آج ہر آنکھ رشک سے دیکھ رہی تھی لال حویلی کو۔زریاب ولی خان ویسے بھی ان لوگوں میں سے تھے جن کے لئے دل سے دعا نکلتی ہے۔اللہ پاک نے انہیں اچھی شخصیت کے ساتھ بلند کردار و اخلاق سے بھی نوازا تھا۔تبھی وہ اپنے علاقے کے ہر دلعزیز سردار مانے جاتے تھے۔

بارات آچکی تھی۔ہر طرف شور وغل سا مچ گیا تھا۔بارات میں شامل دولہے کے دوستوں نے نکاح کے فوراً بعد ہوائی فائرنگ

شروع کردی تھی۔اوپر سے لڑکیوں کا ہلہ گلہ۔۔نگین کا سر چکرانے لگا تھا۔اس نے مہندی سے سجے خوبصورت ہاتھ کانوں پہ رکھ لئے۔پھر بھی آواز کم نہ ہوئی تھی۔سامنے ہی گلابی فراک پہنے سبین جھوم جھوم کے ناچے جارہی تھی سہیلیوں کے نرغے میں۔۔۔اس نے محبت بھری نگاہ بہن پہ ڈالی تھی اور بالکل غیرارادی طور پہ اس کی نگاہ سامنے چھت کے دور ویران کونے پہ پڑی تھی۔اس طرف گرل لگنی تھی لیکن ابھی یہ کام ملتوی تھا۔اسے وہاں ہیولا سا دکھائی دیا۔اس نے غور کیا۔وہ واقعی کوئی آدمی تھا اور اس کے ہاتھ میں تھمی وہ لمبی نال۔۔

''کیا بدر گہ ہے کوئی؟''اس نے حیرت سے سوچا۔ایسا کبھی نہیں ہوسکتا تھا۔اس طرف کسی بھی مرد کو آنے کی اجازت نہ تھی۔اور وہ تو بالکل سامنے کونے پہ اس قدر اونچائی سے سب صاف دیکھ سکتا تھا۔

''پھر یہ کون۔؟''وہ سوچے گئی۔فائرنگ کی آواز تیز ہوئی تھی۔

''اس شادی کو یادگار بنادو۔لوگ صدیوں تک لال حویلی کی اس شادی کو نہ بھول پائیں۔''باتیں وہی تھیں لیکن سہراب علی خان کا لہجہ اور انداز بالکل اب کی بار نیا تھا۔مطلب جو اس نے سنا تھا وہ سچ تھا لیکن جو اس نے اس وقت خوشی کے عالم میں سمجھا تھا وہ غلط تھا۔وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور بھاری گھیرا سنبھالتی تیزی سے اس طرف بھاگی تھی۔۔تبھی سامنے ناچتی لڑکیوں سے بری طرح سے ٹکرا گئی۔

''نگی۔۔۔''سبین تیزی سے اس کی طرف آئی تھی۔

''کیا ہوا آپ کو نگی۔۔آپ ٹھیک ہیں نہ۔؟''

''وہ۔۔۔وہ عیسیٰ سبین۔۔۔عیسیٰ کو ماردے گا۔۔''وہ تڑپی۔

''کون۔۔۔کون ماردے گا۔۔؟''سبین کا دل ڈوب کے ابھرا۔

''لالا۔۔سہراب لالا۔۔''

''توبہ کریں نگی کیا کہہ رہی ہیں۔''

تبھی فائرنگ کی تیز آواز میں ایک چیخ سی گونجی تھی۔بہن کے بازو تھامتی،تڑپی نگی کے ہاتھ ایک دم سے پتھر کے ہوئے تھے اور وہ کسی لاش کی طرح بیدم ہوتی زمین پہ گرتی چلی گئی تھی۔

''دولہے کو گولی لگ گئی ہے۔''تھوڑی ہی دیر میں طوفان سا اٹھا تھا۔

''ہوائی فائر لگ گیا بیچارے کو۔''خوشی پہ ایک دم ترس،افسوس اور دکھ کا ماحول غالب آنے لگا تھا۔سبین نے حیرت سے پھٹی آنکھوں سے نگین کو دیکھا تھا۔جواب چلاتے ہوئے اپنے ہی بدن،آپ نے ہی زیور نوچ رہی تھی۔

☆......☆......☆

وہ ابھی فجر کی نماز پڑھ کے فارغ ہوا تھا جب دروازے پہ ہونے والی دستک نے اسے چونکا دیا تھا۔

''اس وقت۔۔۔؟ اس وقت کون ہوسکتا ہے۔'' وہ حیران سا وقت دیکھتا دروازے کی طرف آیا تھا۔ دروازہ دوسری بار بجایا گیا تھا اور اس بار دستک کافی تیز بھی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کے دروازہ کھول دیا۔ سامنے کھڑے فرد کو دیکھ کر اس کی حیرت دو چند ہوئی تھی۔

''تم۔۔۔اس وقت۔'' وہ اپنی حیرت چھپا نہیں سکا تھا نہ ہی اس نے کوئی کوشش کی تھی چھپانے کی۔ امن منہ بناتے ہوئے اسے ایک طرف تقریباً دھکیلتی اندر آ گئی۔

''جب آؤ نواب زادے ملتے ہی نہیں۔ سوچا اس وقت تو لازمی گھیر لوں گی۔'' وہ بے فکری سے ڈائننگ ٹیبل کی طرف آ گئی اور بے تکلیف سے ایک کرسی سنبھال لی۔

''ہاں تو نیا نیا بزنس ہے۔ تم جانتی ہو اچھی طرح میرا کیا کام ہے۔''

''کم آن باری۔۔ ہاں تو کسی بھی مقصد کا مطلب یہ تو نہیں کہ بندہ اپنے دوسرے فرائض بھول ہی جائے۔'' اس نے سامنے پڑی باسکٹ سے ایک سیب اٹھایا۔

''مثلاً کون سا فرض بھول گیا۔'' وہ اب آستینیں فولڈ کرتا اوپن کچن کی طرف آ گیا۔

''تمہیں ہر بار یاد دلانا پڑے گا۔ ایک گھر ہے تمہارا۔۔

ایک ماں جو سارا دن اکیلی ہوتی ہے۔۔ اور۔۔'' وہ اسے گنوا رہی تھی۔

''اور۔۔؟'' وہ اب چائے بنا رہا تھا۔

''اور ایک عدد لڑکی بھی ہے جو جلد یا بدیر تمہارے فرائض میں آنے ہی والی ہے۔'' اس نے بغور باریال پہ نظریں جاتے ہوئے آخری بات کہی تھی۔ باریال کے چلتے ہاتھ ایک پل کے لئے رکے تھے۔

''تمہیں نہیں لگتا وہ لڑکی زبردستی اپنی ذمہ داری اس بیچارے پہ ڈال رہی ہے۔'' اس نے امن کی طرف دیکھے بغیر کہا تھا۔

''بالکل نہیں۔۔ میں خوابوں پہ یقین رکھنے والی لڑکی ہوں۔'' اس کے لہجے میں اعتماد تھا۔

''یکطرفہ خواب جب ٹوٹتے ہیں تو انسان کو بھی توڑ دیتے ہیں۔ سو ان خوابوں سے خود کو آزادی ہی رکھیں تو بہتر ہے۔'' چائے نکالتے ہوئے اس نے امن کو جیسے سمجھایا تھا۔

''تو ایشو کیا ہے۔ تم بھی تو سنگل ہی ہو۔ جتنا میں تمہیں جانتی ہوں تم کسی کے ساتھ کمٹڈ نہیں ہو۔۔ تو پھر میں کیوں نہیں؟'' وہ اٹھ کر اس کے پاس آئی تھی۔

''ولی۔ آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔ مجھے جگا دیا ہوتا۔'' لالہ بالکل اچانک وہاں آئی تھی۔ امن اس کی آواز پہ یوں جھٹکا کھا کے

مڑی تھی جیسے سوواٹ کا جھٹکا لگا ہو۔

''تم آرام کرو۔ میں عادی ہوں۔ بنا لیتا ہوں کبھی کبھی۔ تمہارے لئے بھی لا رہا تھا۔'' اسے دیکھتے ہی باریال کے چہرے پہ کھلتی مسکراہٹ امن کا دل دھڑکا گئی تھی۔

''یہ کون ہے باری۔۔؟'' وہ خود پہ ضبط کھوتے ہوئے لب کچلتے بولی تھی۔ لالہ بھی اسے دیکھ چکی تھی۔ فوراً سلام کیا تھا جسے اس نے کوئی لفٹ نہیں کروائی تھی۔

''کیا ہو گیا۔۔۔؟'' باریال اسے ایک دم بارش ہوتا دیکھ کے حیران سا اس کی طرف پلٹا۔

''میری بات کا جواب دو باری۔۔ یہ کون ہے اور تمہیں ولی کیوں کہہ رہی ہے۔ یہ کیا ڈرامہ ہے۔''

''ڈونٹ بی بارش امن۔۔ میں تمہارے ہر سوال کا جواب دینے کا پابند نہیں ہوں۔ اور یہ بات میں تمہیں کئی بار سمجھا چکا ہوں۔''

''اوہ۔۔۔ واہ۔۔۔ میرے لئے تو اتنے سخت رولز اور خود گھر میں ایک خوبصورت نوجوان لڑکی کے ساتھ موجود ہیں موصوف تو کوئی بڑی بات نہیں۔ اور یہ دیدے کہاں ہیں۔ ضرور گھر پہ نہیں ہوں گی تبھی اس غلیظ لڑکی نے تمہیں مائل کر لیا اپنی طرف۔۔''

''امن۔۔'' باریال دھاڑا تھا۔ کمزور سی لالہ کانپ کے پیچھے سلیب کے ساتھ جا لگی تھی۔ امن البتہ اب بھی ویسے ہی تن کے کھڑی تھی۔

''یہ میری بیوی ہے اور اب اگر اس کے بارے میں ایک لفظ بھی کہا نہ تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔'' شہادت کی انگلی سے اسے وارن کرتا اس نے لالہ کی کمر کے گرد بازو پھیلایا تھا۔ ذات کی پستی میں گرتی لالہ کو جیسے کسی فرشتے نے اٹھا کر بلندی پہ پہنچا دیا تھا۔ اس کی روح تک میں سکون اتر گیا تھا۔

''تم۔۔۔ تم۔ ڈیڈ سچ کہتے ہیں۔ تم لوگ ہوتے ہی غلاظت کا ڈھیر ہو۔ اپنے جیسوں کو ہی پسند کر سکتے ہو۔''

''شٹ اپ امن۔۔ جسٹ شٹ اپ۔۔'' باریال غصے سے اس کی طرف بڑھا۔

''میں تمہیں کہیں کا نہیں چھوڑوں گی باری۔۔ تم بہت پچھتاؤ گے۔۔ بہت زیادہ۔'' امن کا بس نہیں چل رہا تھا۔ سامنے کھڑی لالہ کا خون چوس لے۔

''تم جانتی ہو امن۔ باریال اللہ کے بعد کسی سے نہیں ڈرتا۔ سو جاؤ جو دل کرے کر لو۔ لیکن ناؤ گیٹ لاسٹ پلیز۔'' لالہ کو آرام سے ٹیبل کے ساتھی چیئر پہ بٹھاتے ہوئے وہ اس بار خاصی بے مروتی سے امن سے مخاطب تھا۔ امن نے ایک زہریلی نگاہ اس کپل پہ ڈالی تھی اور پرس اٹھاتی باہر نکل گئی تھی۔ باریال نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

لمحوں میں جیسے زندگی اپنے معنی کھو بیٹھی تھی۔ روشنیوں سے جگمگاتی لال حویلی بخت کی سیاہی میں ڈوبتی چلی گئی تھی۔ شادیانوں کی آواز ایک دم ہی سسکیوں اور آنسوؤں میں ڈوب گئی تھی۔ بارات کے ساتھ آنے والی عورتوں کی چیخ و پکار سے زمین و آسمان لرزنے لگے تھے۔

نگین۔۔۔اس کی تو اور حالت خراب تھی۔

وہ تو اپنے حواس کھو بیٹھی تھی۔۔۔

اس نے نوچ نوچ کے اپنے سارے گہنے اتار پھینکے تھے۔ بالوں میں پن ہوا زرتار دوپٹہ دور اچھال دیا تھا۔

سبین اسے خود میں سموسمو کے سنبھالنے کی کوشش کرتی رہی لیکن وہ سنبھالی نہیں جاتی تھی۔ زریاب لالا فوراً اس کے پاس آئے تھے۔ ان کا اپنا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔

''نگی۔۔۔بھی بچے۔''انہوں نے بہن کو اپنی مضبوط پناہ میں لیتے ہوئے اسے پکارا۔ نگین نے چونک کر بھائی کو دیکھا۔

''لالا۔۔۔لالا سہراب لالا نے۔۔۔میں نے خود دیکھا انہوں نے۔۔۔'' وہ ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں بتاتی ان کی آغوش میں آنکھیں موند گئی۔ زریاب اس کی بات نہیں سمجھ پائے تھے۔ تبھی اسے اٹھا کر اندر لے آئے تھے۔ باہر کا اور شرابا اسے مزید نقصان دے سکتا تھا۔ اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ عیسیٰ کی طرح وہ اپنی بہن کو بھی کھو دیں۔

''یہ سب کیا ہو گیا لالا۔۔؟'' وہ اسے بیڈ پہ لٹ کے مڑی ہی تھی جب سبین اندر آئی تھی۔

''میں نے منع بھی کیا تھا کہ ہوائی فائرنگ نہیں کی جائے گی۔ لیکن سہراب اور عیسیٰ کے دوست۔۔۔اتنی چھوٹی سی غلطی کا کتنا بڑا خمیازہ بھگتنا پڑا ہم سب کو۔'' وہ پریشان سے اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔

''لیکن بھی تو کچھ اور کہہ رہی تھیں۔'' وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولی۔

''کیا بول رہی تھی۔'' زریاب چونکے۔

''نہیں۔ کچھ نہیں۔۔۔بعد میں بات کروں گی ابھی آپ جائیں باہر آپ کی ضرورت ہے۔'' اس نے فوراً خود پہ قابو پاتے ہوئے بات سنبھالی تھی۔

''تم اس کے ساتھ رہنا۔ میں کوشش کرتا ہوں صبح تک کسی اچھے ڈاکٹر کا بندوبست ہو سکے۔ اس کا یوں پریشان رہنا خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔'' زریاب نے اسے ہدایت کی۔

''جی لالا۔'' سبین نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ وہ باہر نکل گئے۔ سبین کے چہرے پہ جمی سوچ کی لہریں گہری تھیں۔ وہ مسلسل نگی کے سہراب لالا پہ شک کو سوچے جا رہی تھی۔ آخر اس نے کیا دیکھا یا سنا تھا۔ اور آخر سہراب لالا ایسا کریں گے ہی کیوں۔۔ لیکن فی الحال اس کے پاس انتظار کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ وہ ٹھنڈی سانس بھری بہن کے پاس آ کے بیٹھ گئی۔

باہر رونے کی آوازوں میں تیزی آتی جا رہی تھی۔

☆......☆......☆

سردیوں کی پہلی بارش اس بار اس کے لئے کسی بھی طرح کے جوش سے خالی تھی۔وہ جو بارش ہوتے ہی سردی کی پرواہ کئے بنا ہی گھنٹوں بارش میں بھی گایا کرتی آج اتنی تیز بارش میں کھڑکی کھولے بہت بددلی سے باہر دیکھے جا رہی تھی۔ باریال کمرے میں آیا تو اسے یوں دور سے بارش میں گم دیکھ کر مسکرا دیا تھا۔

''لگتا ہے تمہیں عام لڑکیوں کی طرح بارش سے عشق نہیں؟''اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا اور اپنی اونی شال کندھوں سے اتار کر آہستگی سے اسے اوڑھا دی۔مضبوط سا حصار سا بندھا تھا لالہ کے گرد اس نے چادر کے کونوں کو مضبوطی سے تھام لیا۔

''عشق۔۔۔جہاں پلیدگی پھیل جائے وہاں سے عشق منہ پھیر لیتا ہے ولی۔''

''عشق ہی بندگی کی طرف موڑ بھی لیتا ہے لالہ۔۔اور خطا عشق کبھی کبھی عشق کی پہلی سیڑھی بھی ثابت ہوئی ہے۔''وہ اس کے برابر آ ٹھہرا تھا۔

''شاید۔۔لیکن مجھے اب کوئی تمنا نہیں رہی۔اپنے اس بدبودار وجود سے کسی کی بھی زندگی سجانے کی۔''

''مطلب تم مجھے چھوڑنے کا سوچ رہی ہو۔۔؟''وہ اس کی طرف منہ کرتا کھڑکی سے ٹیک لگا گیا۔لالہ نے اس کی طرف دیکھا۔ خوبصورت گہری نیلی آنکھیں اس پہ جمی تھیں۔ان میں مسکراہٹ تھی۔۔۔بے حد اجلی۔۔۔بے حد شفاف مسکراہٹ۔۔ وہ نظریں ہٹا نہ سکی۔

''اگر ایسا کوئی خیال ہے بھی تمہارا تو سوری۔۔اسے بھول جاؤ کیونکہ میں نے تمہیں اپنا دوست مانا ہے اور میں اپنے دوستوں کو کبھی نہیں چھوڑتا۔''باریال کی آنکھوں کے ساتھ لب بھی مسکرا دئے تھے۔

''صبح وہ لڑکی کون تھی؟''لالہ نے اچانک سوال کیا۔

باریال اس سوال پہ اسے توجہ سے دیکھنے لگا۔

''دوست ہے میری۔امن۔۔تمہیں پہلے بھی بتایا تھا بزنس میں ساتھ ہے میرے۔''نہ جانے کیوں وہ وضاحت دینے لگا تھا۔

''آپ نے اسے بھی تو چھوڑ دیا۔۔۔میرے لئے۔۔تو بس مجھے بھی چھوڑ دینا آپ اس کے لئے۔''وہ دھیرے سے اس کی چادر اتارتی بیڈ پہ رکھتے ہوئے بولی۔باریال کچھ دیر اس خفا خفا لڑکی کو دیکھتا رہا۔پھر دھیرے دھیرے چلتا اس کے پاس آ گیا۔

''اس لڑکی کو جانتی ہو؟''اس نے ایک پاؤں زمین پہ رکھتے ہوئے دوسرے گھٹنے کے بل اس کے سامنے زمین پہ بیٹھتے ہوئے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے پوچھا۔

''اس کے بارے میں ویسی کوئی غلط بات کرو گی نہ تو تمہیں بھی چھوڑ ہی دوں گا۔۔کیونکہ۔۔۔''لالہ کی گھنی پلکیں لرزتی اٹھیں۔۔

''یہ۔۔۔ یہ میری بیوی بھی ہے۔۔صرف دوست نہیں۔'' اس نے لب اس کے ہاتھ پہ دھر دیئے تھے۔ لالہ کی پلکیں بھیگنے لگی تھیں۔ باریال نے اٹھ کر اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اسے خود سے لگا لیا تھا۔

''وقت سب ٹھیک کر دے گا لالہ۔۔ میرا اعتبار کرو'' اس کی آواز میں یقین تھا۔ لالہ اس کے سینے میں سر چھپا کے سسک دی تھی۔ بارش بھی شور مچانے لگی تھی۔

☆......☆......☆

باء جی کے خاندان سے مکمل مایوس ہونے کے بعد اس نے لالہ کا پتہ کرنے کا کام شاہد، زید اور ابراہیم کو سونپا تھا۔ وہ جانتا تھا۔ زید اور شاہد پھر بھی کام سے جان بچانے والوں میں سے تھے لیکن ابراہیم۔۔۔ کسی بھی طرح اس کا پتہ چلا لیتا اور دوسرا کسی بھی طرح وہ ضیاء کی کوئی بات سہراب خان یا اس کے کسی بھی کارندے تک نہیں پہنچنے دیتا۔ ابراہیم حیات دنیا میں وہ آدمی تھا جس پہ وہ آنکھیں بند کر کے اعتبار کر سکتا تھا۔ تبھی تھک ہار کر اس نے یہ سب ابراہیم کے ذمے لگایا تھا اور خود بھی پھولوں کی طرح ہر جگہ پتہ کر رہا تھا۔

ابراہیم نے سب سے پہلے لالہ کے محلے والوں سے رابطہ کیا تھا اور ان سے شاویز کے حوالے سے بات کی تھی۔ وہاں سے اسے اتنی معلومات ملیں کہ اپنے کسی دوست سے ہی شاویز کی بہن کی شادی طے ہوئی تھی۔ اب اسے شاویز کے دوستوں کا پتہ کرنا تھا۔ یہ اس کے کیئے اتنا مشکل نہیں تھا۔ محلے کے کئی لڑکے اس کے کلاس فیلو رہے تھے۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی وہ شخص نہیں تھا جو لالہ کا نصیب بنا تھا لیکن انہی میں سے ایک شخص نے بتایا تھا کہ وہ ان ہی کا کلاس فیلو تھا اور اب اپنا بزنس چلا رہا تھا۔ اس کا پتہ ملتے ہی ابراہیم پہلے خود اس کے گھر پہنچا تھا۔ دروازہ اس کی ماں نے کھولا تھا۔ وہ آفس کے لئے نکل چکا تھا۔ تب ابراہیم نے اس کے آفس کا رخ کیا تھا اور باریال کو دیکھتے ہی اسے یک گونہ اطمینان حاصل ہوا تھا۔ اس نے واپس آ کر ضیاء کو بھی تسلی دی تھی۔

''لالہ! اپنی زندگی میں واپس لوٹ چکی ہے۔ ایک مکمل زندگی جی رہی ہے اب تم بھی پرسکون ہو جاؤ۔'' ابراہیم لالہ کے لئے خوش تھا۔

''تم پاگل ہو؟'' وہ جو لالہ کے بارے میں سن کر ہی بہت دل سے تیار ہونے میں لگا تھا۔ طائرانہ نگاہ آئینے پہ ڈالتے ہوئے اس کی بات کے جواب میں کہا تھا۔ اس کے لہجے میں کچھ تو ایسا تھا جو ابراہیم کو چونکا گیا تھا۔

''مطلب؟'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''مطلب صاف ہے میرے بھائی۔'' وہ مسکراتے ہوئے اس کی طرف پلٹا۔

''لالہ کی زندگی صرف ضیاء ہی مکمل کر سکتا ہے اور کوئی نہیں۔۔'' اس کے کندھے کو دباتا وہ سیٹی بجاتا باہر نکل گیا تھا۔ ابراہیم کو احساس ہوا تھا اس نے ایک بار پھر غلطی کر دی تھی۔

☆......☆......☆

سب کچھ ویسا ہوا تھا جیسا انہوں نے پلان کیا تھا۔ وہ لاکھ اس خاندان کا فرد سہی پھر بھی اختیارات سارے ابھی زریاب لالا کے پاس تھے۔ آخری فیصلہ انہی کا ہونا تھا۔ وہ اور زریاب ایک ہی خاندان کے تھے اور ان کے خاندان میں برادری سے باہر لڑکی لی تھی لیکن کبھی اس خاندان کی لڑکی دی نہیں تھی۔ وہ ابھی بھی اس بات کے حق میں نہیں تھے۔ ایک مرتبہ یہ رواج چل جاتا تو انہیں سبین، اوزگل سب کے لئے یہ راہ کھلی رکھنا پڑتی اور زمین اور جائیداد کا حصہ الگ غیروں کے ہاتھ جاتا۔ لیکن بہر حال کسی بھی صورت وہ اس شادی کو روک نہیں پائے تھے۔ زریاب بہت خوش تھے اور یہ بات زہر سا ان کے اندر بھر رہی تھی۔ تبھی انہوں نے کچھ اور سوچا تھا۔ کسی بھی طرح انہوں نے اس رسم کو ٹوٹنے سے روکنا تھا۔ ورنہ ساری عمر خسارہ ان کے ہاتھ ہی آنا تھا۔ آج یا کبھی نہیں۔ ان کے پاس وقت نہیں تھا۔ اسی لئے انہوں نے وران خان کو سمجھا دیا تھا۔ جیسے ہی وہ اور عیسیٰ کے دوست فائرنگ شروع کریں گے وہ فائدہ اٹھا لے موقع کا۔ اور کے پی کے کے اکثر علاقوں میں شادیوں میں ہونے والی ہوائی فائرنگ میں ایسے حادثات ہونا عام بات تھی تو ان کو شک بھی نہیں ہونا تھا۔ پلان بالکل صاف تھا اور کسی کو شک نہیں ہونا تھا لیکن۔۔۔ لیکن زریاب کی بانہوں میں تڑپتی نگین کے الفاظ سے انہیں جھٹکا سا لگا تھا۔

اسے کیسے خبر ہوئی تھی؟ اتنا واضح اس نے سہراب کا نام لیا تھا۔ یہ کیسے؟

اسے اگر شک بھی ہوتا تو ضرور صرف شک ظاہر کرتی۔ لیکن اس کے لہجے سے صاف ظاہر تھا وہ سب جانتی تھی۔

اسے پتہ تھا سہراب نے ہی سب کچھ کیا ہے۔ لیکن کیسے۔۔۔؟ وہ لب کچلتے سوچ گئے۔ اب حالات دوسری ڈگری پہ چل پڑے تھے۔ پہلے وہ بہت کچھ خفیہ طور پہ کرنا چاہتے تھے۔ پلان بن رہے تھے۔ لیکن ابھی صرف وہ جانتے تھے یا ان کی وہ لال ڈائری جس میں وہ اپنا لائحہ عمل طے کرتے تھے۔

لیکن۔۔۔ انہیں اب جو بھی کرنا تھا کھل کے کرنا تھا۔ وہ نگین کے سامنے آچکے تھے۔۔۔ کس طرح۔۔۔ وہ خود بھی نہیں جانتے تھے۔ لیکن بہر حال یہ ہو چکا تھا۔

وہ اس دن سارا دن نگین کے اردگرد ہی رہے۔ اس کی حالت خراب تھی۔ دواؤں کے زیر اثر اسے نیند میں رکھا گیا تھا۔ وہ اور زریاب مل کر عیسیٰ کی تدفین میں مصروف رہے تھے اور بالکل سگے بھائیوں کی طرح اس کی فیملی کو سپورٹ کیا تھا۔ اور تیسرے دن ہی موقع ملتے ہی انہوں نے نبی کو جا لیا تھا۔

''کیا دیکھا تم نے۔۔؟'' کمزور سی نگی انہیں کمرے میں آتا اور کنڈی لگاتا دیکھ کر بیڈ سے نیچے اتری تھی۔ سہراب تیر کی سی تیزی سے اس کے پاس آیا تھا اور اس کو بالوں سے پکڑ کر دیوار سے لگا دیا تھا۔ نفرت کی تیز لہر نگین کے دل میں جاگی تھی۔

''سب......سب دیکھ اور سن چکی ہوں۔ آپ کی اور دوران کی ایک ایک بات۔۔ ایک ایک حرکت۔۔'' سارا خوف ایک لمحے میں ہوا ہوا تھا۔ سہراب کی گرفت اور سخت ہوئی تھی۔ نگی کے بال اکھڑنے لگے تھے۔

''اور بھی بہت کچھ ہے بتانے کو جاننا چاہو گی۔''اس نے اسے دیوار سے لگاتے ہوئے کمینگی سے کہا۔

''نہیں۔۔اب صرف بتانا چاہوں گی۔۔اور بتاؤں گی پوری دنیا کو۔۔زریاب لالا کو۔۔۔سب کو۔'' وہ نفرت سے بولی۔

''تمہیں ذرا بھی ڈر نہیں لگتا۔''

''نہیں۔کیونکہ اب میرے پاس کھونے کے لئے کچھ نہیں بچا۔۔۔''

''زریاب۔۔ولی۔۔۔کچھ بھی نہیں۔۔'' وہ اس کا منہ دبوچتے ہوئے کمینگی سے مسکرائے تھے۔

''اور وہ ننھی پری سبین۔۔۔اس کا بھی ڈر نہیں رہا تمہیں۔''

اور نگین کا دل زور سے دھڑکا تھا۔

''چلو۔۔تمہیں یہی خوش ہے تو ایسا ہی سہی۔۔سوچتا ہوں پھر کچھ۔''اسے جھٹکے سے چھوڑتے ہوئے وہ قہقہہ لگاتے ہوئے واپس پلٹ گئے تھے۔نگین کو موت کی سردی لپیٹنے لگی تھی۔خوف سے اس کا وجود کانپنے لگا تھا۔

☆......☆......☆

لالہ جس قدر اچانک اس کی زندگی میں آئی تھی اسی قدر تیزی سے وہ اسے اپنے دل کے قریب تر ہوتی محسوس ہوئی تھی۔اور یہ بات جہاں اسے مطمئن کر دیتی وہیں پریشان بھی۔جو بھی تھا لالہ کے ساتھ ہونے والا حادثہ ایک مکمل سچائی تھا۔اس نے بے شک اس کی عزت بچانے کے لئے اس سے شادی کر لی تھی لیکن ابھی اس معاملے میں وہ ایک فیصد بھی کلیئر نہیں تھا کہ کیا وہ واقعی اب اس کے حقوق سوئیٹ میں آ چکی تھی کہ نہیں۔دوسری طرف امن کا ایک دم سے ایسا ہارش رویہ۔۔وہ ایک بار پھر کسی بھی طرح کی انتقامی کاروائی کر سکتی تھی۔ایسے میں وہ آنے والے دنوں کے لئے کوئی دوسری ٹینشن نہیں رکھنا چاہتا تھا۔آج اس نے آفس کا کام جلدی نمٹا کر صوفی صاحب کے گھر کی راہ لی تھی۔صوفی صاحب اس کے استاد بھی تھے اور زندگی میں جب بھی اسے کوئی مشکل ہوئی تھی انہوں نے ہمیشہ انہیں صحیح راستہ دکھایا تھا۔اسے امید تھی اس بات میں بھی وہ اس کی مدد کر سکتے تھے۔

خوش قسمتی سے صوفی صاحب بیٹھک میں ہی موجود تھے اور تھے بھی اکیلے۔وہ کافی ریلیکس ہو گیا۔اسے دیکھتے ہی مسکراہٹ ان کے لب چھو گئی تھی۔وہ اس کے استقبال کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

''السلام علیکم صوفی انکل۔'' وہ مسکراتا ہوا ان کے گلے لگ گیا تھا۔

''بہت دیر کی مہربان آتے آتے۔''محبت سے اسے دیکھتے ہوئے انہوں نے کہا تو وہ ہنس دیا۔

''آپ کی یاد لے آئی صوفی انکل۔''

''ایک استاد کو اپنا قابل شاگرد کبھی نہیں بھولتا۔وہ اس کا وارث جو ہوتا ہے۔استاد کو ساری امیدیں اسی سے ہوتی ہیں۔''انہوں

نے محبت سے کہا تھا۔وہ ادب سے نظریں جھکا گیا تھا۔

''اچھا کہاں صوفی انکل۔بس ادب رہا آپ کا یہ اللہ پاک کا احسان ہے۔''اس کی آواز میں عاجزی تھی۔

''ادب ہی کاملیت کی پہلی سیڑھی ہے بیٹا۔۔پھر چاہے عشق ہو محبت سے یا کوئی بھی رشتہ اسے مکمل یہی صفت کرتی ہے۔''

''بے شک''وہ مسکرایا۔

''اچھا یہ بتاؤ کیا لو گے۔قہوہ کہوں تمہاری خالہ کو۔''

''نہیں نہیں۔انکل۔بس مجھے آپ سے ایک مدد چاہیے تھی۔ایک بہت بڑی مشکل میں پھنس گیا ہوں۔''

''یا اللہ خیر۔''صوفی صاحب فوراً پریشان ہو گئے۔

''کیا ہوا ہے باریال۔۔۔سب خیریت؟''انہوں نے فوراً استفسار کیا۔باریال انہیں آہستگی سے سارا معاملہ بتانے لگا تھا۔سارا واقعہ سنتے سنتے جہاں صوفی صاحب پہلے اداس ہونے لگے وہیں باریال کا فیصلہ جان کے پرسکون بھی۔انہوں نے اٹھ کر بیٹھک کا بیرونی دروازہ بند کر دیا تھا اور لائٹ آن کرتے ہوئے واپس اپنی کرسی پہ آ گئے۔باریال اب خاموشی سے ان کے بولنے کا منتظر تھا۔

''زنا ایک ناسور ہے۔آج کے دور میں اس پھیلتی بیماری کی سب سے بڑی وجہ قرآن سے دوری ہے۔اور اگر کچھ لوگ قرآن کے قریب ہیں بھی تو ان میں اکثر اسے اپنے مطلب کے لئے ہی استعمال کرتے ہیں۔بہت کم لوگ ہیں جو لوگوں کی فلاح کا بیڑہ اٹھائے ہوئے ہیں۔

اسلام کا قرب ہی اس ناسور کا علاج ہے۔دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ آبادی ہے اور اس میں پھر جنس کا مسئلہ خاصا گھمبیر۔۔لڑکیاں لڑکوں پہ نہ صرف آبادی بلکہ لیاقت و محنت میں بھی بہت آگے بڑھ گئی ہیں۔اور ایسے میں آزادی کا مطلب بالکل الٹ کر رہ گیا ہے۔کہیں مرد اپنی حدود یاد رکھتا ہے تو عورت پار کر جاتی ہے۔عورت یاد رکھتی ہے تو مرد پہ شیطان حاوی ہو جاتا ہے۔آج حالات یہ ہو گئے ہیں کہ لوگ ناجائز بندھن رکھنے کے لئے تو رب سے نہیں ڈرتے لیکن دوسری شادی کا سوچتے ہی بیوی فیملی اور عزت کا ڈر لگ جاتا ہے۔جب کہ یہ شریعت ہے۔آج پہلے ہمارے علاقے میں دیکھ لو۔ایک ایک گھر میں کتنی لڑکیاں ماں باپ کی چوکھٹ پہ بالوں میں چاندی اتار بیٹھی ہیں۔اچھے کھاتے پیتے مرد ہیں خاندان میں۔الحمدللہ ہر طرح سے انصاف کر سکتے ہیں لیکن بری نظر ڈال لیں گے پناہ نہیں دیں گے۔

لیکن زنا بالجبر بالکل الگ چیز ہے۔اس میں تو صبر کرنے والیوں کے لئے بہت اجر ہے جو واویلا نہ کریں اور پردہ کر لیں۔اور آگے کے لئے توبہ کریں اور اپنا حصار کریں۔

اسلام کی تاریخ میں یہ ایسے واقعات ہیں جو ایسے ہی کالے کروں سے بھرے پڑے ہیں۔مسلمان عورتوں کو ہمیشہ اس چیز کا معاملہ پیش رہا اور اسی لئے اس معاملے میں قرآن کی تعلیمات بھی بہت واضح ہیں۔شام اور فلسطین اور کشمیر کی بیٹیوں کی حالت زار سے کون

واقف نہیں۔ان حالات میں ان کو عزت دے کر اپنا لینا ہی انسانیت ہے لیکن کچھ روایات ہیں علماء اس بات پہ بھی متفق ہیں کہ ان حالات میں اگر میاں بیوی کے درمیان فاصلہ رہے تو زیادہ بہتر ہے۔لیکن ایک بات واضح ہے ان عورتوں کے لئے اجر اور عظیم اجر کا وعدہ ہے جو اس آزمائش میں صبر کرتی ہیں اور واویلا نہیں کرتیں۔بیٹی کو حوصلہ دو۔''

''اور صوفی صاحب۔بچہ۔۔۔لالہ بالکل بھی بچہ نہیں چاہتی۔''

''اس کے لئے میں تمہیں ایک واقعہ سناتا ہوں۔ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے قبول کیا کہ اس سے زنا ہوا ہے اور وہ حاملہ بھی ہو چکی ہے۔میری بات غور سے سنو، زنا ہوا ہے۔مطلب گناہ کبیر سرزد ہوا ہے۔رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جائے اور بچے کو جنم دینے کے بعد آئے۔تب وہ عورت بچے کے جنم تک نہ آئی اور جب آئی تو بچہ گود میں تھا۔وہ اب بھی سزا چاہتی تھی تاکہ آخر کے عذاب سے بچ سکے۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جا کر اسے دو سال تک دودھ پلاؤ پھر آنا۔ بالآخر دو سال بعد وہ لوٹی اور سزا پوری کی گئی۔

بچہ جائز ناجائز نہیں ہوتا۔وہ اب انسانی جان ہے اور انسانی جان کی اسلام میں کیا اہمیت ہے یہ تم بھی اچھی طرح جانتے ہو۔پھر ہمارے قانون میں تو ایسی عورت سے مکمل شادی بالکل جائز ہے۔اور اس بچے کا ابارشن کرانا بھی۔لیکن اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔۔لالہ گناہ گار نہیں ہے وہ دوسری والی عورت ہے جس پہ ظلم ہوا۔اس کے لئے اجر ہے اور اگر وہ اس بچے کو بھی پیدا کرتی ہے تو ایک جان بچانے کا ثواب بھی۔اب تم کس طرح اسے سمجھاتے ہو یہ تم پہ منحصر ہے۔''باریال کا تنا تنا وجود کچھ ہلکا ہوا تھا۔

وہ اب بالکل ریلیکس محسوس کر رہا تھا۔

''مجھے خوشی ہے باریال۔تم نے عام مردوں سے ہٹ کر سوچا اور کیا۔''

''میں کہاں صوفی انکل۔یہ تو بس اللہ پاک کا حکم تھا۔بس دعا کریں لالہ سنبھل جائے۔''

''تم جیسا مہربان ساتھ ہو تو سنبھل ہی جائے گی۔بس اپنا ظرف بڑا رکھنا بچے۔''

''انشاءاللہ۔''اس نے ادب سے سر جھکایا تھا۔صوفی صاحب مسکرا دیئے تھے۔

☆......☆......☆

سہراب علی خان کو اب سکون نہیں تھا۔وہ زیادہ تر زریاب کے ساتھ ساتھ رہنے لگا تھا۔سانپ جیسی زہریلی نظریں نگین کو ڈھونڈتی رہتی تھیں۔بہرحال جلد ہی اسے اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اپنے مقصد میں کسی حد تک کامیاب ہو چکا تھا۔

یوں اچانک عیسیٰ کی موت کے دکھ پہ اپنوں کی جان کا خوف واقعی حاوی ٹھہرا تھا۔ نگین اسے ہراساں نظروں سے دیکھتی اور بجائے واویلا کرنے کے خاموشی سے کہیں چھپنے کی کوشش کرتی۔سبین اس کی بے بس حالت پہ تڑپ کے رہ جاتی۔ادھر دن بہ دن غم اور

بڑھتے خوف اور سٹریس کی وجہ سے نگی کا دماغ ماؤف ہونے لگا تھا۔اسے دورے پڑنے لگے تھے۔بیٹھے بیٹھے تو کبھی نیند میں ہی اچانک وہ زور زور سے چلانے لگتی۔کسی کے قابو میں نہ آتی۔اکثر رات میں اسے کئی بار مردان خان کے پرانے لال کنویں سے بھی پکڑ کے لایا گیا۔ رات کو نہ جانے وہ موم بتیاں جلا جلا کے اس کنویں کے کالے گہرے پانی میں کس کو کھوجنے نکل جاتی۔نہ رات کے اندھیرے کا خیال کرتی نہ سردی گرمی کی پرواہ۔

کئی بار حویلی کے بڑے پھاٹک تک کو پار کر گئی۔نہر کے قریب سے لوگوں نے پہچان کے عزت سے حویلی واپس پہنچایا۔سبین اور زریاب تواب پریشان سے ہونے لگے تھے اور سہراب اسی قدر پر سکون۔وہ جس قدر خود سے غافل ہوتی جاتی سہراب علی خان کے لئے اتنا ہی اچھا تھا۔انہیں اس طرف کی کوئی پریشانی ہی نہ رہتی۔

سبین کو پڑھائی مکمل کرنے واپس شہر جانا تھا اور نگی کو اس حالت میں چھوڑ کے جانا اسے بالکل بھی مناسب نہیں لگ رہا تھا۔خود عیسٰی لالا جیسے پیارے انسان کو یاد کر کے دن میں کئی بار اس کی پلکیں بھیگ جاتیں۔دل پہروں اداس رہتا۔عیسٰی لالا کی معصوم سی مسکراہٹ متواتر اس کی پلکیں نم کیئے رکھتی اوپر سے نگی کی یہ حالت۔

لیکن۔۔

اس دنیا میں ہر شے فانی ہے۔۔۔اپنے وقت پہ سب ختم ہو جاتا ہے۔۔۔

زندگی یونہی چلتی رہتی ہے۔کسی لے لئے نہیں رکتی۔کوئی نہ بھی چلنا چاہے تب بھی قدم آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔اپنی مرضی چلتی ہی کہاں ہے وقت کے پہیئے پہ اور یہی تو وقت کا حسن ہے۔یہ ہر درد پہ دھول ڈال ہی دیتا ہے۔درد ختم نہ سہی کم کر ہی دیتا ہے۔وہ سب بھی آہستہ آہستہ وقت کے پہیئے کے ساتھ چلنے لگے تھے۔زندگی نے نئی ڈگر جو سنبھالنی تھی۔

☆......☆......☆

''اتنا خوبصورت کپل ہے آپ کا ماشاءاللہ۔اور شادی کے شروع کے دنوں میں ہی اللہ پاک کی اتنی بڑی نعمت۔۔تو یہ ناشکری کیوں؟''لالہ کا مکمل چیک اپ کرنے کے بعد اس ڈاکٹر نے حیرت سے باریال سے پوچھا تھا۔

''میری وائف پر سکون نہیں ہے اور مجھے وہ نہیں چاہئے جو انہیں نہیں پسند۔''باریال خود کو پہلے سے ان سوالوں کے لئے تیار کر کے آیا تھا۔اس نے اعتماد سے فوراً جواب دیا تھا۔لالہ نے حیرت سے اس''مرد''کو دیکھا تھا۔۔۔ڈاکٹر کی آنکھوں میں بھی حیرت ابھری تھی۔

''اتنی چھوٹی سی بات کے لئے آپ اللہ پاک کی اتنی بڑی ناشکری کرنے پہ تلے ہیں۔خدا کا خوف نہیں رہا آپ کو۔۔اور تم۔۔تم تو خوش قسمت ہو ماں کے مرتبے پہ فائز ہونے جا رہی ہو۔بچے سے ماں کو بے سکونی۔۔اٹس رئیلی سٹرینج۔۔۔''اس نے کندھے اچکاتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا تھا۔

''ڈاکٹر پلیز۔۔'' باریال نے ہاتھ اٹھا کے انہیں مزید کچھ بھی کہنے سے منع کیا اور آگے بڑھ کر لالہ کی بیڈ سے اترنے میں مدد کرنے لگا۔

''ہو جاتا ہے اکثر۔ آپ نہیں سمجھیں گی۔'' وہ اب اسے ساتھ لئے کھڑا تھا۔ لالہ نے دیکھا وہ قد میں کتنا اونچا تھا۔ اسے خود پہ پہلی بار رشک آنے لگا تھا۔

''تھینکس فار یور کنسرن۔۔ ہم کوئی اور کلینک دیکھ لیتے ہیں۔'' باریال نے مسکراتے ہوئے ان کا شکریہ ادا کیا۔

''میں پھر بھی یہی کہوں گی۔ ایسا کوئی کام نہ کریں جو اللہ پاک کے عذاب کو دعوت دے۔ اسلام میں تو ناجائز بچے کا قتل جائز نہیں۔ یہ تو پھر ماشاءاللہ ایک مکمل کپل کا بچہ ہے۔ یہ سراسر ناشکری ہے۔''

ان کی بات پہ لالہ نے چونک کے انہیں دیکھا تھا۔ باریال ان سے اجازت لیتا اسے لے کر باہر آ گیا تھا۔

''یہ ڈاکٹر کیا کہہ رہی تھی ناجائز بچے کا قتل بھی جائز نہیں۔'' گاڑی کے آگے بڑھتے ہی لالہ نے باری سے پوچھا تھا۔

''صحیح کہہ رہی تھی۔ یہی تو میں اور دیدے تمہیں سمجھانا چاہ رہے تھے۔'' وہ سامنے دیکھتے ہوئے بولا۔

''لیکن آپ نے کہا تھا ولی اگر میں نہیں رکھنا چاہتی تو میں اسے ابارٹ کروا سکتی ہوں۔''

''بے شک۔۔ لیکن اب یہ ہے تو انسان نا۔ اس کا کوئی قصور نہیں ہے بہرحال اب اس کا ابارشن قتل ہی ہوگا۔ اگر اسے جنم دو گی تو ایک جان بچا لو گی۔''

''لیکن یہ مجھے وہ درد، وہ رات نہیں بھولنے دیتا ولی۔۔ مجھے جب بھی اپنے اندر اس کا وجود محسوس ہوتا ہے ایک ایک زخم جیسے کھرچنے لگتا ہے۔'' اس کی آواز بھرانے لگی۔ باریال نے بائیں ہاتھ سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''میں تمہارے ساتھ ہوں نا لالہ۔۔ کسی کے دیئے زخموں کو بھول کر میری دوستی یاد کر لیا کرو۔ تمہیں یہ سب پھر تکلیف نہیں دے گا۔'' اس نے لالہ کا ہاتھ تھامے رکھا تھا۔

''یہ مشکل ہے ولی۔۔ میں اس بوجھ کو اپنے اندر نہیں رکھ سکتی بس۔'' وہ سسک اٹھی تھی۔

''اچھا جا رہے ہیں نہ دوسرے کلینک۔ یہ والے ضرور ہماری مشکل حل کر دیں گے۔'' اس نے تسلی دیتے ہوئے گاڑی بائیں طرف ایک تنگ گلی میں موڑ دی تھی۔ ذرا دور جا کر ایک اونچے پرانے زنگ آلود دروازے کے سامنے گاڑی روکی۔ گیٹ کھلا تھا۔ وہ اسے لئے اندر آ گیا۔ یہ ایک بنگلے کا وسیع احاطہ تھا جو اس وقت بالکل خالی تھا۔ ایک طرف کونے میں بڑا سا ڈسٹ بنا ہوا تھا اور اس طرف سے عجیب سی بدبو اٹھ رہی تھی۔ لالہ کا دل خراب ہونے لگا اس نے فوراً دوپٹہ ناک پہ رکھا۔

''یہ کیسی جگہ ہے ولی۔'' اسے خوف سا آنے لگا تھا۔ اس نے باریال کا بازو تھامتے ہوئے پوچھا۔

''غلط کام کرنے والوں کے کلینک ایسے ہی ہوتے ہیں۔خوفناک اور سرد۔تم گھبراؤ مت میں ہوں نا۔''اس نے تسلی دی۔اسی وقت اندرونی دروازہ کھلا ہوا تھا اور ایک ادھیڑ عمر عورت لہورنگ ہاتھ میں گوشت کے لوتھڑے اٹھائے باہر آئی تھی۔اسے دیکھ کے لالہ کو بے اختیار ابکائی آئی تھی۔باریال نے اسے سنبھالا تھا۔ان دونوں کو دیکھ کے وہ عورت ٹھٹھک کے رکی تھی پھر گند اس ڈسٹ بن میں پھینک کر واپس ان کے پاس آئی تھی ۔اب اس کے چہرے پہ معنی خیز سی مسکراہٹ تھی۔

''آجاؤ اندر۔ڈاکٹر صاحبہ موجود ہیں۔''اس نے کہا تو باریال لالہ کو ساتھ لئے اس کے پیچھے بڑھ گیا۔

ڈاکٹر نے کچھ دیر ان سے بات کر کے باریال کو باہر انتظار کرنے کا کہا تھا۔

''اسی کا بچہ ہے جو ساتھ ہے مھارے۔''ڈاکٹر نے باریال کے باہر جاتے ہی اس سے پوچھا۔وہ خاموش رہی۔

''اتنا تو میں سمجھ گئی ہوں تم دونوں میاں بیوی ہو نہیں۔''اس نے تیر چلایا۔لالہ نے چونک کے اس کی طرف دیکھا۔

''لیکن ڈرو نہیں۔یہاں ہر کام پوری رازداری سے کیا جاتا ہے۔سمجھو تم کبھی اس عمارت میں آئی ہی نہیں۔''

''ہم واقعی میاں بیوی ہیں۔''لالہ نے اس کی غلط فہمی دور کی۔نہ جانے کیوں باریال کے لئے اس کی یہ سوچ اسے بہت بری لگی۔

''رئیلی۔۔''اب کی بار حیران ہونے کی باری ڈاکٹر کی تھی۔

''جی۔''

''تو پھر یہ سب کیوں۔۔۔؟''

''بس مجھے ابھی بچہ نہیں چاہیے''

وہ نظریں جھکا گئی۔

''اوہ!آج کل کی لڑکیوں کا یہ فٹنس کریز۔کیا کیا کر لیتی ہو تم لوگ۔۔''وہ اب واپس پلٹ چکی تھی۔بیل بجتے ہی باریال اندر آیا تھا۔

''آپ انہیں کل لے آئیں۔میں آپریشن کر دوں گی اور ان کی حالت بہت کمزور ہے ہمیں خون کی بھی ضرورت پڑ سکتی ہے۔''انہوں نے ہدایت کی۔باریال وہ چھوٹی سی چٹ پکڑتا سر ہلا گیا۔

باہر آتے ہوئے لالہ نے بس یونہی ایک نظر ڈسٹ بن کی طرف دیکھا تھا۔گوشت کا لوتھڑا دھوپ میں رکھا چمک رہا تھا۔

''ولی۔میں اس بچے کو جنم دوں گی۔''اس نے گاڑی میں بیٹھتے ہی کہا تھا۔باریال کو جھٹکا سا لگا تھا۔اس نے حیرت سے لالہ کو دیکھا تھا۔

''لیکن اس کے بعد ہم اسے کسی اچھے خاندان میں دے دیں گے جن کی اولاد نہ ہو۔آپ مجھے فورس نہیں کریں گے اسے رکھنے کے لئے۔''اس نے باریال کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"تم ہمیشہ مجھے اپنے ساتھ پاؤ گی لالہ۔۔" اس نے مسکراتے ہوئے اس کا گال چھوا تھا اور لالہ نے سر سیٹ سے لگاتے ہوئے بے اختیار سوچا تھا۔ کاش وہ اس خالص مرد کے لئے ویسی ہی خالص اور پاک رہی ہوتی کہ وہ اسے چھوتا تو ناپاک نہ ہوتا۔۔ بند پلکوں کے پیچھے سے آنسو لڑھکا اس کے گال پہ پھسل گیا۔ باریال نے اس کی طرف دیکھے بنا مطمئن انداز میں گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

☆......☆......☆

وہ اپنا سامان پیک کر رہی تھی جب اس کی ایک نوٹ بک اس کے ہاتھ سے چھوٹ کے نیچے جا گری۔ اس میں سے ایک سفید کاغذ نکل کے سیدھا ساتھ بیٹھی نگین کے پیروں میں آ گرا۔ سبین کی نظر اس پہ نہیں پڑی تھی۔ اس نے کتاب اٹھائی اور بیگ میں رکھ لی۔

نگین نے گم سم انداز میں وہ کاغذ اٹھایا اور یونہی کھول کر پڑھنے لگی۔ زیادہ نہیں پڑھا گیا لیکن جتنا بھی پڑھا اس سے اس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔ وہ تیزی سے اٹھی تھی اور کھڑکیاں دروازے بند کرنے لگی تھی۔ سبین نے حیرت سے اسے اچانک یہ سب کرتے دیکھا تھا اور فوراً اس کی طرف آئی۔

"نگی۔۔۔ نگی کیا ہوا ہے۔۔ آپ ٹھیک تو ہیں؟" وہ پریشانی سے اسے پکارتی اسے روکنے کی کوشش کرنے لگی۔

"ہشش۔ ہشش۔" نگی نے ہاتھ اس کے منہ پہ رکھ کے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ چپ ہو گئی۔ اسے چھوڑ کر نگی دوبارہ کھڑکی دروازوں کو دیکھنے لگی۔ جب سب بند ہونے کی اچھی طرح تسلی ہو گئی تو وہ بہن کا ہاتھ تھام کر بیڈ کی طرف لے آئی۔

"یہ کون ہے؟" اس نے وہ سفید خوبصورت لکھائی سے بھرا کاغذ اس کی طرف بڑھایا وہ رقعہ دیکھ کے سبین گھبرا سی گئی۔

"یہ۔۔۔ یہ۔۔۔"

"گھبراؤ نہیں بتاؤ مجھے۔۔ یہ لڑکا کون ہے۔" انہوں نے اسے تسلی دی۔ ایک پل کو سبین کو حیرت بھی ہوئی۔ نگین اتنے دنوں بعد ہوں نارمل ہو کے بات کر رہی تھیں۔

"بتاؤ نہ چھوٹی۔۔ کون ہے یہ لڑکا۔۔ جلدی۔" انہوں نے سبین کا کاندھا ہلایا۔ وہ بری طرح چونکی۔

"سید ہیں۔ بہت قابل ہیں اور اچھے انسان بھی۔ ہمارا ایڈمیشن لیٹ ہوا تو انہوں نے بہت مدد کی۔" وہ بتانے لگی۔

"اور۔۔۔" نگی پرجوش سا اس کے قریب ہوئی۔

"وہ مجھے پسند کرتے ہیں اور مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔"

"اور تم۔۔۔؟"

"مجھے بھی اچھے لگتے ہیں وہ۔" وہ ہاتھ چھڑا کر اٹھ گئی۔ نگین اس کے پیچھے ہی اٹھی۔

"لیکن میں جانتی ہوں یہ ممکن نہیں ہے۔ ہمارا ذات کا فرق اور پھر لالا۔۔ کبھی بھی اس کے لئے نہیں مانیں گے۔"

''ممکن ہے۔اور تم غلط کہہ رہی ہو لالا مان جائیں گے سہراب نہیں مانے گا۔''نگین نے لب کچلتے ہوئے کہا تھا۔سہراب کے نام پہ جو نفرت ان کے لہجے میں گھل گئی تھی اس نے سبین کو ششدر کر دیا تھا۔

''کیا مطلب نگی۔۔آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں۔''

''ادھر آؤ میری بات غور سے سنو۔''انہوں نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے بستر پہ اپنے قریب بٹھایا۔

''خبردار۔۔اس بات کی ہوا تک نہ جانے پائے اس کمرے سے باہر۔اور یہ کاغذ۔ابھی کے ابھی اس سب کو چھپا لو۔اور میری بات غور سے سنو۔تم آج جاؤ گی تو دوبارہ اس حویلی نہیں آؤ گی۔''انہوں نے شہادت کی انگلی دکھاتے ہوئے سخت لہجے میں کہا تھا۔

''یہ کیا کہہ رہی ہیں نگی۔''وہ دنگ رہ گئی۔

''بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں۔اس حویلی پہ آسیب بیٹھ گیا ہے۔وہ جب دل کرتا ہے اپنے خوفناک لمبے پنجے بڑھا کے اپنا من پسند شکار کر لیتا ہے۔اس بار اس کی خونی غلیظ نظر تم پہ ہے۔''وہ آنکھیں پھاڑا سے بتائے جا رہی تھیں۔سبین کا دل دھڑک اٹھا تھا۔

''یہ کیا کہہ رہی ہیں نگی۔کیوں مجھے پریشان کر رہی ہیں۔آسیب کب ہوتے ہیں بھلا۔؟''وہ اٹھنے لگی جب نگی نے ہاتھ پکڑ کے اسے دوبارہ بٹھا لیا۔

''آسیب ہے۔سہراب نام ہے اس کا۔''

''سہراب لالا۔۔۔''وہ مزید حیران ہوئی۔

''لالا نہیں ہے وہ کالا سانپ ہے زہر سے بھرا ہوا جو عیسیٰ کو نگل گیا۔اب اس کی نظریں تم پہ جمی ہیں۔''

''مجھ پہ۔۔۔؟''وہ ساکت سی ہوئی۔

''ہاں سبین تم پہ۔۔''

''کیا کہہ رہی ہیں نگی۔''وہ الجھ گئی۔

''میں نے کبھی غلط کہا کچھ تم سے۔''انہوں نے پوچھا۔وہ نفی میں سر ہلا گئی۔

''تو بس تم اس کے بعد کسی کو نہیں ملو گی۔نہ ہی واپس آؤ گی۔اس لڑکے کے ساتھ گھر بساؤ گی ورنہ یاد رکھنا سبین،عیسیٰ تو مر گیا تم مر بھی نہ سکو گی۔حویلی کے لال کنویں کا تو تمہیں علم ہی ہے اب تو وہ بھی پناہ نہیں دیتا۔''انہوں نے اپنے بستر پہ لیٹتے ہوئے آنکھوں پہ بازو رکھ دیا۔سبین خوف سے بت بنی بیٹھی ان کی باتوں کو سوچتی رہی۔

واقعی کچھ دن پہلے نگی نے بھی خودکشی کی کوشش کی تھی لیکن انہیں بچا لیا گیا تھا۔

''تو کیا سہراب لالا۔۔۔اور مجھ پہ نظر۔۔۔''سوچ سوچ کے اس کی روح کانپ رہی تھی۔اسے لگ رہا تھا واقعی اسے اب فیصلہ

کرنا تھا اور اس بار حویلی سے نکلتے ہوئے وہ فیصلہ کر چکی تھی۔

☆......☆......☆

گھر واپس آتے وقت جس قدر اس کا موڈ خوشگوار ہوا تھا وہاں سے آفس کے لئے نکلتے وقت اسی قدر اس کا موڈ بگڑ چکا تھا۔امن اور اس کے باپ نے نہ صرف خود کانٹریکٹ ختم کر دیا تھا بلکہ دوسرے انوسٹرز نے بھی۔اور باریال کو اچھی طرح اندازہ تھا کہ یہ سب امن کے بابا کی ہی حرکت ہو سکتی تھی۔

وہ گاڑی بھگاتا سب سے پہلے انوسٹرز سے ملنے گیا تھا۔انہوں نے اسی خوش دلی سے اس کا استقبال کیا تھا لیکن اس کے ساتھ آگے کام کرنے سے معذرت کر لی تھی۔کافی دیر تک وہ ان سے بحث کرتا رہا لیکن لا حاصل۔اپنے ہاتھوں کی دونوں پوائینٹنگ فنگرز ہونٹوں پہ جمائے وہ اب مکمل طور پہ جیسے بات ختم کر چکا تھا۔

''او کے سر۔'' وہ خود کو کمپوز کرتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''جتنا بھی وقت آپ کے ساتھ کام کیا بہترین رہا۔'' اس نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

''انشاءاللہ ملتے رہیں گے۔'' ایم ڈی نے اٹھتے ہوئے اس سے ہاتھ ملایا۔وہ فائلز اٹھاتے ہوئے باہر نکل ایا۔امن اسی وقت اندر آ رہی تھی۔اسے دیکھ کے رکی اور گہری مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی۔

''میں نے کہا تھا نہ باری۔میں تمہیں تباہ کر دوں گی۔'' اس کے قریب آتے ہوئے وہ ایک غرور سے بولی تھی۔باریال کے چہرے پہ بہت خوبصورت مسکراہٹ مچل اٹھی تھی۔

''تم خود کو سنبھال لو امن۔میرے لئے یہی کافی ہے۔اپنا خیال رکھنا۔'' سادہ سے لہجے میں کہتا اس کی سائیڈ سے نکلتا وہ اس کا دل دھڑکا گیا تھا۔امن سکندر خان کو لگا تھا۔تباہ باریال نہیں وہ ہوئی تھی۔سب ختم ہو گیا تھا۔

سب کچھ۔۔۔وہ اندر جانے کی بجائے مرے مرے قدموں سے باہر مڑ گئی تھی۔

☆......☆......☆

سردی ابھی اپنے جوبن پہ نہیں آئی تھی۔پھر بھی درختوں سے جھڑتے زرد پتوں نے ہر طرف دسمبر تان رکھا تھا۔سوکھے پتوں پہ چلتی وہ جیسے ان کی آواز سننے کے لئے وہاں آئی تھی۔ابراہیم حیات اس کے ساتھ ساتھ چلتا کبھی کبھی حیران سی نظر اس پہ ڈال بھی لیتا اور پھر فوراً نظر ہٹا لیتا۔

''خان زادی آج چپ کیوں ہیں؟'' بالآخر اس نے پوچھنے کی ہمت کر ہی لی تھی۔

''میں چاہتی تھی آج بات تم شروع کرو ابراہیم۔'' اس نے اگلے ہی لمحے جواب دیا تھا۔وہ حیران ہوا تھا۔

''ہمیشہ صرف میں بولتی ہوں۔تم بس سنتے ہو۔میں دیکھتی ہوں تم نظر چرا لیتے ہو۔آج میرا بھی دل کیا۔تم بولو تو بولو تم دیکھو تو دیکھو۔۔میں نہ بولوں گی نہ دیکھوں گی۔'' وہ اس سے آگے بڑھ گئی۔ابراہیم رک گیا۔وہ یونہی نرم قدموں سے پتوں پہ چلتی رہی۔وہ کچھ دیر اس بہار جیسی لڑکی کو خزاں کے موسم سے اٹکھیلیاں کرتے دیکھتا رہا پھر دوڑ کے اس کے پاس آ گیا۔

''کبھی کبھی میں سوچتا ہوں۔محبت کیا ہوتی ہے؟میں حیران بھی ہوتا ہوں چاہو نہ چاہو یہ کسی امر بیل کی طرح آپ کو لپٹتی چلی جاتی ہے۔کوئی پناہ ہی نہیں۔دل ایک ہی پل میں اداس بھی خوش بھی۔۔مطلب کسی لحاظ سے بالکل مکمل اور کسی لحاظ سے بالکل ادھورا۔اور اب جا کے مجھے پتہ چلا بہار کا موسم بھی تو ایسا ہوتا ہے۔دھوپ،بارش، پھول اور زرد پتے ہر رنگ سمیٹے ہوئے،مکمل سی بھی ادھوری رہتی ہے۔

اور میں مان گیا۔

محبت بہار کی طرح ہوتی ہے۔

اس کے رنگ دل کو درد سا دیتے ہیں۔

اس کی بارش آنکھوں کو نم سا کر دیتی ہے۔

اور اس کا جانا بالکل خزاں کر دیتا ہے۔

میں آج سے دعا کروں گا ہر رشتہ روٹھ جائے بس کبھی مجھ سے محبت نہ روٹھے۔۔۔'' وہ اس کے ہم قدم ہوا تھا۔بہت پیاری مسکان اس پری جیسی خان زادی کے لب چھو گئی تھی۔

 

ناول ''محبت لفظ ہے لیکن'' ابھی جاری ہے۔اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی 5 تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔